سیّدۃ النّساءِ العالمین محبوبۂ محبوبِ ربّ العالمین اُمّ المومنین سیّدہ طاہرہ

صدّیقۂ کائنات

صلوٰت اللّٰہ علیہا

حکیم فیض عالم صدّیقی

بک کارنر
پبلشرز بک سیلرز اینڈ جنرل آڈر سپلائرز
چوک فیصل شہید مین بازار فون ۲۸۸۵ جہلم

اہتمام : شاہد حمید شفیق الرحمٰن

سرورق : حفیظ سرور آرٹسٹ لاہور

کاتب : سید فاضل شاہ انور قلمکار

قیمت : پچیس روپے صرف

مطبع طفیل آرٹ پرنٹرز لاہور

اپنی عظیم ماں کے حضور میں

لختِ جگر

میری عظیم ماں!

میں نے جس وقت سیدہ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کے حضور میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ تو تصورِ خیال مجھے تیرے حضور کی جانب لے اُڑا۔ اور جب میں نے اپنے کاشانۂ دل کو تیری یاد سے معمور پایا تو یک لخت گویا وقت کی طنابیں لپیٹ دی گئیں۔ اور ایک ساٹھ سالہ بوڑھے نے اپنے آپ کو ایک چھ سات سالہ صغیر السن فکرِ فردا سے بے نیاز بچے کی طرح تیرے آگے پیچھے دوڑتے بھاگتے اور اچھلتے کودتے پایا۔

میری ماں! تو اس وقت میرے سامنے ہے۔ تیری اثر السجود سے منور پیشانی سے نور کی کرنیں پھوٹتی نظر آ رہی ہیں۔ اور تو آج بھی اسی طرح مجھے مختلف قرآنی آیات حفظ کراتی نظر آ رہی ہے۔

سیدہ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کا یہ کس قدر عظیم شرف و فضل ہے کہ جوں ہی اس عظیم ذات مطہرہ و قدسیہ رضی اللہ عنہا کے حضور میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا، اس نے آنکھ جھپکنے سے پہلے —— اے میری عظیم المرتبت ماں! تیری یاد سے میرے دل کو معمور کر دیا۔

اے میری ماں! تیری مشقت سے لبریز شب ہائے دراز کی دعاؤں، تیرے نالہ ہائے نیم شبی کی تمناؤں، آرزوؤں اور خشیتِ الٰہی سے معمور ایمانی قوتوں نے آج مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ میں آج اللہ تعالیٰ کے جس قدر احسانات و برکات، نعم و افضال اور شرف و اکرام سے نوازا گیا ہوں وہ سب میری پروازِ تخیل سے ماوراء ہے اسے تیری دعاؤں کا ماحصل سمجھتا ہوں۔

میری عظیم ماں! تو آج —— یہاں سے دُور، بہت دور ہمالہ کے دامن میں راجوری کی خاکِ پاک کی ایک جنت آسا وادی میں مغل شاہراہ کے کنارے توت کے درختوں کے فرحت بخش اور ایک کیف آور سائے میں یوم النشور کے انتظار میں محوِ استراحت ہے —— اور تیرا چہیتا فیض کارکنانِ قضا و قدر نے اتنی دُور لا پھینکا ہے کہ تیری

تربت پر حاضر ہو کر دستِ دعا بلند کرنے پر بھی قادر نہیں۔

میری ماں! تو کس قدر عظیم تھی۔ نام نہاد مہذب دنیا سے دُور بہت دور تو نے ہمیں خود آگہی، خود شناسی اور خودداری —— اطاعتِ خالق اور اتباعِ سنت کی دولت سے مالا مال کیا۔ اور تیرے رُوحانی فیوض نے فیض کو دنیا کی فیض رسانی کا ایسا شرف بخشا جو رہتی دنیا تک تابندہ درخشندہ رہے گا۔

اور آج تیرا وہی کھلنڈرا فیض ام المؤمنین سیّدہ کائنات حضرت عائشہ صدیقہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے فیوض و اکرام کے سائے میں ربِ غفور کے حضور یہ التجا لے کر حاضر ہو رہا ہے

ربّ اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب

اے مولائے کریم تو میرے والدین کو اپنے جوارِ رحمت میں سیّدہ صدیقہ کائنات رضی کی حضوری کی سعادت سے مشرف فرما۔ آمین

فیض عالم

[illegible]

دیباچہ

آج سے تقریباً چھ سال پہلے جب مقام صحابہؓ کی تالیف کے لئے مختلف کتب کی ورق گردانی شروع کی تو ہر مقام پر صدیقہ کائناتؓ کی ذاتِ مقدسہ و مطہرہ کو کسی نہ کسی شعبہ حیات میں کہیں صحابہ کرامؓ سے بلند اور کہیں برابر پایا۔ ارادہ کیا کہ صحابہ کرامؓ کے حضور میں نذرانہ تشکر پیش کرنے کے بعد حضرت صدیقہؓ کے حضور میں حاضری دوں گا۔ مگر بوجود عزت رسولؐ اور شہادت ذوالنورینؓ کی تالیفات پیش کرنا ناگزیر ہوگئیں "صدیقہ کائناتؓ" کے حضور میں حاضری کے لئے جس یکسوئی کی ضرورت تھی وہ ناپید رہی اور اسی مضطربانہ سی کیفیت میں سیرۃ امیرالمومنین امیر مروانؓ اور فوائد غرض تو یہ ہے ایک نظر نامی رسائل بھی طبع ہو گئے۔

صدیقہ کائناتؓ کے حضور میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لئے جب بھی تیار ہوا ــــــ قلب و ذہن پر ایک ہیجانی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ کہاں سے شروع کروں ؟ کیا لکھوں ؟ کس بات کو ترک کروں ؟

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جا است والے معاملہ نے ؏

کہیں ایسا نہ ہو جائے میں سرگردان رکھا

وجدان نے کہا میاں! اس ذات قدسی صفات اور زبدۂ مطہرات کے حضور میں تیرے جیسے رُوسیہ کا نذرانہ تشکر بھی ایک قسم کی گستاخی ہوگی۔ میں انہی تصورات کے پیچ و خم کو سنوارنے میں مشغول تھا کہ چند ایک سرمستانِ دربار صادق مصدقؓ اور شہیدانِ کوچہائے محبت و عشق کی طرف سے تقاضے شروع ہو گئے۔

بسم اللہ مجرھا و مرسٰھا کہہ کر قلم ہاتھ میں لیا تو معلوم ہوا کہ اس بحر ذخار کی غواصی اور دُر ہائے شہوار کی جستجو اس صورت میں کہ صحیح روایات و استدلالات جو صادق و مصدوقؐ کی شایانِ شان اور صدیقہ مطہرہؓ کی حیات طیبہ کے ترجمان تھے وہ تو زلغ بصیرت کے رہن ہوتے نظر آئے اور ان کی جگہ ایسی روایات کا کابوس بُری طرح اذہان و قلوب کو اپنی گرفت میں سلئے دکھائی دیا جن کے ذکر سے خاموشی ہی اولیٰ تھی۔

اب مشکل یہ پیش آئی کہ اوّل الذکر روایات کی روشنی میں سیرت صدیقہ طاہرہ رضی
کی تکمیل کی جرأت کی صورت میں مزعومہ نظریات کے حامل جو آج مسند نشینانِ منبر و
محراب اور حاملینِ جبّہ و دستار ہیں۔ انہیں اس سے واسطہ نہیں کہ ملک القدس
کی تقدس داغدار ہو۔ صادق و مصدوق کی صداقت مجروح ہو یطہرکم تطہیراً
کی طہارت غبار آلود ہو .... مگر عقل و بصیرت سے کام لینا جرم عظیم ہے۔ جس
نے بھی ان کے مزعومہ نظریات کی اصلاح کے لئے لب کشائی کی جرأت کی وہ ان
کوتاہ بینوں کی لسانہائے کف آلود سے اپنا دامن بچا کر کہیں نہ جا سکا۔ ع

دیکھنا لینا پکڑنا دوڑنا جانے نہ پائیے

لے چلا میری شکیبائی وہ کافر لے چلا

اور اگر موخر الذکر مزعومہ روایات کی روشنی میں کچھ کہا جائے تو اس گفتنی سے ناگفتنی
ہی ہزار درجہ اولیٰ تر تھی۔ ع

تو اے گرو تو ہم باشوکتِ دریاچہ میدانی

اسیرِ عذر لنگی باوسعت صحرا چہ میدانی

"صدیقہ کائنات" رضی کی ذات مطہرہ کے فضائل و مناقب کے لئے کئی ضخیم جلدیں
درکار ہیں۔ قارئین اس کتاب میں صرف ان چند باتوں کی طرف اشارات پائیں گے جو

درازدستیِ ایں آستین کوتہ ہیں ؎

کی نظر ہو کر رہ گئے۔

صدیقہ کائنات رضی پر ان چودہ صدیوں میں ہزاروں صفحات لکھے گئے۔ ان
لکھنے والوں میں بڑے بڑے جلیل القدر علمائے کرام کے نام بھی ملتے ہیں اور
عام قسم کے مورخین کے بھی ——— ان میں مستشرقین بھی ہیں اور عرب ممالک کے
اصحاب بھی۔ آج تک جس نے بھی کچھ لکھا خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھنے
والا تھا وہ "صدیقہ کائنات" رضی کی وہبی عظمتوں کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوا ہی نظر آیا۔
مگر ——— اس دنیا میں ایک ایسا اقل ترین ٹولہ بھی موجود ہے۔ جسے
آج تک نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اس محبوب ترین بیوی میں "برائیاں ہی برائیاں"
نظر آتی رہیں۔ اگر ان لوگوں کے دلوں میں ایک خشخاش بھر بھی ایمان کی رمق ہوتی یا

انسانیت نام کی کوئی ادنیٰ ترین خصلت بھی ہوتی تو وہ ابلیس کے بہکاوے میں آ کر یوں شرانگیزی نہ کرتے۔ اگر انہیں حضرت صدیقہؓ سے کسی قسم کی کوئی پرخاش تھی تو کم از کم دنیا بھر میں پھیلے ہوئے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے خاموش رہتے۔

اور اس سے زیادہ قابل رحم ہیں وہ لوگ جو صلح و آشتی اور اتحاد و اتفاق کے فرسودہ ترین الفاظ کی آڑ میں ان عقرب صفت ذلیل ترین لوگوں کی مقتضائے طبیعت کی ہمنوائی میں ہمہ تن دیدم دم نکشیدم کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ ہیں ایسے عقل سے پیدل، علم سے کورے، بصیرت سے محروم خود ساختہ دانشوروں اور "مولاناؤں" سے جو شیعہ سنی اتحاد کی مرض میں صاحب فراش ہیں۔ کہ حضور جان کی امان پاؤں تو عرض کروں اگر کوئی منہ پھٹ آپ کی اماں جان کو فاحشہ کہنے کا ارتکاب کرے تو آپ اس سے بھی اتحاد کریں گے یا اس کا حلیہ بگاڑنے پر تل جائیں گے۔ مگر وہ صدیقہؓ جس کی عفت و طہارت پر قرآن گواہ ہے۔ جس کا لعاب دہن آخری وقت حضرت صادق و مصدوقؐ کے لعاب دہن سے ملا۔ جس کی خاک پا کے ایک ایک ذرہ پر ہماری لاکھوں مائیں قربان اس کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والوں سے اتحاد یا للعجب! مجھے تو ان لوگوں کے مسلمان ہونے میں شک ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ صدیقہ کائناتؓ کو فاحشہ[1] کہنے والوں سے اتحاد کی بانگی ہانکنے والے خود نورِ ایمان سے محروم ہیں۔

قرآن پڑھو تاکہ تمہیں ہوش آئے۔ قرآن کہتا ہے امہات المومنینؓ کے گستاخ ملعونین۔ ملعون ہیں اینما ثقفوا جہاں بھی پائے جائیں اخذوا پکڑے جائیں

---

[1] مشہور منحوس طرار رافضی مقبول احمد جسے اپنی دریدہ دہنی کی وجہ سے حکومت ہند نے جیل یاترا نوبت کا شرف بخشا تھا اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر زیر آیت من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ لکھتا ہے جنگ جمل میں ازواج بعد کی کمانڈر بنگ حضرت عائشہ اس آیت کی رو سے فاحشہ مبینہ تر مشتمل ہیں جو جناب امیر المومنین وصی رسول رب العالمین کے خلاف فوج کشی کرنے کے لیے اپنے پرپرست بیٹوں کی زبان و قلم سے منہ پہ تالہ وغیرہ بہت قسم کے خطابات کی مستحق ہوگئی ہیں۔

وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلاً۔ گردن مار دیئے جائیں۔

حضرت صادق و مصدوق نے متعدد بار یہ کلمات فرمائے مجھے عائشہؓ کے معاملے میں ایذا نہ دو۔

قرآن کہتا ہے۔ وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ۔ تمہارے لئے یہ لائق نہیں کہ تم نبیؐ کو ایذا دو۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی لعنت۔ نبی علیہ السلام کی ذات اقدس کی ایذا دہی تو ہوئی آپ کی ازواج مطہراتؓ کے حضور میں گستاخی، مگر اللہ تعالیٰ کی ایذا دہی کا کیا مفہوم؟ ذرا گہرائی میں اتر کر دیکھئے ——— جس طرح نبی علیہ السلام کی ازواج مطہراتؓ کے حضور میں گستاخی نبی علیہ السلام کو ایذا پہنچانا ہے اسی طرح نبی علیہ السلام کی ازواج مطہراتؓ کے حضور میں گستاخی اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا ہے۔

اسی لئے فرمایا گیا وازواجہ امھتھم۔ نبیؐ کی ازواج ان کی مائیں ہیں پھر اسے موکد کرنے کے لئے فرمایا ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہٖ ابداً نبی علیہ السلام کی شرف زوجیت میں آنے کے بعد تم کبھی بھی ان سے نکاح نہیں کر سکتے۔

سیدہ صدیقہ کائناتؓ کی ذات اقدس پر یوں تو بے شمار رسائل لکھے گئے ہیں۔ نیاز فتحپوری کی تالیف صحابیات بھی علمی انداز پر لکھی گئی ہے مگر سب کے سب مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ تحقیقی انداز پر نہیں لکھے گئے۔ رہ رہا کر سید سلیمان ندوی کی سیرت عائشہؓ ایک علمی کتاب کہی جا سکتی ہے۔ مگر گھسی پٹی راہ پر چل کر اسے حاطب لیل کا پلندہ بنا دیا گیا ہے جس سے کوئی مثبت نتیجہ اخذ کرنا کارے دارد ہے اس کے بعض مقامات جب نظر سے گزرے تو بے اختیار یہ شعر زبان پر آ گیا ؎

دیکھا جو تیر کھا کے کمینگاہ کی طرف ٭ اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

جو کچھ ہو سکا آپ کے سامنے ہے میں اتنا ضرور کہونگا کہ یہ نہ دیکھئے کہ ہمارے مروجہ ذخیرہ کی روشنی میں نہیں لکھا گیا بلکہ یہ دیکھئے کہ مروجہ ذخیرہ کی نسبت جس علمی ذخیرہ سے یہ جگر لخت لخت آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے کیا آپ کے علمی ذخیرہ سرمایہ کا [illegible]

تاریخ وسیرت نویسی کے مآخذ اور آداب

مولانا سعید احمد اکبرآبادی فاضل دیوبند ایم۔اے سابق صدر شعبۂ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مدیر ماہنامہ برہان ندوۃ المصنفین دہلی لکھتے ہیں کہ عہد نبوت یا عہد صدیقی کے لئے مآخذ اصولاً دو ہیں۔ ایک کتب احادیث اور دوسرے تاریخ وسیر کی کتابیں۔ ان میں سے ظاہر ہے اول نمبر کتب احادیث کا ہے۔

چنانچہ ہم نے بھی اسی کو مقدم رکھا ہے اور جہاں تک ہم احادیث صحیحہ سے مدد حاصل کر سکتے تھے اس میں کوتاہی نہیں کی ہے لیکن اس موقع پہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ جن احادیث میں کوئی تاریخی واقعہ بیان کیا گیا ہے ان کی نوعیت اور حیثیت ان احادیث سے کسی قدر مختلف ہے جن میں کوئی شرعی حکم یا اس سلسلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل یا عمل بیان کیا گیا ہے۔
آگے چل کر لکھتے ہیں۔ اس بنا پر اس نوع کی احادیث سے استدلال کرتے وقت ایک صاحب تحقیق کا فرض ہے کہ اصول روایت کے علاوہ درایت کے ان اصولوں کو بھی پیش نظر رکھے۔

۱۔ واقعہ کا جو اصل راوی ہے اس کے تعلقات صاحب واقعہ یعنی جس کے متعلق وہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کس قسم کے تھے۔

۲۔ جو واقعہ اس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کیا اس کے مسلّمہ اوصاف و کمالات کے پیش نظر اس واقعہ کا صدور اس سے ہو سکتا تھا۔

۳۔ نفس واقعہ کی نوعیت کیا ہے۔ صاحب واقعہ کی شخصیت سے قطع نظر کیا وہ واقعہ اس ماحول میں پیش بھی آ سکتا تھا۔

۴۔ اگر واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو طبعاً جو نتائج اس پر مرتب ہونے چاہیئیں وہ ہوئے ہیں یا نہیں۔ بہرحال ایک تاریخی واقعہ کے نقد و جرح کے جو اصول ہیں ان کا اطلاق اس واقعہ پر بھی ہونا چاہیئے۔ جو کسی صحیح حدیث میں مذکور ہو۔ اگرچہ وہ روایت صحیحین میں ہی ہو۔ کیونکہ راوی یادداشت

کے بہمہ وجوہ ثقہ اور معتبر ہونے کے باوجود یہ ممکن ہے کہ راوی کو اس کے متعلق اشتباہ پیش آگیا ہو۔ اس لئے اس واقعہ کو اپنی دانست میں سچا سمجھ کر ہی نقل کر دیا ہو۔

مؤرخ کا فرض یہ ہے کہ وہ کسی واقعہ کو محض اس بنا پر قبول نہ کرے کہ وہ حدیث کی کتاب میں مندرج ہے بلکہ اُسے اصول نقد و جرح کی کسوٹی پر پرکھے۔ اس سلسلہ کی جملہ روایات کو پیش نظر رکھے اور پھر اس باب میں کسی قطعی فیصلہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

اس میں شبہ نہیں کہ صحیحین کا مرتبہ کتب حدیث میں سب سے اونچا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ حکم بحیثیتِ مجموعی اور اکثریت کے اعتبار سے ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صحیحین کی ہر روایت دوسری کتب حدیث کی ہر روایت سے زیادہ صحیح ہے وجوہ قبول اگر غیر صحیحین کی روایت کے ساتھ زیادہ ہوں تو بے شک اس کو ترجیح ہونی چاہیئے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی صحیحین کی ان چند احادیث کا جن پر بعض ائمۂ حدیث نے کلام کیا ہے۔ تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

فان هذه المواضع متنازع فی صحتها فلم یحصل لها من التلقی ما حصل لمعظم الکتاب وقد تعرض کذالک ابن الصلاح فی قوله الا مواضع یسیرة انتقدها علیه الدار قطنی وغیره وقال فی مقدمة شرح مسلم له ما اخذ علیهما یعنی علی البخاری ومسلم وقدح فیه معتمد من الحفاظ فهو مستثنی مما ذکرناه لعدم الاجماع علی تلقیه بالقبول

(مقدمہ فتح الباری مطبوعہ مصر ۱۳۰۱ھ ص ۳۴۴)

پس یہ مقامات ایسے ہیں کہ ان کی صحت میں اختلاف ہے کیونکہ کتاب (صحیح بخاری) کے ایک بڑے حصہ کو امت نے جس طرح قبول کیا ہے (ان کی صحت پر اتفاق کیا) ان مقامات کو قبول نہیں کیا اور (ابن الصلاح نے بھی یہ کہکر "بخاری کے ان چند مقامات کو چھوڑ کر جن پر دار قطنی وغیرہ نے تنقید کی ہے" اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور انہوں نے اپنی شرح مسلم کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ہم نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ صحیحین کو تلقی بالقبول حاصل ہے تو اس سے بخاری اور مسلم کی وہ روایات مستثنیٰ ہیں جن پر گرفت کی گئی ہے اور جن میں کسی لائق اعتماد حافظ حدیث نے قدح کی ہے کیونکہ ان روایات کے تلقی بالقبول پر اجماع نہیں

اگر ہمارے مورخین روایات کا ان اصولوں کے ماتحت جائزہ لیں تو اغلب یہ ہے کہ بعض کبار صحابہؓ سے تاریخ میں جو چند ایسی باتیں منسوب ہوگئی ہیں جو ان کی شایان شان نہیں ہیں۔ ان سب کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ حضرت علیؓ کی بیعت کی بحث میں قارئین دیکھیں گے کہ صحیح بخاری کی روایت کو ہم نے ساقط الاعتبار یا موضوع نہیں کہا ہے بلکہ حافظ عمادالدین ابن کثیر نے اس کی جو تاویل کی ہے اور اس طرح انھوں نے اس روایت میں اور اس کی مخالف دوسری روایات میں جو تطبیق دی ہے ہم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک اس قسم کے مواقع پر محتاط طریقہ یہی ہے۔ البتہ جہاں تاویل کی گنجائش ہی نہ ہو وہاں نقد و جرح کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

(دیباچہ صدیق اکبرؓ)

حدیث کے بعد دوسرا درجہ تاریخ کا ہے

ہمارے تاریخی سرمایہ کی بنیادی اور ابتدائی کتب صرف رطب و یابس سے پُر نہیں ہیں بلکہ ان میں مندرج اکثر واقعات صرف رفض کی ترجمانی ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایک مورخ پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ کسی واقعہ کو قلمبند کرتے وقت خوب چھان بین کرے جن لوگوں نے بزعم خویش مورخ یا محقق بننے کے شوق میں یا اپنی تالیفات کی تعداد بڑھانے کے خبط میں یا نادانستہ طور پر ہی ایسے واقعات لکھ دیئے ہیں جن کی زد میں عظیم شخصیتیں ہی نہیں آئیں بلکہ بالواسطہ دینی اقدار بھی لپیٹ میں آگئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کی وضاحت کی جائے۔

دورِ اوّل کے مسلمان جب قرآن و حدیث کو سمجھنے اور سمجھانے میں مشغول تھے تو نو مسلم مجوسیوں کا پڑھا لکھا طبقہ تاریخ بگاڑنے میں منہمک تھا۔ اور ان کا یہ "بگاڑ" بعض مقامات پر بگڑتا بگڑتا ذخیرہ حدیث میں بھی گھس گیا۔ میں یہاں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ اور نہ ہی اس تالیف میں اس کی گنجائش ہے۔ ایک سرسری سا خاکہ پیش کرتا ہوں۔

سیرۃ کے موضوع پر سب سے اوّلین کتب چار ہیں:

۱- **کتاب المغازی**: ابوعبداللہ محمد بن اسحٰق المتوفی ۱۵۱ھ کی تالیف ہے۔ ابن اسحٰق کو امام مالکؒ ثقہ اور معتبر نہیں سمجھتے امام بخاری نے ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ شبلی کے نزدیک ضعیف الروایۃ اور غیر مستند ہے۔ یہ کتاب ناپید ہے۔ اس کا خلاصہ ابی محمد عبدالملک ابن ہشام المتوفی ۲۱۸ھ نے لکھا ہے۔ ابن ہشام نے عبداللہ بن الطفیل البکائی المتوفی ۱۸۳ھ کے واسطے سے روایت کی ہے۔ امام بخاریؒ کے استاد علی بن محمد المدائنی اسے ضعیف الروایۃ کہتے ہیں۔ ابو حاتم غیر مستند کہتے ہیں۔ نسائی اُسے ضعیف کہتے ہیں۔

۲- **المغازی**: ابوعبداللہ محمد بن عمر الواقدی المتوفی ۲۰۷۔ علامہ ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب میں اسے تمام محدثین کے حوالوں سے غیر معتبر اور متروک الحدیث کہتے ہیں۔ شبلی کہتے ہیں وہ بالکل نظر انداز کرنے کے قابل ہے۔ محدثین کا اتفاق ہے کہ وہ اپنے دل سے روایتیں گھڑتا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ، ابن عدی، ابو حاتم، ابن المدائنیؒ، دارقطنی، امام شافعیؒ، ابن راہویہ، امام بخاریؒ، یحییٰ بن معین، ابوداؤد، نسائیؒ، محمد بن بشار، نووی، ابن خلکان، زرکانی سب اُسے دروغ گو کہتے ہیں۔

۳- **طبقات ابن سعد**: محمد بن سعد کاتب الواقدی المتوفی ۲۳۰ھ طبقات میں آدھی سے زیادہ روایتیں واقدی کی ہیں اور باقی میں سے بھی آدھی سے زیادہ غیر معتبر راویوں کی ہیں۔

۴- **تاریخ الامم والملوک**: ابی جعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ۔ مختلف و متضاد روایات کا مجموعہ ہے۔ طبری کے شیوخ سلم الابرش، ابن سلمہ سیف تمیمی اور ابن نجیم بقول محدث سلمانی شیعوں کے لئے حدیثیں وضع کرنے والے تھے۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں طبری میں فی الجملہ تشیع تھا۔ مرنے کے بعد طبری کو مسلمانوں نے اپنے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا تھا۔

ابن خلدون کہتا ہے۔

لیکن افسوس بن بلائے ہوئے نالائق مہمانوں نے تاریخ میں جھوٹے اور خود ساختہ افسانے ملا دیئے۔ اوہام وخیالات بھر دیئے اور کمزور منقولہ اور خود تراشیدہ روایات کے خوب صورت حاشیئے۔ پھر بعد والے انہی کے بتائے ہوئے راستہ پر چل پڑے۔ لکیر کے فقیر بن گئے اور جو کچھ واقعات انہوں نے سُنے تھے بلا کم وکاست ہم تک پہنچا دیئے۔ انہوں نے واقعات کے اسباب پر غور وفکر نہیں کیا۔ اور نہ ان کی رعایت مدنظر رکھی۔

(ترجمہ مقدمہ حصہ اوّل صفحہ ۱۲۵)

تاریخی فن کے معیار صحت پر ابن خلدون کی یہ رائے ایک مورخ کے لیئے حرف آخر کا مقام رکھتی ہے۔ مگر خود ابن خلدون کی یہ حالت ہے کہ اس کے تمام مآخذ سبائی دنیا کے مشہور افترا پرداز اور کذّاب داستان گو ہیں۔ وہ اپنے بیان کردہ قاعدہ کلیہ پر خود عمل نہ کر سکا۔

اس کی توجیہہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ غیر شعوری طور پر ذہناً خود رفض کا ہمنوا ہو چکا تھا۔ گو وہ مسلکاً سنّی تھا مگر دُنیائے سبائیت کے مسلسل پروپیگنڈے نے اس کے ذہن کو اسی رفض کی خرافاتی دنیا کا باسی بنا دیا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ

"جو مستند شہرت وامانت کی فضیلت میں گوئے سبقت لے گئے اور جنہوں نے قدماء کی کتابوں کا قطرہ قطرہ اپنی کتابوں میں نچوڑ لیا۔ وہ تھوڑے سے ہیں اور انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جیسے ابن اسحٰق۔ ابن جریر طبری، ابن کلبی، محمد بن عمر واقدی اور سیف بن عمر اسدی وغیرہ یہ مورخین مشہور ہیں۔ اور جمہور سے ممتاز ہیں۔"

(ترجمہ مقدمہ ابن خلدون حصہ اوّل صفحہ ۲۶)

ابن خلدون جن مورخین کو ثقہ اور قابل حجت قرار دیتا ہے ان کی حالت یہ ہے کہ ابن اسحٰق کو امام مالک ثقہ اور معتبر نہیں سمجھتے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ شبلی کے نزدیک اس کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایہ اور غیر مستند ہیں۔

واقدی نہایت جھوٹا اور کذّاب تھا۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں واقدی،

اگر سچا تھا تب بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا اور جھوٹا تھا تب بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ (تہذیب التہذیب) غرضیکہ وہ اپنے دل سے روایتیں گھڑنے والا تھا۔ احمد بن حنبل ابن عدیؒ ابو حاتم، ابن المدینی، دار قطنی، شافعیؒ ابن راہویہ، امام بخاریؒ یحییٰ بن معین ابو داؤد سجستانی، امام نسائیؒ محمد بن بشار، امام نووی، علامہ ذہبی، قاضی ابن خلکان؛ اور ابن حجر تمام کے تمام اسے دروغگو قرار دیتے ہیں۔

طبری کے رفض پر میں اپنی تمام تالیفات میں بالتفصیل بحث کر چکا ہوں میزان الاعتدال میں ذہبی لکھتے ہیں کہ طبری میں فی الجملہ تشیع تھا۔ کلبی غالی رافضی اور پرلے درجے کا دروغگو تھا۔

یہ ہیں گویا ابن خلدون کے نزدیک ثقہ مورخین ——— ان حالات میں تاریخ ابن خلدون کا کیا مقام رہ جاتا ہے۔

الغرض یہ سب کتب جھوٹی، سچی، صحیح اور غلط روایتوں کا مجموعہ ہیں ان کے بعد سیرت کے موضوع پر یا تاریخی انداز میں جو کچھ لکھا گیا انہیں کے حوالے سے لکھا گیا۔ غرضیکہ متاخرین نے جو کچھ لکھا بغیر تحقیق کے لکھا اور مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ فلسفہ تاریخ کا بانی تو بالکل طبری کا ہو کر رہ گیا۔

ابن خلدون نے گو اپنے شہرہ آفاق مقدمہ میں تاریخی روایات کو اصول درایت پر پرکھنے اور قرائن سے ان کو جانچنے پر زور دیا ہے مگر عملاً وہ خود ایسا نہ کر سکا۔ چونکہ تاریخی روایات کو اس طرح جانچنا بہت مشکل اور کسی ایک فرد کا نہیں بلکہ اداروں کے کرنے کا کام ہے۔ اس لئے اپنی تاریخ میں وہ اپنے ان بیان کردہ اصولوں پر عمل نہیں کر سکا۔ اور اسے مجبوراً اعتراف کرنا پڑا۔ کہ

"میں نے جو کلی اور جزوی حالات لکھے ہیں وہ اکثر تاریخ کبیر محمد جریر طبری کا خلاصہ ہیں"

(ترجمہ تاریخ ابن خلدون حصہ اول رسول اللہ و خلفائے رسول صفحہ ۵۵۸ سطر ۱۵)

ان حقائق و شواہد کی روشنی میں چند واقعات کا سرسری سا جائزہ لیجیے:

ابن جریر کا رفض مسلمات کا درجہ رکھتا ہے اور ابن خلدون اس کے خوشہ چین ہی نہیں بلکہ اس سے کئی قدم آگے بڑھ کر رفض و سبائیت کے مسلمہ وکیل بننے پر فخر

کر رہے ہیں۔ اگر آپ کے پاس مقدمہ ابن خلدون جلد اوّل نفیس اکیڈمی کا شائع کردہ ترجمہ موجود ہو تو اس کا صفحہ ۲۰۱ نکالئے اور سطر ۱۳ ملاحظہ کیجئے لکھا ہے

"لیکن میں نے دُنیا میں اس امید پر اہل بیت کی طرف سے تردید کی اور جھگڑا کیا کہ وہ میری طرف سے قیامت کے دن جھگڑیں۔"

ابن خلدون کے اس فقرہ کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ صحیح واقعات کو جو نام نہاد اہل بیت کی طرف منسوب تھے اور ان میں تنقیصی پہلو تھے ابن خلدون نے انکی تردید کرکے غلط واقعات لکھے۔ یعنی ایسے صحیح واقعات چھوڑ دیئے جن سے نام نہاد اہل بیت کی تنقیص کا اظہار ہوتا تھا اور ان کی بجائے اس قسم کے من گھڑت واقعات کی بھرتی ضروری سمجھی جن سے ان کی توصیف کا پہلو اجاگر ہو سکتا تھا۔

——— "رہا قیامت کے دن ابن خلدون کے لئے ان نام نہاد اہل بیت کا جھگڑنا" تو یہ صریحاً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ابن خلدون اور سب کچھ تو ہو سکتا ہے مگر قرآن فہمی سے نابلد تھا۔ ورنہ اس قسم کے تصور تک کو قریب نہ پھٹکنے دیتا۔

قرآن و حدیث سے تاریخ کا تقابل
اور تاریخ کے داخلی تناقضات

۱۔ سیدنا امیر معاویہؓ بزبان رسالت مآبؐ ہادی و مہدی ہیں۔	تاریخ نے انہیں بڑے دھڑلے سے عادی مجرم گردانتے میں ذرہ بھر ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔
۲۔ امیر مروانؒ سے ائمہ حدیث نے فتاوے اور احادیث لیں[1]۔	تاریخ نے انہیں فاسق و فاجر بنا کر دم لیا۔

[1] امیر المومنین امیر مروانؒ بن الحکم کے نام سے راقم الحروف کی تالیف طبع ہو چکی ہے جس میں سیدنا امیر مروانؒ کے حالات شرح و بسط سے بیان کئے گئے ہیں۔ نیز دیکھئے حجاج بن یوسف پر میرا مقدمہ

٣- حواب کے مقام پر مشہور باغیہ ام زمل قتل ہوئی۔

٤- امیر یزیدؒ، نبی علیہ السلام کی زبان مبارک سے مغفور کہلائے۔

٥- ملعونین علے لسان محمد وہ لوگ تھے جنہوں نے ذوالنورینؓ کو شہید کیا۔[۵]

٦- سیدنا معاویہؓ اور ان کے لشکری سیدنا علیؓ کی زبان سے اپنے جیسے مسلمان تھے۔

٧- سیدنا حسینؓ کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ امیر یزیدؒ کی بیعت کے لئے کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی عازم دمشق ہو گئے۔

٨- احادیث کی روشنی میں نبی علیہ السلام کے کفیل آپؐ کے تایا زبیر تھے۔

شعب بنو ہاشم میں نبی علیہ السلام کو ضروریات زندگی کا سامان پہنچانے والے آنحضرتؐ کے داماد سیدنا ابو العاصؓ بن ربیع تھے۔

مگر تاریخ نے مکہ سے بصرہ میں حواب کا مقام پیدا کر کے صدیقہ کائناتؓ پر کتے بھونکنے والی روایت چسپاں کر کے دم لیا۔

تاریخ نے انہیں زانی، شرابی، فاسق اور فاجر کے روپ میں پیش کیا۔

مگر تاریخ نے مجاہدین حرہ پر یہ روایت چسپاں کر دی۔

لیکن تاریخ نے انہیں خاطی بلکہ باغی قرار دیا۔ درست

مگر تاریخ آج تک امیر یزیدؒ کو قتل حسینؓ کا مجرم کہہ رہی ہے۔

لیکن داستانیں آج تک نبی علیہ السلام کی کفالت کی سعادت کا سہرا ابو طالب جیسے قلاش، مفلس اور اپاہج کے سر باندھ رہی ہیں۔

مگر شعب بنو ہاشم شعب ابو طالب بنا دیا گیا۔

---

۵ تفصیلی حالات کے لئے راقم کی تالیف "شہادت ذوالنورین" ملاحظہ کیجیے۔

فتح مکہ کے روز نبی علیہ السلام کے ردیف انہی ~~ابی العاص~~ کے بیٹے سیدنا علیؓ یعنی نواسۂ رسولؐ تھے۔ ؟

- سیدہ رقیۃ الزہراؓ بنت رسول اللہ ﷺ کی اولاد آج بھی دنیا میں زندہ موجود ہے اور انکے پوتے کا نام زین العابدین تھا۔

۱۲- عمار بن یاسرؓ کو مصری باغیوں نے مصر سے لوٹتے ہوئے راستہ میں ہی قتل کر دیا تھا حضرت عمارؓ کے مصر میں مقتول ہونے کی تفصیل ابن خلدون جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۱۸-۲۱۹ طبری جلد ۵ صفحہ ۱۰۴-۲ اور وفاء الوفا للسمہودی میں بھی موجود ہے لا تقتلک صحابی کے کلمات بھی احادیث میں موجود ہیں

۱۳- سیدنا خالدؓ سیف اللہ غزوہ موتہ سے فتحیاب ہو کر لوٹے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی)

مگر تاریخ نے نہایت چابکدستی سے یہاں سیدنا علیؓ بن ابی طالبؑ کو آگے بڑھایا ہے

مگر یاران سرپل نے تاریخوں میں سیدہ رقیہ الزہراؓ کے بیٹے کی آنکھ میں مرغ کی ٹھونگ مروا کر وادی موت میں دھکیل دیا اور سیدنا حسینؓ کے بیٹے سیدنا علیؓ کو امام زین العابدین بنا کر سیدہ رقیۃ الزہراؓ کی اولاد ہی صفحہ ہستی سے نابود کر دی[1]

مگر ان لوگوں نے سیدنا امیر معاویہؓ کو باغی ثابت کرنے کے لئے عمار بن یاسرؓ کو جنگ صفین میں پہنچا دیا۔

تاریخ کہہ رہی ہے کہ خالدؓ باقی ماندہ لشکر کو بچا لائے اور جب یہ لشکر مدینہ پہنچا۔ تو بعض لوگوں نے ان کے سروں پر خاک ڈالنی شروع کی۔ بعض مورخین نے اسے

---

[1] سیدہ رقیۃ الزہراء کی اولاد کے حالات کے لئے میری تالیف عترت رسول ﷺ نیز سید عبدالقادر ملتانی کی تالیف الرقیۃ الزہراؓ دیکھیے۔

۱۴۔ حدیث میں ہے کہ تمام لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ (بخاری مناقب ابوبکرؓ)

تاریخ کہتی ہے کہ سعدؓ بن عبادہ نے بیعت کی نہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ (طبری)
حضرت ابوبکرؓ کی بیعت پر سعدؓ بہت ناراض تھے۔ (ابن خلدون)
تباہی بخش ہزیمت کہا (ابن خلدون، ابن ہشام، تاریخ امیر علی)

۱۵۔ جنگ احد میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور دوسرے دن انہوں نے کفار کا تعاقب کیا۔ (آل عمران)

تاریخ کہتی ہے مسلمانوں کو شکست ہوئی

۱۶۔ حدیث میں ہے کہ فاروق اعظمؓ نبی علیہ السلام کی دعا کی برکت سے سورہ الحاقہ کی آیات انہ لقول رسول کریم سن کر ایمان لائے۔

تاریخ میں ہے کہ عمرؓ نبی علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے نکلے۔ پہلے بہن اور بہنوئی کو پیٹا اور پھر اسلام لائے۔

الغرض اس قسم کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جاتی ہیں جو احادیث میں موجود ہیں مگر تاریخ ان کے خلاف بیان کر رہی ہے۔ اور بعض باتیں جو تاریخ کے بعض مقامات میں صحیح ہیں مگر سبائیت کی دسیسہ کاریوں سے متاثر ہو کر اسی مورخ نے دوسرے مقام پر اس کی صورت مسخ کر کے پیش کی ہے۔ حواب کا واقعہ اور سیدنا عمارؓ کا قتل اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

انشاء اللہ؟

پہلا باب

بسم اللہ

اُمّ المؤمنین

صدیقۂ کائنات سیّدہ عائشہ صلوٰۃ اللہ علیہا

اللھم صل علی محمد ن النبی الامی وازواجہ امہات المومنین وذریتہ واھل بیتہ کما صلیت علی ال ابراھیم انک حمید مجید ۔
(ابوداود، نسائی)

نام : عائشہ رض
لقب : صدیقہ
خطاب : ام المومنین
کنیت : ام عبداللہ رض

سیدنا عبداللہ آپ کی بہن سیدہ اسماء رض کے بیٹے تھے۔ تواریخ وسیر کی کتب میں عبداللہ بن زبیر رض کے نام سے مشہور ہیں۔ امیر المومنین یزید رح کے دور خلافت میں سیدنا حسین رض کی شہادت کے بعد مدعی خلافت ہوئے مگر استقلال حاصل نہ ہو سکا۔ اور مکہ میں شہید ہو گئے۔

جب دیگر امہات المومنین رض نے اپنی سابقہ اولادوں کے نام پر اپنی کنیتیں رکھ لیں تو ام المومنین صدیقہ کائنات رض نے دربار رسالت میں عرض کی۔ میں کس کے نام پر اپنی کنیت رکھوں۔ تو حضرت صادق ومصدوق خاتم النبیین والمعصومین نے فرمایا

تم اپنے بھانجے عبداللہؓ کے نام پر اپنی کنیت رکھ لو۔

(ابو داؤد کتاب الادب، مسند ابن حنبلؒ مسند عائشہؓ)

بعض جہلاء نے آپ کا لقب حمیرا بھی لکھا ہے۔ مگر محققین نے اسے موضوعات میں سے قرار دیتے ہوئے منسوب الی الروافض قرار دیا ہے تفصیل اپنے مقام پر آئیگی۔

باپ کا نام : ابو بکر صدیقؓ [1]

---

[1] نہ معلوم سب سے پہلے کس خبیث الطبع، شریر النفس اور بد باطن شخص نے یہ ہانک لگائی کہ نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات میں سے صرف حضرت عائشہؓ ہی کنواری تھیں اس لئے ان کے باپ کو ابو بکرؓ کہتے ہیں۔ میرے پاس اس کا نہایت مختصر سا جواب موجود ہے جو اگرچہ لطیف الطبع اصحاب کے نزدیک سوقیانہ ہی سہی مگر جن اشرار کی عف عف سے صدیق اکبرؓ جیسی عظیم شخصیت، جو سب سے پہلے ایمان لایا، پورے تیئیس سال تک نبی علیہ السلام کا ہمدم و دمساز رہا اور جسے نبی علیہ السلام نے اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ جو مرنے کے بعد بھی نبیؐ کے پہلو میں آسودہ خواب ہے جو قیامت کے دن تمام امت سے پہلے نبیؐ کے ساتھ اُٹھے گا، جو جنت میں بھی نبیؐ کا رفیق ہو گا اس کی ذات قدسی صفات کے لئے ایسی سوقیانہ قسم کی تضحیک برداشت کرنے والے خود نور ایمان سے کورے ہیں۔ کیا ایسا کہنے والوں کی بیٹیاں پیدا ہوتے ہی ثیب ہوتی ہیں۔ کیا وہ نکاح سے پہلے ہی اپنا کنوار پنا اپنے والدین کے منہ پر پھینک کر اپنے خاوندوں کے گھر جاتی ہیں۔ مجھے اس مقام پر نہ تو مستشرقین کی جہالت کا ماتم کرنا ہے اور نہ ہی ابن سبا کی امت پر افسوس ہے۔ افسوس ہے ان جاہل قسم کے سنیوں کی عقل پر جو بد باطن اشرار کی اس سازش کی یلغار میں ان کی سُر سے سُر ملائے چلے جا رہے ہیں۔

لفظ بکر عربی زبان میں تین طریقوں سے آیا ہے :

(۱) بکسرہ ب، البکر اس کے معنی کنواری کے ہیں، یا وہ مرد جو عورت کے پاس نہ گیا ہو، قرآن مجید میں لا فارض ولا بکر نہ بوڑھی نہ جوان ان ہی معنوں میں آیا ہے۔

(۲) بضم ب، البُکر اس کے معنی صبح یا دن کے پہلے حصے کے ہیں (تاج) طلوع فجر سے چاشت تک کی مدت (محیط) صدیق اکبرؓ کا لقب نہ ہی ابو بِکر ہے اور نہ ہی ابو بُکر بلکہ بفتح ب ابو بَکر ہے۔

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

شجرہ نسب

کنانہ

- نضر
  - مالک
    - فہر
      - لوی
        - کعب
          - مرہ
            - کلاب
              - قصی
                - عبد مناف
                  - ہاشم
                    - عبد المطلب
                      - عبد اللہ
                        - حضرت محمد رسول اللہ
                  - عبد شمس
                    - امیہ
                      - حرب
                        - ابو سفیانؓ
                          - ام المومنین ام حبیبہؓ (۳)
                - عبد العزیٰ
                  - اسد
                    - خویلد
                      - ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ (۲)
            - تیم
              - سعد
                - کعب
                  - عمر
                    - عامر
                      - ابی قحافہ
                        - ابو بکرؓ
                          - سیدہ عائشہ صدیقہؓ (۴)
        - عدی
          - رزاح
            - قرط
              - عبد اللہ
                - رباح
                  - عبد العزیٰ
                    - نفیل
                      - خطاب
                        - عمر فاروق اعظمؓ
                          - (۱) ام المومنین حفصہؓ (۱)
- مالک
  - غنم
    - حارث
      - وہمان
        - سبیع
          - اذینہ
            - عقاب
              - عبد شمس
                - عویمر
                  - عامر
                    - ام رومان
                      - سیدہ عائشہ صدیقہؓ

نبی علیہ السلام کے خاندان سے چار ہستیوں کو امہات المومنینؓ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان میں ہاشمیہ کوئی نہ تھیں ایک عدویہ تھیں دوسری اسدیہ تیسری امویہ اور چوتھی تیمیہ اور یہ ہوئے پنجتن پاک۔ باقی امہات المومنینؓ دوسرے خاندانوں سے تھیں۔

(الفقیہ حاشیہ): بکر بفتح ب کے معنی ہیں جسکی پہلے کوئی نظیر نہ ہو (قاموس) یعنی صحیح تعلیم و تربیت اور اعمال صالحہ کیوجہ سے وہ شخص ایسی صفات کا حامل ہو جسکی پہلے کوئی نظیر نہ ہو ہر نیک کام میں پہل کرنے والا۔ کسی شجر کا ابتدائی پھل عورتوں سے بچا ہوا ہر نیک کام میں پیش پیش رہنے والا صدیق اکبر ابو بکر اس لئے کہا گیا کہ آپ سب سے پہلے ایمان لائے اور اسلام کے اولین ثمر کہلائے۔ قبل اسلام بھی دوسری عورتوں سے مجتنب رہے تمام نیک کاموں میں سب صحابہ کرام سے پیش پیش رہتے آپکا ابتدائی نام عبد الکعبہ تھا اسلام لانے کے بعد نبی علیہ السلام نے عبد اللہ تجویز فرمایا عتیق اور صدیق آپ کے لقب تھے (الاستیعاب)

ولادت حضرت ام رومانؓ کے بطن سے سیدنا صدیق اکبرؓ کی دو اولادیں ہوئیں۔ سیدنا عبدالرحمنؓ اور سیدہ صدیقہؓ کائنات۔

سیدہ صدیقہ کائناتؓ کی تاریخ ولادت کے متعلق تاریخ وسیر کی کتابیں خاموش ہیں۔ بخاری کی ایک روایت جو صدیقہ کائناتؓ کے نکاح کے متعلق ہے اس کی روشنی میں صدیقہ کائناتؓ کا سال ولادت نبوت کا چوتھا سال قرار دیا جاتا ہے۔ مگر یہ سن ولادت بوجوہ محل نظر ہی نہیں بلکہ ان قرائن وشواہد کی روشنی میں جو آگے چل کر ایک الگ باب میں بیان کیے جائیں گے۔ بالکل غلط ہے۔ آپ کی ولادت نبوت سے تقریباً پانچ چھ سال پہلے ہوئی تھی۔

بچپن کاشانۂ صدیقؓ ہی وہ مقام ہے جو سب سے پہلے انوار نبوت سے مستنیر ہوا۔ اس لحاظ سے صدیقہ کائناتؓ کو یہ شرف وفضل حاصل ہے کہ آپ نے اسلامی ضوفشانیوں میں شعور کی آنکھیں کھولیں اور توحید ورسالت کی آوازوں میں پروان چڑھیں اور آپ کی آنکھیں طاغیت پرستی کے مناظر کی دید سے ملوث نہ ہوئیں آپ کا قلب صافی کفر وشرک کی تلبیس سے مامون رہا۔ چنانچہ آپ خود فرماتی ہیں کہ میں نے جب شعور کی آنکھیں کھولیں۔ اپنے والدین کو اللہ کے دین میں سرشار پایا۔

بچپن میں ذہانت سورۃ القمر تقریباً ۵ نبوت میں نازل ہوئی۔ صدیقہ کائناتؓ فرماتی ہیں کہ جب بل الساعۃ موعدھم ادھی وامر (القمر) نازل ہوئی تو میں اس وقت کھیلتی تھی (بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۰۴)

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ ۵ نبوت میں اگر آپ کی ولادت تسلیم کی جائے تو اس وقت کیا پیدا ہوتے ہی آپ نے کھیلنا بھی شروع کر دیا تھا اور اتنا شعور بھی پیدا ہو گیا تھا کہ یہ کلام الہی ہے۔ لہذا بخاری کی چھ سال کی عمر میں نکاح والی روایت اور اس روایت میں رفع تضاد کے لئے ماننا پڑے گا۔ کہ آپ کی پیدائش نبوت سے پہلے ہوئی تھی اور دوسری بات یہ کہ آپ بچپن میں ہی عام بچوں سے ذہانت اور جودت طبع میں ممتاز مقام رکھتی تھیں۔ اور صغر سنی میں ہی قرآن فہمی کا جوہر آپ کی ذات اقدس میں موجود تھا۔

ایک بار آپ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں ان میں ایک دو پروں والا گھوڑا بھی تھا۔ نبی علیہ السلام تشریف لائے اور پوچھا عائشہ یہ کیا ہے۔ جواب دیا گھوڑا ہے۔ حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ گھوڑے کے تو پر نہیں ہوتے حضرت صدیقہؓ نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے تو پر تھے۔ نبی اکرمؐ اس بے ساختہ پن پر مسکرا دیئے۔ (مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء)

محدثین نے اس واقعہ کو غزوہ خیبر کے زمانہ کا قرار دیا ہے۔ مگر غزوہ خیبر کے زمانہ میں حضرت صدیقہؓ کی عمر بیس سال سے بھی زیادہ تھی۔ اس لئے یہ بات ذرا محل نظر ہے۔

شادی

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پچیس برس تک شرف زوجیت سے ممتاز رہ کر ہجرت سے تین برس پیشتر رمضان ۱۰ نبوت میں فردوس بریں کو سدھار گئیں۔ اس وقت حضرت خاتم النبیین والمعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۵۰ برس تھی۔

سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ صرف آپ کی زوجہ نہ تھیں بلکہ ہمدم و دمساز، تنہائی کے مضطرب لمحات میں مونس، ہجوم مصائب میں غمگسار، ستمگاریوں کے تلاطم میں پشتیبان، بدزبانیوں کے طوفانوں میں تسکین و اطمینان کی طوبیٰ فردوس تھیں۔ ایسی رفیق، غمگسار، ہمدرد بیوی کا عین ایسے وقت ساتھ چھوٹ جانا جب گھر میں چار بیٹیاں بھی ہوں۔ اور طاغیت و ابالسہ کے افواج درافواج گردو چاروں طرف سے امنڈھ امنڈھ کر آرہے ہوں۔ گھر کی شیرازہ بندی کے لئے کسی ایسی ہستی کا ہونا اشد ضروری تھا جو اس خلا کو پورا کر سکے۔

اس سال کو تاریخ و سیرت کی کتب میں عام الحزن کہا گیا ہے حضور خاتم المعصومینؐ کی یہ عائلی کیفیات جان نثاروں کے لئے سوہان روح تھیں۔ مگر اس موضوع پر گفتگو کرنے کی شاید جرأت اپنے اندر نہ پا کر سب نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ مگر ایک بزرگ صحابیہ خولہؓ بنت حکیم زوجہ عثمانؓ بن مظعون المتوفی ۲ ہجری نے ایک فن جرأت

کر کے عرض کی یا رسول اللہؐ آپؐ دوسرا نکاح فرمالیں تاکہ گھر کے حالات کی طرف سے آپؐ کو سکون مل سکے۔ آپؐ نے فرمایا کس سے؟ سیدہ خولہؓ نے عرض کی بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں۔ جس کو آپ پسند فرمائیں۔ فرمایا وہ کون ہیں؟ سیدہ خولہؓ نے عرض کیا۔ بیوہ سودہؓ بنت زمعہ ہیں اور کنواری عائشہ رضؓ بنت ابوبکرؓ ہیں۔

اب یہاں ایک بات قابل غور ہے۔ ام المؤمنین سیدہ سودہؓ کی عمر شریف اس وقت پچاس سال تھی اور سیدہ صدیقہؓ کی عمر اگر اس وقت چھ سال تھی تو سیدہ خولہؓ نے کیا سمجھ کر جو دو عورتیں آپؐ کے لئے تجویز کی تھیں ان میں سے ایک پچاس سال کی بڑھیا ہیں اور دوسری چھ سالہ بچی۔ کیا نبی علیہ السلام کی تنہائی اور امورات خانہ داری کی اصلاح کے لئے سوچا جارہا ہے یا ایک اور ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کا مشورہ دیا جارہا ہے۔ حقیقت وہی ہے جو متعدد دیگر مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ کہ سیدہ صدیقہؓ اس وقت جوان تھیں اور سیدہ خولہؓ نے یہ سوچ کر ایسا مشورہ دیا تھا کہ سیدہ سودہؓ ضعیف العمر ہیں وہ نبی علیہ السلام کی بیٹیوں کی سرپرستی کے لئے موزوں ہیں۔ اور سیدہ عائشہؓ جوان ہیں۔ ذہین ہیں۔ یہ صحیح معنوں میں سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کا خلا پورا کرسکیں گی۔ اور آگے چل کر زمانہ نے دیکھ لیا۔ کہ صدیقہ کائناتؓ نے یہ خلا کس طرح پورا کیا۔ اور اگر صدیقہ کائناتؓ کی عمر شریف چھ سال تھی تو کیا اس وقت مکہ میں دوسری کوئی نوجوان لڑکی موجود نہ تھی کہ سیدہ خولہؓ نبی علیہ السلام کی خدمت میں چھ سالہ بچی کے رشتہ کی تحریک کررہی ہیں۔ اور نبی علیہ السلام بھی یہ دریافت نہیں فرماتے کہ ایک چھ سالہ بچی کس طرح میرے گھر کا انتظام سنبھالے گی۔ یاللعجب

نبی علیہ السلام کا منشا مبارک پاکر سیدہ خولہؓ سیدنا ابوبکرؓ کے ہاں پہنچیں۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نبی علیہ السلام کو اپنا دینی بھائی سمجھتے تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ جسے منہ بولا بھائی کہا جاتا تھا اس کی اولاد کو سگے بھتیجوں کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ آپؐ نے حیران ہو کر پوچھا۔ خولہؓ! عائشہؓ تو نبی علیہ السلام کی بھتیجی ہیں۔ یہاں پھر ایک بار اس بات پر غور کیجئے کہ ایک عورت ایک آدمی سے لڑکی کا رشتہ ایک پچاس سالہ بزرگ

کے لئے طلب کرتی ہیں۔ لڑکی کا باپ یہ نہیں کہتا کہ لڑکی کم عمر یا نابالغ ہے۔ آخر لڑکی کے باپ کے منہ سے نابالغی کے الفاظ کیوں نہیں نکلتے جو ایسے مواقع پر ضرور کہنے پڑتے ہیں اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ حضرت صدیقہؓ اس وقت پوری طرح جوان تھیں۔

صدیقہ کائنات رضؓ کی ذات اقدس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور خاتم النبیینؐ والمعصومین کے لئے روز الست سے ہی بلکہ آنحضرتؐ کے نور کی تخلیق کے ساتھ ہی تخلیق فرما دی گئی تھی۔ گویا صدیقہ کائنات رضؓ کی ذات آنحضرتؐ کے لئے خصوصی تخلیق تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر کوئی چیز پیش کر رہا ہے۔ پوچھا کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کی بیوی ہیں۔ کھول کر دیکھا تو حضرت صدیقہؓ تھیں۔
(بخاری مناقب عائشہؓ)

نکاح نہایت سادگی سے ہوا۔ صدیقہ کائنات رضؓ فرماتی ہیں کہ نکاح کے بعد ماں نے مجھے باہر نکلنے سے روک دیا۔ اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ چھ سالہ بچی تھیں تو باہر نکلنے سے روکنے کا کیا سبب؟

مہر صدیقہ کائنات رضؓ فرماتی ہیں کہ ان کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش مقرر ہوا۔ یعنی تقریباً پانصد درہم۔ آج کے حساب سے ایک سو روپیہ سے کچھ ہی زیادہ۔ صحیح مسلم میں حضرت صدیقہ رضؓ سے مروی ہے کہ ازواج مطہرات رضؓ کے مہر کی رقم عموماً پانصد درہم ہوتی تھی۔ مسند احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ آج جہلاء میں جو ساڑھے بتیس روپے کی مہر کی ٹنک زبان زد ہے معلوم نہیں اس کا ماخذ کیا ہے؟ اور جو لوگ کم مہر کو اپنے خاندان کی ذلت سمجھتے ہیں۔ انہیں بھی اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ ازواج مطہرات رضؓ کی ذوات قدسیہ کے مقابلہ میں ان کی ہستیاں پرکاہ جتنی بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ پھر ان کے اس ادعا کو سوائے طاغوتی تلبیس کے کیا کہا جا سکتا ہے؟

نکاح کی تاریخ علامہ بدرالدین عینیؒ شارح بخاری ہجرت سے دو برس پہلے بیان کرتے ہیں۔ اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں مگر درست ترین قول یہ ہے کہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کی وفات کے جلد بعد آپ کا نکاح ہو گیا

تھا۔ اکثر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ رمضان میں سیدۃ خدیجۃ الکبریٰؓ کا انتقال ہوا اور شوال میں صدیقہ کائناتؓ کا نکاح ہوا۔

صدیقہ کائناتؓ کو بچپن کے تمام واقعات یاد تھے اور ضرورت کے وقت انہیں بیان فرماتی رہتی تھیں۔ ہجرت کے وقت آپ کی عمر چودہ پندرہ سال تھی مگر ان سے بڑھ کر کسی صحابی نے ہجرت کے واقعہ کی تمام تفصیل بیان نہیں کی اسی طرح معراج کے واقعات جس تسلسل سے آپ نے بیان فرمائے ہیں۔ کسی اور نے بیان نہیں کئے۔ معراج کا واقعہ ہجرت سے تقریباً سال بھر پہلے کا ہے۔

غرضیکہ فطری ذہانت حاضر جوابی ذکاوت ذہن سرعت فہم میں آپ اپنی مثال آپ تھیں۔

ہجرت فرزندانِ توحید کو قریش مکہ کے مظالم سے پریشان ہو کر دو ہجرتیں کرنا پڑیں۔ پہلی ہجرت حبشہ تھی اور دوسری ہجرت مدینہ۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھی ہجرت حبشہ کا ارادہ کر کے گھر کو الوداع کہا۔ مکہ سے پانچ روز کی مسافت پر برک الغماد پہنچے تو رؤسائے مکہ میں سے ابن الدغنہ نامی ایک آدمی سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے پوچھا کدھر کا ارادہ ہے؟ فرمایا حبشہ کی طرف ہجرت کا۔ اس نے قریش کی بدقسمتی پر افسوس کرتے ہوئے کہا۔ میں آپ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں میرے ساتھ واپس چلئے۔ سو وہ آپ کو مجبور کر کے اپنے ہمراہ واپس مکہ لایا۔ (بخاری) قریش مکہ کو جمع کر کے ابن الدغنہ نے کہا۔ تم لوگ ایک ایسے آدمی کو اپنے گھر سے نکال رہے ہو جو یتیموں کا ہمدرد، بیواؤں کا آسرا، غریبوں کا سہارا اور امانت و دیانت میں اپنی مثال آپ ہے۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ سن لو! میں ابوبکر کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔

ذرا غور کیجئے کہ ابن الدغنہ صدیق اکبرؓ کے جو فضائل بیان کر رہا ہے وہ بعینہٖ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا عکس ہیں۔ اور ان کے فنا فی الرسولؐ ہونے کا ثبوت۔ ہو سکتا ہے کہ صدیقہؓ کائنات رضؓ بھی اس ہجرت میں اپنے باپ کے ہمراہ ہوں۔ حبشہ کی طرف صدیق اکبرؓ کا ہجرت کے ارادہ سے نکلنا اور راستہ سے واپس لوٹ آنے میں یہ راز تھا کہ بعض صحابہؓ نے دو ہجرتیں فرمائی تھیں اور چونکہ صدیقؓ کا مقام تمام صحابہ کرامؓ میں ارفع و اعلیٰ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ صدیق اکبرؓ اور ان

کے کنبہ کو دو ہجرتیں کرنے والے صحابہ کرامؓ کے ثواب سے محروم نہیں رکھنا چاہتا تھا۔
صدیقہؓ کائنات فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے جب مدینہ کی ہجرت کا ارادہ فرمایا تو صبح و شام بلاناغہ ہمارے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک دن خلاف معمول روئے اقدس ردائے مبارک میں لپیٹے دوپہر کو تشریف لائے۔ میں اور اسماءؓ باپ کے پاس بیٹھی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو مخاطب کر کے کہا۔ میں تم سے تخلیہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ذرا ان کو ہٹادو۔
صدیق اکبرؓ نے عرض کی یارسول اللہ یہاں صرف آپ کے اہل بیت ہیں۔ کوئی غیر موجود نہیں۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا۔ حضرت صدیقہؓ اور حضرت اسماءؓ نے زادِ راہ درست کیا۔ اور دونوں صاحبوں نے مدینے کی راہ لی۔ اور تمام اہل وعیال کو دشمنوں کے نرغے میں تنہا چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔[1] (صحیح بخاری باب الہجرت) حضور صادق و مصدوقؐ نبوت کے چودھویں سال ربیع الاول کی بارھویں تاریخ کو مدینہ پہنچے۔

صدیقہ کائناتؓ مدینہ پہنچتی ہیں } مدینہ میں جب اطمینان کی کیفیت پیدا ہوئی تو اہل بیتؓ کو لانے کے لئے زید بن حارثہؓ اور ابورافعؓ کو بھیجا۔ صدیق اکبرؓ نے بھی اپنا آدمی ساتھ بھیج دیا۔ جب یہ قافلہ مدینہ پہنچا تو نبی علیہ السلام اس وقت مسجد نبوی کے آس پاس کے مکانات تعمیر کروا رہے تھے نبی علیہ السلام کی دونوں صاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ اسی نئے مکان میں قیام فرما ہوئیں۔
(طبقات ابن سعد)

---

[1] صدیقہ کائناتؓ کی اس روایت اور ان بعض روایات میں تضاد ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنے بستر پر سیدنا علیؓ کو لٹایا اور خود رات کے وقت عازم سفر ہوئے۔ بخاری کی مذکورہ روایت روایتاً اور درایتاً دونوں طرح صحیح ہے معلوم ہوتا ہے امت سبائیہ نے سیدنا علیؓ کا مقام سیدنا صدیق اکبرؓ سے بلند کر کے دکھانے کے لئے سیدنا علیؓ کو بستر پر لٹانے کی روایات بعد میں گھڑ لی ہیں۔ اور سب کی سب وضعی ہیں صحیح یہی ہے کہ نبی علیہ السلام دن کے وقت عازم سفر ہوئے تھے۔

نبی علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی اپنے سسرال میں تھیں۔ اور دوسری صاحبزادی سیدہ رقیۃ الزہرا اپنے شوہر حضرت ذوالنورین رضؓ کے ساتھ حبشہ میں تھیں۔ صدیق اکبر رضؓ بنو حارث بن خزرج کے محلہ میں مقیم تھے۔ صدیقہ کائنات رضؓ اپنے گھر والوں کے ساتھ اسی محلہ میں فروکش ہوئیں۔ مدینہ کی آب و ہوا نے مہاجرین پر اچھا اثر نہ ڈالا۔ اور اکثر بیمار ہو گئے صدیق اکبر رضؓ بھی بیمار ہو گئے۔ صدیقہ کائنات رضؓ فرماتی ہیں کہ میں اپنے باپ کی تیمارداری کرتی تھی وہ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

کل امرءٍ مصبحٌ فی اھلہٖ

والموت ادنیٰ من شراک نعلہٖ

ہر آدمی بڑا اپنے اہل وعیال ہی میں ڈاکہ پڑ رہا ہے اور اسکی موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی قریب ہے۔

حضرت صدیقہ رضؓ نے ہی اپنے باپ کی صحت کے لئے نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی ایک لمحہ کے لئے اس بات پر غور کیجئے کہ صدیق اکبر رضؓ کی بیوی موجود ہیں سیدہ اسماء رضؓ جو حضرت صدیقہ رضؓ سے دس سال بڑی ہیں موجود ہیں مگر تیمارداری کے فرائض ۷۔۸ سالہ بچی پر چھوڑ دیتی ہیں اور وہی بچی باپ کے اشعار بھی یاد رکھتی ہیں اور نبی اکرم ؐ کی خدمت میں باپ کی صحت کے لئے دعا کی عرض بھی کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضؓ اس وقت نوجوان تھیں اور تمام گھر والوں میں زیادہ سمجھدار اور عاقلہ تھیں۔ اس لئے تمام کام آپ نے اپنے ذمہ لے رکھے تھے۔

سیدہ زینب بنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سیدہ زینب رضؓ اور ان کے شوہر جد الطحا سیدنا ابوالعاص رضؓ بن ربیع کے تفصیلی حالات میں نے اپنی تالیف عترت رسول ؐ کے صفحہ ۸۲ تا ۸۳ پر بیان کئے ہیں یہاں مختصر طور پر بیان کرتا ہوں۔

سیدہ زینب رضؓ بعثت نبوی سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔ سیدنا ابوالعاص ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کی بہن ہالہ کے بیٹے تھے۔ جن اشرار نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ نبی علیہ السلام کی صرف ایک بیٹی فاطمہ رضؓ تھیں اور باقی تین ہالہ کی بیٹیاں تھیں ان شیاطین وابالسہ کو یہ بھی نظر نہ آسکا کہ کیا نبی علیہ السلام

صدیقہ کائناتؓ کی علالت

جب حضرت ابوبکرؓ صحتیاب ہو گئے تو سیدہ صدیقہ کائناتؓ بیمار پڑ گئیں اب تیمارداری کی باری باپ کی تھی۔ صدیق اکبرؓ بڑی حسرت سے بیٹی کو دیکھتے اور ان کے منہ پر منہ رکھ دیتے۔ حضرت صدیقہؓ کی بیماری نے طول پکڑا۔ یہاں تک کہ آپ کے سر کے تمام بال جھڑ گئے۔

(بقیہ حاشیہ) نے زینبؓ کا نکاح ان کے سگے بھائی سے کر دیا تھا نعوذ باللہ من الخرافات۔ سیدنا ابوالعاصؓ بدر کے موقع پر کفار کے لشکر میں تھے اور دیگر قیدیوں کے ہمراہ انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا تھا جب ان سے فدیہ طلب کیا گیا تو سیدہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا نے اپنے خاوند سیدنا ابوالعاصؓ کی رہائی کے لئے اپنا وہ ہار بھیج دیا جو انہیں اپنی ماں ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰؓ نے جہیز میں دیا تھا۔ اپنی محبوب بیوی اور پیاری بیٹی کا ہار دیکھ کر آنحضرتؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ صحابہ کرامؓ نے آنحضرتؐ کی مرضی مبارک پا کر سیدنا ابوالعاصؓ کی رہائی کی سفارش کی اور ہار انہیں واپس کر دیا۔ ان سے وعدہ لیا گیا کہ مکہ پہنچتے ہی سیدہ زینب صلوٰت اللہ علیہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔ سیدنا ابوالعاصؓ نے حسب وعدہ سیدہ زینبؓ کو مدینہ روانہ کر دیا۔ اور ان کے ہمراہ اپنے بھائی کو بھیجا۔ مگر مکہ سے کچھ فاصلہ طے کرنے پر ہبار بن الاسود نے ان پر حملہ کر دیا۔ حضرت سیدہؓ کو چوٹ آئی اور ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ چند اور اشخاص بھی پہنچ گئے انہوں نے سیدنا ابوالعاصؓ کو کہا چند دن رک جاؤ۔ ابھی قریش بدر کی شکست کی وجہ سے غصہ میں ہیں۔ چند دن کے بعد سیدہ زینبؓ یکہ و تنہا مدینہ پہنچ گئیں (زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۴ طحاوی وحاکم) نبی علیہ السلام کو اپنی اس بیٹی کے مصائب کا سخت صدمہ تھا اسی وجہ سے حضرت سیدہ کو جب آپ دیکھتے تو فرماتے ھی افضل بناتی۔ سیدنا ابوالعاصؓ ۶ ہجری کو تجارت کے لئے شام کی طرف گئے۔ واپسی پر سیدنا ابوبصیرؓ اور ابوجندلؓ کے ہاتھوں ان کا قافلہ کٹ گیا۔ سیدنا ابوالعاصؓ چپکے سے مدینہ پہنچے اور سیدہ زینبؓ کے ہاں پہنچ گئے۔ نبی علیہ السلام صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو سمع مبارک میں یہ آواز پہنچی۔ میں نے ابوالعاصؓ کو پناہ دی ہے آنحضرتؐ نے فرمایا مجھے اس سے پہلے اس واقعہ کا علم نہ تھا۔ سیدہ زینبؓ سے فرمایا بیٹی اس سے الگ رہنا۔ مسلمانوں نے آنحضرتؐ کی مرضی پا کر تمام مال سیدنا ابوالعاصؓ کو واپس کر دیا۔ کسی صحابیؓ نے کہا ابوالعاصؓ!

رخصتی صحت ہوئی تو رخصتی کا انتظام ہونے لگا۔ نبی علیہ السلام نے بارہ اوقیہ اور ایک نش یعنی تقریباً سو روپیہ مہر کے بھجوائے۔ انصار کی عورتیں آپ کو لینے کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچیں۔ ماں نے نہلا دھلا کر کپڑے پہنائے اور انصاری عورتوں کے کمرہ میں لے گئیں۔ مہمان عورتوں نے علی الخیر والبرکۃ وعلی خیر طائر کہہ کر استقبال کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نبی اکرمؐ بھی تشریف لے آئے۔

بقول علامہ عینی رخصتی ۲ہجری شوال میں جنگ بدر کے بعد ہوئی۔ اس لحاظ سے بھی نو سال والی رخصتی کی روایت غلط ثابت ہوتی ہے۔ ۲ہجری شوال میں آپ کی عمر دس سال بنتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ) نبی علیہ السلام نے تم پر کس قدر شفقت فرمائی ہے تم مسلمان ہو جاؤ۔ مگر آپ خاموش رہے۔ مکہ پہنچکر تمام امانتیں ادا کر کے فرمایا۔ لوگو! سُن لو۔ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ کہکر مدینہ پہنچ گئے۔ نبی علیہ السلام نے پہلے نکاح پر ہی حضرت سیدہ کو ان کے ہمراہ رخصت فرما دیا۔ حضرت سیدہ ۸ہجری جنت الفردوس کو سدھار گئیں۔ سیدنا ابوالعاصؓ کو اپنی محبوب بیوی سے بڑی محبت تھی۔ ان کی وفات کے بعد کوئی نکاح نہ کیا۔ ۱۲ہجری کو خود بھی جنت الفردوس کو سدھار گئے۔ سیدہ زینبؓ کے بطن سے دو اولادیں تھیں۔ سیدنا علیؓ جو فتح مکہ کے روز آنحضرتؐ کے ردیف تھے اور سیدہ امامہؓ جن سے سیدہ فاطمہؓ کے انتقال کے بعد سیدنا علیؓ نے نکاح کیا۔ سیدنا علیؓ بن سیدنا ابوالعاصؓ جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔ حضرت سیدہ کی مدح میں حضرت ابوالعاصؓ کے دو شعر ہیں ؎

ذکرت زینب لما رکبت ارما　　　　فقلت سقیا لشخص یسکن الحرما

مجھے زینب یاد آئی تو میں نے کہا حرم کا ہر باشندہ سرسبز و شاداب ہے

بنت الامین جزاھا اللہ صالحۃ　　　　وکل بعل سیثنی بالذی علما

زینبؓ تو امین کی بیٹی صالحہ ہے اور ایک شوہر اپنی بیوی کی تعریف کریگا جیسے صافتہ اسکے مجھے معلوم ہیں یہی سیدنا ابوالعاص اونٹ پر خرما اور گیہوں بار کر کے شعب بنو ہاشم میں ہانک دیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ابوالعاصؓ نے حق دامادی ادا کر دیا۔

(ناسخ التواریخ)　　　　باقی اگلے صفحہ پر)

تعلیم و تربیت

کا شانۂ صدیقؓ، مہبط انوار نبوت کا عکس جمیل تھا۔ اس گھر کے بچے از رشک شرف انسانیت تھے۔ پھر حضرت صدیقہ رضؓ کا کیا کہنا۔ حجرہ نبوی میں تشریف لاتے سے پہلے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کی نظروں کے سامنے تھا۔ واقعہ معراج، واقعہ ہجرت کی جزئیات تک ان کے ذہن میں موجود تھیں۔ سورہ القمر کی آیات کے نزول کا کہیں دوسرے مقام پر ذکر ہو چکا ہے۔

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج مردوں میں بھی کم تھا چہ جائیکہ عورتیں پڑھنا لکھنا سیکھتیں۔ بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق عورتوں میں صرف شفاء بنت عبداللہ عدویہ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ نبی علیہ السلام کو صحابہ کرامؓ کی تعلیم کا بڑا خیال تھا۔ چنانچہ بدر کے قیدیوں میں سے نادار قیدیوں کو کہا کہ تم میں جو قیدی دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے گا۔ اُسے آزادی ہے۔ اصحاب صُفّہ کا کام ہی لکھنا پڑھنا تھا۔

ازواج مطہراتؓ میں سے ام المومنین سیدہ حفصہؓ اور حضرت ام سلمہؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ نے نبی علیہ السلام کے حکم سے شفاء بنت عبداللہ سے یہ فن سیکھا تھا۔

نبی علیہ السلام کے فیضانِ صحبت نے ذہنوں کے اندر انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اور ازواج مطہراتؓ کو جو قرب حاصل تھا۔ اس سے انہوں نے بھرپور فیض اٹھایا مگر

(بقیہ حاشیہ) عروہؓ مسجد نبوی میں ہی افضل یتاقی کے کلمات کے متعلق درس فرمایا کرتے تھے۔ علی بن حسینؓ کو معلوم ہوا تو تلوار لے کر ان پر حملہ آور ہوئے کہ میری جدہ یعنی فاطمہؓ کی بجائے سیدہ زینبؓ کی تعریف کیوں کی جا رہی ہے (مشکل الآثار جلد ۲ صفحہ ۷۸) اب خود اندازہ کیجئے کہ صدر اوّل میں ہی کس طرح ایک حدیث کے گم کرنے کا سامان کیا جا رہا تھا۔ بعد کے زمانہ کے متعلق خود غور کر لیجئے۔

سیدنا علی بن ابی العاصؓ جنگ یرموک میں شہید ہوئے علامہ اقبال نے اپنی ایک نظم میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا ایک شعر ہے

؎ اے ابو عبیدہؓ رخصتِ پیکار دے مجھے
لبریز ہو چکا مرے صبر و سکون کا جام

ان سب کی نسبت صدیقہ کائنات رضؓ جس مقام قرب کی حامل تھیں اور جس ذکاوت و ذہانت اور فطانت کی سرمایہ دار تھیں اس سے آگے کسی مقام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ تنہا جس خالص فیضانِ نبوت سے مستفیض ہوئیں آگے چل کر زمانہ نے دیکھ لیا کہ وہ عالم اسلام کے لئے عموماً اور صنفِ لطیف کے لئے خصوصاً قیامت تک شمع ہدایت بن گئیں۔ انساب کی واقفیت اور شاعری کا ذوق انہیں وراثت میں ملا تھا (مستدرک حاکم)

صدیق اکبر رضؓ خود اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں سخت تھے اپنے بیٹے عبدالرحمن کو اس سستی پر کہ انہوں نے مہمان کو جلد کھانا پیش نہیں کیا۔ مارنے پر تیار ہو گئے (صحیح بخاری) صدیقہ کائنات رضؓ کی طرف جبکہ حضرت صادق و مصدوق صلعم کی زوجیت کا مقام حاصل ہو چکا تھا۔ صدیق اکبر رضؓ کی توجہ خصوصی تھی۔

میرے خیال میں نکاح کے بعد رخصتی میں تاخیر کی وجہ یہی تھی کہ صدیقہ کائنات رضؓ اپنے باپ سے جس قدر زیادہ فیضان حاصل کر سکیں بہتر تھا۔ اور رخصتی کے بعد بھی صدیق اکبر رضؓ نے ان کی تربیت کی طرف پورا دھیان دیا۔ چنانچہ ایک بار پیٹنے پر تل گئے (صحیح مسلم، صحیح بخاری) حضرت صدیقہ رضؓ کے لئے ان کا غلام ذکوان قرآن لکھتا تھا۔ آپ دیکھ کر پڑھتی تھیں۔ مسند اور ترمذی کی روایت کے مطابق آپ لکھنا بھی جانتی تھیں۔ بعض روایتوں میں یہ فقرات ہیں کہ فلاں خط کے جواب میں آپ نے یہ لکھا۔

باطنی تعلیم ظاہری نوشت و خواند کے مقابلہ میں باطنی تعلیم کا درجہ بہت بلند ہے۔ چنانچہ صدیقہ کائنات رضؓ تکمیل انسانیت، تزکیہ اخلاق، ضروریاتِ دین سے واقفیت، کلام اللہ کا عرفان، اسرار ہائے شریعت کی آگاہی میں تمام صحابہ کرام رضؓ میں ممتاز مقام رکھتی تھیں۔

احکام نبوی کے اسرار و رموز پر کامل دسترس تھی۔ چنانچہ آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ اس علم میں آپ کا مقام کس قدر بلند تھا۔ تاریخ و ادب میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ طب کا شریف فن ان وفودِ عرب سے حاصل کیا تھا جو گاہ بگاہ دربارِ نبوی میں حاضر ہوتے تھے وہ اس طرح کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بیمار رہا کرتے تھے۔ اطباءِ عرب جو دوائیں تجویز کرتے تھے آپ انہیں یاد کر لیتی تھیں۔

(مسند عائشہ ابن حنبل)

علومِ دینیہ اس وقت آجکل کی طرح مدارس اور مدرسین کا سلسلہ نہ تھا حضرت صادق و مصدوق کی ذاتِ مقدس ہی منبع علوم و فنون تھی۔ آپ کی صحبتیں ہی تعلیم و ارشاد کی مجلسیں تھیں۔ مسجد نبوی میں ہر وقت تعلیم و ارشاد کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ حجرات امہات المؤمنینؓ بالکل مسجد سے ملحق تھے۔ حضور صادق و مصدوقؐ مسجد میں جو ارشاد فرماتے ازواج مطہراتؓ ہمہ تن گوش رہتیں۔ اور مستفیض ہوتیں۔ اور اپنی استعداد کے مطابق فیضیاب ہوتیں مگر صدیقہ کائناتؓ کا مقام منفرد تھا۔ آپ نے ہوش سنبھالتے ہی اپنا گھر علوم دینیہ سے سیراب دیکھا اور نبی علیہ السلام کی معیت کے زمانہ کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ جانے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آگے چل کر ہر مقام پر آپ کی رائے کو فوقیت حاصل رہی۔

بارہا ایسا ہوا کہ آپ کسی مسئلہ کی حقیقت سے واقف نہ ہو سکیں تو بلا تامل آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا اور جب تک اطمینان حاصل نہ ہوا صبر نہ کیا۔ (صحیح بخاری کتاب العلم)

اثنائے وعظ میں ایک دفعہ حضرت صادق و مصدوقؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ برہنہ اٹھیں گے۔ صدیقہ کائناتؓ نے عرض کی یا رسول اللہؐ تو کیا ایک دوسرے کی طرف نظریں نہ اٹھیں گی۔ ارشاد ہوا عائشہؓ! وہ وقت نہایت نازک ہوگا اور کسی کو کسی کی خبر نہ ہوگی (بخاری)

ایک دفعہ عرض کی یا رسول اللہؐ! قیامت میں کوئی ایک دوسرے کو یاد بھی کرے گا۔ آپؐ نے فرمایا تین موقعہ پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ اعمال تولے جاتے کے وقت۔ اعمال نامے بانٹے جانے کے وقت اور جہنم کی گرج کے موقع پر جب وہ کہے گی میں تین آدمیوں کے لئے مقرر ہوئی ہوں۔ (مسند عائشہ)

نکاح میں رضامندی ایک بار عرض کی یا رسول اللہؐ! نکاح میں عورت کی اجازت ضروری ہے؟ فرمایا ہاں۔ عرض کی وہ تو شرم کی وجہ سے خاموش رہتی ہیں فرمایا ان کی خاموشی ہی ان کی طرف سے رضامندی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب النکاح)

یہاں چند لمحات کے لئے اس بات پر غور کیجئے جو کسی دوسرے مقام پر حضرت

صدیقہ کائنات رضی کی زبان سے منقول ہے کہ مجھے اپنے نکاح کا اس وقت علم ہوا جب میری ماں نے مجھے باہر جانے سے روک دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت صدیقہ سے نکاح کے وقت دریافت نہیں کیا گیا تھا۔ دونوں میں سے کون سی روایت صحیح ہے

پڑوسیوں کے حقوق } ایک بار خدمت اقدس میں عرض کی کس پڑوسی کا حق زیادہ ہے؟ فرمایا جس کا دروازہ تمہارے گھر سے قریب ہو (مسند احمد) اس قسم کے بیسیوں سوالات اور مباحث کتب احادیث میں موجود ہیں حقیقت میں ایسے سوالات گویا روزانہ تعلیم کے اسباق تھے۔

صدیقہ کائنات رضی کے بعض سوالات سے بظاہر حضور صادق مصدوق کی آزردگی اور برہمی کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ مگر آپ اپنی علمی تشنگی بجھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھیں۔ واقعہ ایلا کس قدر المیہ کا حامل تھا۔ مگر آپ نے فوراً عرض کی۔ یارسول اللہ آپ نے مہینہ کے لئے خلوت نشینی کا اظہار فرمایا تھا مگر انتیس دن ہی گذرے ہیں۔

ایک دفعہ ایک بدمزاج قسم کا آدمی حضور صادق و مصدوق کی خدمت میں باریاب ہوا۔ جب وہ واپس چلا گیا تو صدیقہ کائنات رضی نے عرض کی یارسول اللہ! آپ تو اسے اچھا نہیں جانتے تھے پھر یہ لطف و کرم کیسا۔ حضور نے فرمایا۔ عائشہ رضی! بدترین آدمی وہ ہے جس کی بداخلاقی سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں (بخاری باب الغیبة)

حضور صادق و مصدوق نے ایک دفعہ تہجد کے بعد وتر پڑھے بغیر سونے کا ارادہ کیا۔ صدیقہ کائنات رضی نے عرض کی یارسول اللہ آپ وتر پڑھے بغیر سوتے ہیں فرمایا۔ عائشہ رضی! میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا (بخاری فضل من قام رمضان) غور فرمائیے! صدیقہ کائنات رضی کی بابرکات ذات کے طفیل ہمیں کن کن حقائق کا علم ہوا کتنا قریب تھا صدیقہ کائنات رضی کو فخر دو عالم حضرت صادق و مصدوق کے حضور میں کہ کس بے تکلفانہ انداز میں ہر بات پوچھ رہی ہیں اور حضور جواب فرما رہے ہیں بلکہ ان سوالات و مباحث کے علاوہ حضور خود بھی آپ کی ہر حرکت کی نگرانی فرماتے اور ہدایت و تعلیم سے سرفراز فرماتے رہے۔

ایک بار چند یہودی حاضر خدمت ہوئے اور السلام علیک کی بجائے

السام علیک کہا۔ سام بمعنی موت۔ نبی علیہ السلام نے صرف وعلیکم فرمایا۔ صدیقہ کائناتؓ سے صبر نہ ہو سکا۔ فرمایا وعلیکم السام واللعنۃ۔ حضورؐ نے نرمی سے ارشاد فرمایا۔ عائشہؓ! اللہ تعالیٰ نرمی کو پسند کرتا ہے۔ تمہیں بھی نرمی سے کام لینا چاہیئے میں نے ان کے کلمات کا علیکم کہہ کر جواب دیدیا تھا۔ (صحیح بخاری)

ایک دفعہ کسی عورت نے صدیقہ کائناتؓ کی کوئی چیز چرالی۔ آپ نے بددعا دی۔ حضرت صادق و مصدوقؐ نے سن کر فرمایا۔ اپنا ثواب اور اس کا گناہ کم نہ کرو

ایک بار صدیقہ کائناتؓ اونٹ پر سوار تھیں اونٹ تیز ہوا تو آپ کی زبان سے لعنت کا لفظ نکل گیا۔ حضورؐ نے فرمایا ملعون چیز ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اسے واپس کردو۔

ازدواجی زندگی

حضور صادق و مصدوقؐ کو سیدہ کائناتؓ سے نہایت محبت تھی۔ اس حقیقت سے تمام جاں نثار واقف تھے۔ اس لئے سیدہ صدیقہؓ کی باری کے دن ہی حضور کی خدمت میں تحائف و ھدایا پیش کرتے۔ ایک دفعہ امہات المومنینؓ نے سیدہ فاطمہؓ کو آمادہ کیا کہ وہ ہماری طرف سے نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کریں کہ لوگوں کے تحفے جہاں آپ ہوں وہیں بھیجے جائیں۔ سیدہ فاطمہؓ پہنچیں اور پیغام عرض کیا۔ آنحضورؐ نے فرمایا لختِ جگر! کیا جس کو میں چاہوں اس کو تم نہیں چاہو گی؟ سیدہ فاطمہؓ کے لئے اتنی ہی بات کافی تھی۔

دوبارہ ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ جو سنجیدگی اور متانت میں نہایت بلند مقام رکھتی تھیں کو بھیجا گیا۔ انہوں نے کمال متانت اور حوصلہ سے دوسری امہات المومنینؓ کی ترجمانی کی تو آپؐ نے فرمایا۔ ام سلمہؓ! مجھ کو عائشہؓ کے معاملہ میں دق نہ کرو۔ کیونکہ عائشہؓ کے علاوہ کسی اور بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔

ایک بار حضرت عمرو بن العاصؓ نے عرض کی یارسول اللہ! آپ دنیا میں سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا عائشہؓ کو دوبارہ عرض کی اور مردوں میں یا رسول اللہؐ فرمایا۔ عائشہؓ کے باپ کو۔

حضور صادق و مصدوقؐ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی جو چیز میرے امکان میں ہے

(یعنی ازواج میں معاشرت اور لین دین کی برابری) میں اس عدل سے باز نہیں آتا لیکن جو میرے امکان سے باہر ہے (یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کی قدر و محبت) اس کو معاف کرنا۔

(ابوداؤد وغیرہ باب القسم بین الزوجات)

سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے محبت کی وجہ

سیدہ صدیقہ کائنات سے نبی علیہ السلام کی محبت کی وجہ آپ کا حسن و جمال نہ تھا بلکہ آپ کا تفقہ فی الدین تھا۔ ورنہ حسن و جمال میں ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی بےمثال تھیں۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ شادی کے لئے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ دولت، حسن و جمال، حسب و نسب اور دینداری۔ تم دیندار کی تلاش کرو (صحیح مسلم ابوداؤد بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) سیدہ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا فہم مسائل، اجتہاد فکر اور حفظ احکام میں تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے ممتاز درجہ پر فائز تھیں۔

صحاح میں مروی ہے کہ مردوں میں بہت کامل گزرے ہیں لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون کے سوا کوئی کامل نہیں ہوئی اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید کو تمام کھانوں پر۔ اس ارشاد نبوی سے معلوم ہوا کہ دنیا بھر کی تمام عورتوں پر سیدہ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کو فضیلت حاصل تھی۔

غرضیکہ اس قسم کی سینکڑوں روایات کا ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ کہ نبی علیہ السلام کس شفقت سے وقتاً فوقتاً سیدہ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کو سکھایا کرتے تھے۔ اور آپ کس شوق و ذوق اور سعی و کوشش سے انہیں سیکھتی اور یاد رکھتی تھیں۔

کاشانہ مہبط الوحی

حجرۂ نبوی جو رخصتی کے بعد سیدہ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آیا۔ اس کی دیواریں مٹی کی تھیں۔ طول و عرض میں چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھا۔ کھجور کی پتیاں اور ٹہنیوں کا چھت تھا جس پر بارش سے بچاؤ کے لئے کمل پڑا رہتا تھا چھت کی بلندی تک کھڑے آدمی کا ہاتھ پہنچ جاتا تھا۔ دروازہ میں ایک پٹ تھا جو ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ البتہ پردہ کے طور پر ایک کمبل لٹکا دیا گیا تھا۔ مسجد کے صحن کی طرف ایک دریچہ تھا اور حجرہ سے متصل ایک بالاخانہ تھا جس میں آپ نے ایلاء کے دن گزارے تھے۔

اثاث البیت } ایک چارپائی، ایک چٹائی، ایک بستر، ایک تکیہ جس میں چھال بھری ہوئی تھی۔ دو مٹکے جو آٹا یا کھجوروں کے لئے تھے۔ پانی کا ایک برتن، ایک پیالہ، گھر میں اکثر چراغ تک نہ جلتا تھا۔

افرادِ خانہ } گھر میں صرف دو آدمی تھے، حضور صادق و مصدقؐ اور صدیقہ کائنات رضؓ کچھ دنوں کے بعد سیدہ بریرہؓ کا بطور خادمہ اضافہ ہوا۔ ابتدائی ایام میں صرف دو خواتین کو امہات المومنینؓ کا شرف حاصل ہوا تھا۔ سیدہ سودہؓ اور سیدہ صدیقہ رضؓ۔ بعد میں جب امہات المومنین رضؓ میں اضافہ ہونا شروع ہوا تو سیدہ سودہؓ سیدہ صدیقہ رضؓ کے حق میں اپنے تمام حقوق سے دستبردار ہو گئیں حضورؐ ہر بیوی کے ہاں ایک دن قیام فرماتے مگر حضرت صدیقہ رضؓ کے ہاں دو دن تشریف فرما ہوتے۔

کھانا پکانے کا اہتمام } سیدہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ کبھی تین دن مسلسل ایسے نہیں گزرے کہ خاندان نبوت نے سیر ہو کر کھایا ہو۔ مہینہ مہینہ بھر چولھے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ چھوہارے اور پانی پر اکثر گزر تھا اور بعض اوقات ان سے بھی ناغہ ہو جاتا تھا۔

نبی اکرمؐ کی ذاتِ اقدس کیساتھ سیدہ صدیقہ کائنات رضؓ کی محبت کے دلربایانہ مظاہرے

صدیقہ کائنات رضؓ کو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت تھی سیدہ صدیقہ رضؓ نے جس حد تک اپنے آپ کو نبی علیہ السلام سے وابستہ کر لیا تھا اس کی نظیر دوسری ازواج النبیؐ میں نہیں پائی جاتی تھی۔ آپ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حرکات وسکنات کا بغور جائزہ لیتی رہتی تھیں اور آنحضرتؐ کے ارشادات کو بغور سننی اور ان کے جزئیات تک پہنچنے کی کوشش فرماتیں۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے عرض کی کہ نبی علیہ السلام گفتگو کس طرح فرماتے تھے حضرت سیدہ صدیقہ رضؓ نے فرمایا کہ حضورؐ تم لوگوں کی طرح باتیں نہ کیا کرتے تھے۔ بلکہ اس طرح کلام کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص چاہتا تو بہ آسانی آنحضرتؐ کے ارشاد کے

الفاظ گن سکتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیقہ رض آنحضرت کی ہر حرکت کا بغور مطالعہ فرماتی رہتی تھیں۔

(ایک موقع پر جبکہ شدید گرمی کا موسم تھا اور آنحضرت اپنی نعلین کی مرمت فرما رہے تھے۔ گرمی کی شدت سے جبین مقدس سے پسینے کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت سیدہ رض نے کہا کاش عزہ (ایک شاعر کا نام ہے) اس حالت میں آپ کو دیکھتے آپ ہو بہو ان اشعار کے مصداق ہیں ؎

فلو سمعوا فی مصر اوصاف خدہ   لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد

اگر اہل مصر آپ کے حسن کا شہرہ سن لیتے تو یوسف کی خریداری کیلئے کبھی اپنی پونجی خرچ نہ کرتے

لوامی زلیخا لو رأین جبینہ   لاثرن بالقطع القلوب علی الایدی

اگر زلیخا کی سہیلیاں آپ کی منور پیشانی کا جلوہ دیکھ لیتیں تو ہاتھ کاٹنے کے بجائے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو ترجیح دیتیں۔

(ایک اور موقع پر حضرت صدیقہ کا تسانتہ نے ابو کبیر کے یہ اشعار خدمت میں پیش کیے جو شاعر نے اپنے محبوب بیٹے کی تعریف میں کہے تھے ؎

ومبرءٍ من کل غبر حیضۃٍ   وفساد مرضعۃٍ وداءٍ مغیل

وہ اپنی ماں کے تمام عوارض شکم سے اور دودھ پلانے والی دایہ کی تمام بیماریوں سے پاک ہے

واذا نظرت الی اسرۃ وجھہ   برقت کبرق العارض المتھلل

اور جب اس کے چہرہ کی لکیروں کو دیکھو تو وہ برستے بادل کی چمکیلی بجلیوں کی طرح چمکتی ہوئی نظر آئیں۔

(یہ شعر پڑھ کر عرض کی یا رسول اللہ! ان اشعار کے حقیقی مستحق تو آپ ہیں۔ حضور یہ سن کر بہت مسرور ہوئے اور حضرت سیدہ رض کی پیشانی چوم لی۔ استغفر اللہ سبحان اللہ! کتنے دلربایانہ، محبوبانہ اور عاشقانہ مظاہرے ہیں اور یہی تھیں سیدہ صدیقہ رض کی وہ ادائیں جن کی وجہ سے حضور نے فرمایا کہ مجھے عائشہ رض کے معاملے میں ایذا نہ پہنچاؤ۔

عبادت سے بہتر ہے۔

دوسرا باب

سیدہ کائنات رضؓ کی عمر بوقت نکاح

کوئی بات جو قرآن کے خلاف ہو یا جس سے حضور خاتم المعصومینؐ کے خلاف کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہو وہ کسی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ بخاری و موطا کا سلسلۃ الذہب ہی کیوں نہ ہو۔ اور جس صورت میں دوسری روایات قرائن و شواہد اور واقعاتی نظائر اس کے خلاف موجود ہوں تب تو کسی قسم کی جھجک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ اصح کے مقابلہ میں کم درجہ روایات کو کیوں ترجیح دی جائے تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ یہاں سوال اصح یا کم درجہ روایت کے تقابل کا نہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ اقرب الی القرآن اور الی الحق کونسی روایت ہے۔ درایت کے لحاظ سے کون سی روایت قرین صواب ہے۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اپنی تالیف صدیق اکبرؓ کے دیباچہ میں بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ مثلاً سیدنا علیؓ کی بیعت بروایت بخاری کہ آپ نے چھ ماہ تک صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی کے مقابلہ میں کم درجہ کی روایت جس سے فوری بیعت ثابت ہوتی ہے قبول کی ہے۔ چونکہ اول الذکر روایت کی صورت میں سیدنا علیؓ پر حرف آتا تھا۔ علیؓ کی عزت بچانے کے لئے ہم نے کم تر درجہ کی روایت پر اعتماد کر لیا۔ مگر حضور خاتم المعصومینؐ کا شرف مجد صرف ایک روایت پہ داغدار ہوتا ہے تو کوئی پرواہ نہیں جس کے مقابلہ میں بیسیوں روایات موجود ہیں۔

ہاں اگر کسی واقعہ کے متعلق ایسی روایت کا دوسرا پہلو کہیں بھی نظر نہ آئے اس صورت میں تاویل کی جائے گی۔ جبکہ اس روایت کی زد میں کوئی عظیم ہستی آتی ہو چہ جائیکہ حضور صادق و مصدوقؐ کی ذات صداقت مآب۔

سیدہ صدیقہ کائناتؓ کے نکاح کے متعلق جبکہ قرآنی کلیات بھی واضح ہوں اور نو سالہ روایت کے مقابلہ میں بیسیوں روایات بھی موجود ہوں پھر نو سال والی روایت کی تکرار ذہنی پراگندگی کے سوا کچھ نہیں۔

بخاری کی روایت ہے محمد بن یوسف سفیان، ہشام، عروہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے جب مجھ سے نکاح کیا تو اس وقت میں چھ برس کی تھی۔ اور نو سال کی عمر میں مجھ سے خلوت کی گئی اور نو برس تک میں آنحضرتؐ کے نکاح میں رہی۔ (کتاب النکاح)

مولف وفات عائشہؓ کو یہاں جی بھر کر شیعیت کا مروڑ اٹھا اور نہایت تمسخرانہ انداز میں لکھتا ہے کہ نہ معلوم کن وجوہ کی بنا پر حضرت عائشہؓ عادت کے خلاف بہت جلد ۹ یا ۱۰ برس کے سن میں بالکل جوان ہو گئیں۔

بجا ارشاد۔ وفات عائشہؓ کے مؤلف کو دوسرے کی آنکھوں کے تنکے تلاش کرنے میں بڑا لطف آتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا۔ ام المومنینؓ کی ذات اقدس کے متعلق اس قسم کے سوقیانہ الفاظ وہی استعمال کر سکتا ہے جس کے دل میں ایمان، حیا، انسانیت کی قسم کی چیز کا ایک شمہ بھی نہ ہو۔

ایسے بد باطن افراد کو سمجھانے کے لئے میرے جیسے معمولی طالب علموں کو جو راستہ سجھائی دیتا ہے وہ اگرچہ ایک مسلمان کی غیرت، حمیت اور انسانی کردار سے بعید ہے۔ مگر اس فرض کی ادائیگی سے عہدہ برآئی کے بغیر بھی چارہ نہیں۔ کیا میں ایسے خبیث الطبع لوگوں سے دریافت کر سکتا ہوں کہ سیدہ فاطمہؓ کی عمر نکاح کے وقت کتنی تھی؟

۱۔ کلینی نے بسند صحیح حضرت امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ ولادت جناب سیدہ بعد پانچ سال بعثت جناب رسول خدا کے واقع ہوئی اور سن شریف وفات کے وقت اٹھارہ سال اور پچھتر روز تھا۔

(جلاء العیون اردو جلد ۱ صفحہ ۱۴۷)

۲۔ جناب صادق سے روایت ہے کہ ولادت جناب سیدہؓ دو بیتالیس سال ولادت حضرت رسول خداؐ سے بیسویں جمادی الآخر کو واقع ہوئی۔ (ایضاً صفحہ ۱۴۸)

۳۔ ولدت فاطمة بعد مبعث رسول الله بخمس سنين وتوفيت ولها ثماني عشرة سنة وخمسة وسبعين يوماً۔

(الکافی کتاب الحجة مولد فاطمہ ص ۲۹)

کشف الغمہ اور دلائل الامامۃ میں بھی یہی لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کی پیدائش پانچ بعثت نبوی کو ہوئی۔

۴۔ جب جناب سیدہؓ حدِ بلوغ کو پہنچیں اکابر واشراف قریش نے خواستگاری کی۔
(جلاء العیون جلد ۱ صفحہ ۱۶۸ سطر ۷)

۵۔ کشف الغمہ میں ہے کہ جناب صادقؑ نے فرمایا تزویج جناب امیرؑ ماہ رمضان میں اور زفاف ماہ ذوالحج سال دوم ہجرت میں ہوا۔

(جلاء العیون جلد ۱ صفحہ ۱۶۶ سطر ۱۱)

۶۔ یہ مزاوجت باسعادت پنجشنبہ اکیسویں ماہ محرم سال سوم ہجرت کو واقع ہوئی۔
(جلاء العیون جلد ۱ صفحہ ۱۶۶)

اس لحاظ سے سیدہ فاطمہؓ کی عمر بوقت نکاح ۹-۱۰ بنتی ہے جلاء العیون کے صفحہ ۱۶۸ کے حوالہ کے مطابق کہ "جب جنابہ سیدہؓ حد بلوغ کو پہنچیں" ۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ۹-۱۰ سال کی عمر میں بعض لڑکیاں جوان ہو جاتی ہیں بعض لوگوں کو شاید ایسی ہی واہی روایات سے متاثر ہو کر یہ مہمل تاویل گھڑنی پڑی کہ گرم ملک کی لڑکیاں جلدی جوان ہو جاتی ہیں۔

میں وفات عائشہؓ کے مولف کی طرح شیعوں کی کتابوں میں ایسے الفاظ دُہرانے کی سکت نہیں پاتا ورنہ میں بھی پوچھ سکتا تھا کہ "حضرت سیدہ فاطمہؓ عادت کے خلاف بہت جلد ۹-۱۰ سال کی عمر میں کیسے بالکل جوان ہو گئیں"۔

یہاں مجبوراً چند ایک الزامی قسم کے جوابات زیرِ قلم آ گئے۔ ورنہ سنیوں کے ہاں جو حضرت عائشہؓ کی عمر بوقت نکاح ۹ سال مشہور ہے وہ بھی غلط ہے، اور شیعوں کے ہاں جو حضرت فاطمہؓ کی عمر بوقت نکاح ۹ سال مشہور ہے وہ بھی غلط ہے۔ حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق محققانہ تفصیلات آگے آتی ہیں۔

اب تصویر کا دوسرا رُخ دیکھئے اور اس بات کو بھی ذہن نشین رکھئے کہ اہل سنت کا ایسے مزخرفات سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ وہ سیدہ فاطمہؓ کی شان

اقدس میں اس قسم کی گستاخی کے ترکیب ہو سکتے ہیں اور نہ ہی سیدنا علیؓ کا ود
اس سوقیانہ انداز میں ذکر کر سکتے ہیں۔

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

⊙ حضرت سیدہ فاطمہؓ نے نبی علیہ السلام کے ارشاد پر کہ تمہارا نکاح علیؓ سے کرنا چاہتا ہوں جواب دیا کہ میرا اختیار آپ کو ہے لیکن زنانِ قریش کہتی ہیں کہ علیؓ بزرگ شکم اور بلند دست ہیں اور بند ہائے استخوان گندہ ہیں آگے سر کے بال نہیں آنکھیں بڑی اور ہمیشہ خندہ دہان اور مفلس ہیں۔

(جلاء العیون جلد ا صفحہ ۱۸۰-۱۸۱)

⊙ جب حضرت رسولؐ نے جناب فاطمہؓ کو علیؓ بن ابی طالب سے تزویج کیا اور فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے دیکھا رو رہی ہیں۔

(جلاء العیون جلد ا صفحہ ۱۷۳)

⊙ قرب الاسناد میں بسند معتبر حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ رسولؐ خدا نے یہ انتظام فرمایا تھا کہ خدمت باہر کی مثل لکڑی اور پانی لانے کے جناب امیرؓ کریں۔ اور خدمت گھر کے اندر کی مثل چکی پیسنے کھانا پکانے جھاڑو دینے کی جناب فاطمہؓ کریں۔

⊙ بسند معتبر جناب امیرؓ سے روایت ہے کہ جناب فاطمہؓ حضرت رسولؐ خدا کی محبوب ترین مردم تھیں اور اس قدر مشکیزے پانی کے اٹھائے کہ سینہ مبارک سے اثر ایذا کا ظاہر ہوا۔

(علیؓ نے وعدہ خلافی کیوں کی للمولف) اس قدر چکی پیسی کہ ہاتھ مجروح ہو گئے (شاید محلہ بھر کا غلہ اکٹھا کر کے علیؓ گھر میں پیسوانے کے لئے حضرت رسولؐ کی محبوب ترین مردم کو دیتے رہے للمولف) اس قدر جھاڑو دی کہ کپڑے گرد آلود ہو گئے۔ اس قدر آگ جلائی کہ کپڑے سیاہ ہو گئے (ہم تو یہ سنتے ہیں کہ وہاں ہفتوں فاقے ہوتے تھے اور جبرئیل آکر کھانا پکاتے تھے للمولف)

(جلاء العیون جلد اول صفحہ ۱۶۲)

وفاتِ عائشہؓ کے مؤلف کو صدیقہؓ کائنات کی شان میں توصیفی روایات میں بھی

چٹخارے نظر آتے رہے۔ اور مجھے جواب آں غزل کے طور پر اس ناگوار وادی سے گزرنا پڑا۔ اگر آپ صرف ایک ہی کتاب سے زفاف سیدہ فاطمہؓ کی بوستان خیالی پڑھیں تو ان نام نہاد محبانِ اہل بیت کا نام لینا بھی گوارا نہ کریں۔

حضرت سیدہ فاطمہؓ اور سیدنا علیؓ ایک کپڑے میں سوئے ہوئے ہیں اور نبی علیہ السلام ان کے سرہانے بیٹھ کر اپنے دونوں پاؤں ان کے درمیان دراز کر دیتے ہیں۔

سیدنا علیؓ ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کا ارادہ کرتے ہیں۔ اور نبی علیہ السلام منبر پر کھڑے ہو کر فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے نکاح میں نبی کی بیٹی اور کافر کی بیٹی اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔

حبشہ سے سیدنا جعفرؓ ایک حبشن لونڈی لاتے ہیں اور سیدنا علیؓ اس کے زانوؤں پر سر رکھ کر آرام فرماتے ہیں اور سیدہ فاطمہؓ یہ دیکھ کر اپنے والد کے ہاں تشریف لے جاتی ہیں۔

اگر شیعہ مذہب کی کتب سے اس قسم کے واقعات اکٹھے کیے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کا سیدنا علیؓ کے ہاں ایک دن بھی آرام سے نہیں گزرا۔

ان حالات میں روافض کو یہی سوجھ سکتا تھا کہ نبی علیہ السلام کی زندگی بھی تلخ رنگ میں پیش کی جائے۔

اصل بات جو زیر بحث تھی وہ مولف وفاتِ عائشہؓ کے یہ تمسخرانہ کلمات تھے کہ خلاف معمول حضرت عائشہؓ ۹-۱۰ سال کی عمر میں کیوں کر جوان ہو گئیں۔

میں بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت صدیقہؓ کی عمر بوقت نکاح ۹-۱۰ سال نہیں بلکہ ۱۲-۱۳ اور ۱۹ سال کے درمیان تھی۔

تفصیلات ملاحظہ ہوں

⊙ علامہ ابن کثیر صدیقہ کائناتؓ کی عمر بوقت نکاح کے متعلق وہی گھسی پٹی بات لکھنے کے بعد جب سیدہ اسماءؓ بنت ابوبکرؓ کے حالات لکھتے ہیں تو سچی بات غیر اختیاری طور پر زبان سے نکل جاتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں

کہ سیدہ اسماءؓ بعمر سو سال ۷۳ھ میں فوت ہوئیں وہ اپنی چھوٹی بہن عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔ وھی اکبر من اختھا عائشۃ بعشر سنین (البدایہ جلد ۸ صفحہ ۳۴۶) اس حساب سے ہجرت کے وقت حضرت اسماءؓ کی عمر ۲۷ سال تھی اور لامحالہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ صدیقہ کائناتؓ کی عمر ۱۷ سال تھی۔

اس حساب سے نکاح کے وقت صدیقہؓ کی عمر ۱۹ سال بنتی ہے۔

① اب طبری کی طرف توجہ کیجئے اور اس بات کو بھی ذہن میں رکھئے کہ تحقیقات کی روشنی میں طبری کا تشیع واضح ہے۔ طبری لکھتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ابوبکرؓ کے نکاح میں دو عورتیں تھیں قتیلہ جس کے بطن سے عبداللہؓ اور اسماءؓ پیدا ہوئے اور دوسری ام رومان جس کے بطن سے عبدالرحمنؓ اور عائشہؓ پیدا ہوئے اور یہ چاروں بہن بھائی بعثت نبوی سے پہلے پیدا ہوئے تھے

② اس لحاظ سے اگر سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی پیدائش کو بعثت سے ایک سال ہی پہلے تسلیم کیا جائے تو نکاح کے وقت ان کی عمر سولہ سترہ سال بنتی ہے فکل ھؤلاء الاربعۃ من اولادہ ولدوا من زوجیہ التین سمیتھا فی الجاھلیۃ (طبری جلد ۴ صفحہ ۵۰)

③ شیخ ولی الدین کی تالیف اکمال فی اسماء الرجال اور تجرید بخاری وغیرہ کی تشریحات میں سیدہ عائشہؓ کی عمر بوقت نکاح ۱۶ سے ۱۷ سال ہی بیان کی گئی ہے۔

اب درایت کے نقطہ نگاہ سے صدیقہ کائناتؓ کی عمر چھ سال کا جائزہ لیجئے اور پھر آپؓ کی علمی فضیلتوں کی طرف توجہ کیجئے تو یہ بات قطعاً ناممکنات میں سے ہے کہ ۹ سال کی لڑکی نے نبی علیہ السلام سے اس قدر علمی استفادہ کیا ہو۔ مرویات میں آپ کا نمبر ساتواں ہے۔ آپ کی مرویات کی تعداد ۲۲۱۰ کے قریب ہے اس کے علاوہ فقہی مسائل کے استنباط میں آپ کو جو بلند مقام حاصل تھا وہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ سب کچھ کم عمری میں حاصل نہیں ہو سکتا۔ واقعہ معراج ہجرت سے سال بھر پہلے وقوع میں

آیا ۔ اس کی روایت میں حضرت صدیقہ رض کو منفرد مقام حاصل ہے ۔ کیا معراج کے تفصیلی حالات کا اس طرح ذہن میں رکھنا ایک پانچ چھ سالہ بچی کا کام ہے ؟

۹۔ پھر واقعہ ہجرت کے متعلق بھی جس قدر جزئیات آپ نے بیان فرمائی ہیں ۔ کیا یہ بھی ایک چھ سالہ بچی کے بس کی بات تھی ۔

میں نے ہفت روزہ الاسلام کو بڑا ڈالر یکم جولائی ۱۹۷۷ء کے شمارہ میں "صدیقہ کائنات رض کی عمر بوقت نکاح" کے عنوان سے چند سطور لکھیں اور آخر میں یہ بھی لکھا کہ اسے حرفِ آخر نہ سمجھا جائے بلکہ

ع۔ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

مگر تا ایندم صرف ایک بزرگ کی طرف سے اس قسم کا جواب ملا کہ تم اس معاملہ میں "احساس مرعوبیت" کا شکار ہو ۔

اندھا دھند ۶ اور ۹ سال کی عمر کی رٹ لگانے والے اگر سید سلیمان ندوی اور نیاز فتحپوری کے ان الفاظ سے ہی اتفاق کر لیتے کہ آپ کی صحیح تاریخ پیدائش معلوم نہیں ۔ تب بھی کسی حد تک گوارا تھا مگر "میں نہ مانوں قسم کے اصحاب" کا علاج ؟

سید صاحب لکھتے ہیں ام المومنین سیدہ عائشہ رض کی ولادت کی تاریخ سے تاریخ دسیر کی عام کتابیں خاموش ہیں ۔ (سیرت عائشہ صفحہ ، سطر ۵)

نیاز فتحپوری لکھتے ہیں تاریخ کی کتابوں میں حضرت عائشہ رض کا سال ولادت نظر انداز کر دیا گیا ہے ۔ (صحابیات صفحہ ۲۸ سطر ۱۱)

ہو سکتا ہے سیدہ صدیقہ رض کی تاریخ ولادت کے متعلق ان اصحاب کی نظروں سے البدایہ یا اکمال فی اسماء الرجال اور تجرید البخاری کی شرحات نہ گزری ہوں ۔ ورنہ وہ ضرور سیدہ عائشہ رض کی عمر شریف کے متعلق صاف لکھ دیتے کہ ۱۶ - ۱۷ سال تھی ۔ یا ہو سکتا ہے کہ سیدہ صدیقہ رض کی عمر کے متعلق دیگر تصریحات بھی ان کی نظر سے نہ گزری ہوں ۔

۵ ۔ اسد الغابہ میں ہے کہ سیدہ فاطمہ رض سیدہ عائشہ رض سے تقریباً پانچ سال بڑی تھیں ۔ (جلد ۴ صفحہ ۳۷۷)

اب ہمیں سیدہ فاطمہؓ کا سن پیدائش دیکھنا ہے۔
اسد الغابہ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی پیدائش اس سال ہوئی جس میں کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی۔ اس وقت نبی اکرمؐ کی عمر شریف ۳۵ سال تھی (جلد چہارم صفحہ ۳۷۷)
اسد الغابہ کی دوسری روایت سنئے۔ حضرت عباسؓ حضرت علیؓ کے ہاں گئے تو سیدہ فاطمہؓ حضرت علیؓ سے کہہ رہی تھیں کہ میری عمر تم سے زیادہ ہے۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ فاطمہؓ اس زمانہ میں پیدا ہوئیں۔ جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اور علیؓ اس سے چند سال پہلے پیدا ہو چکے تھے (جلد ۴ صفحہ ۳۸۰)
اس لحاظ سے صدیقہ کائناتؓ کا سال ولادت نبوت کا پہلا سال قرار دیا جا سکتا ہے اور ہجرت نبویؐ کے وقت حضرت صدیقہؓ کی عمر تیرہ سال ہوئی۔ رخصتی کے وقت پندرہ سال۔
یہاں اس بات کو بھی ذہن میں رکھئے کہ ایک بچہ مثلاً ۱۳۹۸ کے ذوالحج کی ۳۰ تاریخ کو پیدا ہوتا ہے اور دوسرا یکم محرم الحرام ۱۳۹۹ھ کو۔ بظاہر سنین کے لحاظ سے تو فرق محسوس ہوتا ہے مگر حقیقت میں دونوں کی عمروں میں صرف ایک دن کا فرق ہے۔ اسی طرح ایک بچہ یکم محرم ۱۳۹۸ھ کو پیدا ہوتا ہے اور دوسرا ۳۰ ذوالحج ۱۳۹۹ھ کو۔ سنین کے لحاظ سے بظاہر وہی فرق معلوم ہوتا ہے جو پہلے دو بچوں کی عمروں میں نظر آتا تھا۔ مگر حقیقت میں یہاں دو سال کا فرق ہے۔
ایسی کیفیات کو مدنظر رکھتے ہوئے غور کیا جائے تو حضرت صدیقہؓ کی عمر پندرہ سال سے زیادہ یعنی ۱۶۔۱۷ سال تھی۔

۶۔ طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۱ اور جلد ۸ صفحہ ۱۷ اور اسد الغابہ کی ہر دو روایات کی تائید موجود ہے۔

۷۔ حضرت فاطمہؓ کی وفات ۱۱ھ میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی۔ استیعاب میں ہے کہ عبد اللہ بن الحسنؓ (امیر المومنین) ہشام بن

عبدالملک کے دربار میں تھے۔ وہاں کلبی بھی موجود تھا۔

۷۔ ہشام نے عبداللہ بن الحسنؒ سے پوچھا فاطمہؓ بنت رسول اللہ کی کل عمر کتنی تھی۔ تو عبداللہ نے کہا تیس سال۔ پھر کلبی سے پوچھا تو اس نے عرض کیا پینتیس سال۔ اس پر ہشام نے عبداللہ سے کہا سنیئے کلبی کیا کہہ رہا ہے۔ تو عبداللہ نے جواب دیا اے امیرالمومنین[1] مجھ سے میری ماں کے متعلق پوچھیئے اور کلبی سے اس کی ماں کے متعلق۔ (استیعاب جلد ۲ ص۷۵۲)

۸۔ سورۃ القمر تقریباً ۵ نبوی میں نازل ہوئی۔ آگے اسی بخاری میں جس میں نکاح کے وقت سیدہ صدیقہؓ کی عمر کا چھ سال کا تذکرہ بھی ہے، یہ روایت پڑھیے:

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب کہ میں نبی علیہ السلام پر بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ سورۃ القمر کی آیات نازل ہوئیں تو میں اس وقت بچی تھی اور کھیلتی پھرتی تھی۔ (بخاری جلد ۲ ص۷۲۴)

لیجئے ایک طرف امام بخاری سیدہ صدیقہؓ کا چھ سال کی عمر میں نکاح کرا رہے ہیں اور دوسری طرف ان کا سن پیدائش نبوت کا تقریباً پہلا سال قرار دے رہے ہیں۔ وہ یوں کہ سیدہ صدیقہ کو اگر سورۃ القمر کی یہ آیات یاد ہیں اور وہ اپنا کھیلنا پھرنا بیان فرما رہی ہیں۔ تو یقیناً یقیناً آپ اس وقت کم از کم پانچ چھ سال کی تھیں ورنہ اس پر یقین کر لینا ناممکن ہے کہ ایک سال یا چھ ماہ کی بچی نے ان آیات کو یاد رکھا ہو۔

۹۔ حضرت صدیقہؓ کی رخصتی شوال ۲ ہجری میں ہوئی۔ ہجرت نبوی والے دس مہینے اور سنہ ۲ھ کے دس مہینے یعنی ہجرت سے تقریباً دس ماہ بعد شوال ۲ھ کی رخصتی کے لیے عینی جلد ۸ صفحہ ۹۶ دیکھیئے۔ اور استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۴۴ دیکھیئے۔

۱۰۔ سیدہ فاطمہؓ کی شادی محرم میں ہوئی تھی۔ بخاری کی اس روایت کے

---

[1] استیعاب کی اس روایت میں عبداللہ بن الحسن ہاشمی کا ہشام بن عبدالملک اموی کو امیرالمومنین کہہ کر پکارنا سبائیت کے منہ پہ ایک اور زناٹے دار تھپڑ ہے۔

مطابق جس میں سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے یوم بدر میں ایک اونٹنی ملی تھی۔ میں نے چاہا کہ فاطمہ رضؓ کو رخصت کرا کے لاؤں (بخاری جلد سوم صفحہ ۸)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ بدر تک حضرت علیؓ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے آپ کی شادی جس محرم میں ہوئی وہ ۳ ہجری کا محرم تھا۔ چونکہ حضرت صدیقہؓ کی شادی اس سے چار ماہ پہلے ہوئی تھی۔ اس لئے اس شادی کا سال ۲ ہجری ہے۔ اور ہجرت کے بعد مدت وہی ۱۸۔۲۰ ماہ بنتی ہے

تصریحات بالا کی روشنی میں یہ حقیقت مسلمات کا درجہ رکھتی ہے۔ کہ نکاح یعنی رخصتی کے وقت حضرت صدیقہ رضؓ کی عمر کسی صورت میں ۱۶۔۱۷ سال سے کم نہ تھی۔

اب ایک طرف بخاری کی ۹ سال والی روایت ہے اور دوسری طرف اتنے قوی شواہد و حقائق ہیں۔ اس سے صاف نظر آتا ہے کہ ۹ سال والی روایت ایک موضوع قول ہے جسے ہم منسوب الی الصحابہؓ کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے اور اس منسوب الی الصحابہؓ قول نے وہ شہرت پکڑی کہ آج اچھے بھلے مدعیان علم و فضل کے سامنے جب صحیح تصریحات پیش کی جائیں تو وہ ان کا جواب ہوتا ہے۔ کہ تم احساس کمتری کا شکار ہو۔

۱۱۔ ان تصریحات سے بڑھ کر قرآن کا فیصلہ ہے کہ نکاح بالغ مرد اور بالغ عورت ہی میں ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے بلوغت کو ہی نکاح کی عمر سے تعبیر کیا ہے۔ یتیموں کے متعلق سورہ نساء میں ہے:

ا: وابتلوا الیتمٰی حتی اذا بلغوا النکاح فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم (یتیموں کی سرپرستی کی صورتیں)
تم ان کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پھر تم اگر ان کی عقل میں پختگی پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔

ب: لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا۔ یہ تمہارے لئے قطعاً جائز نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی مالک بن جاؤ۔

ج: فانکحوا ما طاب لکم من النساء: تم ایسی عورتوں سے شادی کرو جو

جو تمہیں پسند ہوں۔
بلغوا النکاح ، ترثوا النساء کرھا ، ما طاب لکم من النساء کے کلمات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ بلوغت سے پہلے قرآنی زبان میں نکاح محل نظر ہے۔

د : زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین بیوی بچوں کی محبت لوگوں کے لئے مرغوب بنا دی گئی ہے۔

ر : و اخذن منکم میثاقاً غلیظا۔ وہ تم سے پختہ وعدہ لے چکی ہیں۔

س : و لا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہ تم یتیموں کے مال کے قریب تک نہ جاؤ بجز احسن طریقہ کے یہاں تک کہ وہ جوانی کی عمر کو پہنچ جائیں۔

ط : ھن لباس لکم و انتم لباس لھن۔ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔

زین للناس ، میثاقاً غلیظاً ، حتی یبلغ اشد کے کلمات پر غور کیجئے۔ کیا نابالغ بچیوں کے لئے زین للناس کے کلمات ہیں۔
کیا میثاقاً غلیظاً نابالغ بچیوں سے ہو گا۔
حتی یبلغ اشدہ کیا نابالغ لڑکیوں کی تعریف میں ہے۔
کیا جس عظیم ہستی پہ قرآن نازل ہوا —— اس کی ذات اقدس پر یہ بہتان نہیں کہ اس نے چھ سالہ بچی سے نکاح کیا۔ اور جب وہ نو سال کی ہوئی اور اس کی حالت یہ تھی کہ شدت مرض سے سر کے بال تک جھڑ چکے تھے اسے لاکر گھر میں ڈال لیا۔
نبی کے لئے یہ سب کچھ روا —— اور محض اس لئے کہ بخاری کا راوی کہتا ہے اور نسائی کی اس روایت سے غض بصر کیوں کہ —— صدیق اکبر رضہ اور فاروق اعظم رضہ سیدہ فاطمہؓ کا رشتہ طلب کرتے ہیں مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یہ کہکر انکار فرما دیتے ہیں کہ وہ ابھی کم عمر ہے
یا للعجب !! جو نبی اپنی کم عمر بیٹی کا رشتہ اس کی کم عمری کی وجہ سے

کسی کو نہیں دیتا۔ وہ اپنے لیے تو چون سال کی عمر میں نو سال کی کم عمر لڑکی سے کیسے نکاح کر سکتا ہے

یہ مت بھولئے کہ بموجب روایت بخاری و بموجب روایت مسلم جلد ۳ صفحہ ۲۷۴ نبی علیہ السلام کی عمر اس وقت ۵۴ سال تھی اور مسلم کی دوسری حدیث جلد ۳ صفحہ ۲۷۴ نبی علیہ السلام کے ہاں آنے سے پہلے سیدہ صدیقہ حمیتہ بھر تپ محرقہ میں مبتلا رہ چکی تھیں اور آپ کے سر کے تمام بال جھڑ چکے تھے۔ نو سال کی نابالغ بچی مہینہ بھر تپ محرقہ میں مبتلا رہ کر کانٹا بن چکی ہو گیا اس حالت میں نبی علیہ السلام اسے گھر لا سکتے تھے۔

کسی دوسرے مقام پر سید سلیمان ندوی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی کی ولادت کی تاریخ سے تاریخ و سیر کی تمام کتابیں خاموش ہیں۔ مگر اپنی اسی بایہ ناز تالیف کے صفحہ ۱۲ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ بعض بے احتیاط لوگوں نے اس خیال سے کہ کم سنی کی یہ شادی آنحضرت کے لئے موزوں نہیں اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ یہ ثابت کریں کہ اس وقت حضرت عائشہ رض کی عمر چھ برس کی بجائے ۱۶ برس کی تھی لیکن ان کی یہ کوشش تمامتر بے سود اور ان کا یہ دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔ حدیث و تاریخ کے پورے دفتر میں ایک حرف بھی انکی تائید میں موجود نہیں۔ سید صاحب تو اب اپنے اصلی ٹھکانے پر پہنچ چکے ہیں۔ ورنہ انہیں ایک حرف کی بجائے اس موضوع پر ایک دفتر دکھایا جاتا۔ البتہ ان کے ۱۶ سال والے کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی اس قسم کے محقق موجود تھے جو چھ سال والی روایت کو موضوع سمجھتے تھے۔ لطف تو تب تھا کہ ان محققین کے اقوال نقل کر کے ان پر جرح کرتے۔ صرف اس قدر لکھ دینا کہ ان کی تائید میں ایک لفظ بھی موجود نہیں سید صاحب کا دلربایانہ قسم کا قرار ہے

بات طویل ہوتی جا رہی ہے مگر اس کی طوالت سے گھبرا کر ان حقائق کی وضاحت سے انحراف ایک بہت بڑی دینی خیانت ہے سطحی نظر سے دیکھنے والے ذرا اس بات پر غور کریں کہ جب کوئی انہیں کہے کہ تمہاری

ماں کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا تھا اور رخصتی ۹ سال کی عمر میں ایسی حالت میں ہوئی تھی جب وہ طویل بیماری سے چند دن ہوئے کہ صحت یاب ہوئی تھی اور ابھی پورے طور پر اس کے سر پہ بال بھی نہیں اُگے تھے تو اس وقت ان ذات شریف کا کیا حال ہوگا۔ اور جب اسی واقعہ کی تشہیر شروع کردی جائے تو فرمایئے پھر وہ صاحب کیا کسی کے سامنے منہ دکھانے کے لائق رہ سکیں گے۔ مگر یہ سب کچھ خاتم المعصومین کی ذات اقدس کے لئے روا۔ آپؐ کی زوجہ مطہرہؓ کیلئے باعث فخر یا تعجب!

آگے چلئے ع ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالہ

۱۲۔ قاضی ابن شبرمہ جو امام ابو حنیفہؒ کے ہم عصر اور ایک عظیم شخصیت تھے انہوں نے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کی عمر ۱۸ اور ۱۶ سال مقرر کی تھی آج سے چند سال پہلے علمائے مصر نے ان کے اسی فتوے کو جدید شرعی قوانین میں مدون کرایا تھا (تفصیل کے لئے دیکھئے الفصاحی الاسلام ص۱۶۲ بحوالہ امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی مولفہ مناظر احسن گیلانی ص۴۰)

قاضی ابن شبرمہؒ نے وابتلوا الیتمیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح سے ہی استدلال کیا تھا۔

۱۳۔ شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں۔ یقول ابن شبرمہ وابوبکر الاصم انہ لا یتزوج الصغیر والصغیرۃ حتیٰ یبلغا لقولہ تعالیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح فلو جاز التزویج قبل البلوغ لم یکن لھذا فائدۃ۔ کتاب المبسوط ج ۴ صفحہ ۱۹۲ مطبوعہ مصر

یعنی اگر بلوغت سے پہلے نکاح جائز ہوتا تو آیت کے یہ الفاظ بے فایدہ ہوتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابن شبرمہؒ اور ابوبکر اصم ہمارے نام نہاد محققین کی طرح صدیقہ کائناتؓ کی عمر بوقت نکاح اگر ۶ سال سمجھتے تو کبھی ایسا کہنے کی جرأت نہ کرتے۔

۱۴۔ صدیقہ کائناتؓ سے مروی ہے: عثرت اسامۃ بعتبۃ الباب فشج فی وجھہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیطی

عنہ الاذی فتقذر تہ (میں نے گھن کی وجہ سے صاف نہیں کیا)
فجعل یمص الدم ویمجہ عن وجہہ الخ
(کنز العمال ج ۷ صفحہ ۵ بحوالہ جامع عبدالرزاق و ابن عساکر
(نیز صفحہ ۴ پر بحوالہ ابن ابی شیبہ و ابن سعد)

۱۵ - اسی سے ملتی جلتی روایت ابن ماجہ میں بھی ہے۔

۱۶ - اور اسامہؓ کی ناک صاف کرنے کے متعلق اسی سے ملتی جلتی حدیث ترمذی میں بھی ہے۔

نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت اسامہؓ کی عمر حسب بیان اکمال (لصاحب المشکوٰۃ) اور دیگر تمام کتب سیرت ۲۰ سال تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت اسامہؓ کی پیدائش ۳ سنہ یا ۴ سنہ نبوی کی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر صدیقہ کائناتؓ کا سال پیدائش بھی ۳ یا ۴ نبوی تسلیم کیا جائے تو یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ایک لڑکے کی ہم عمر لڑکی کو اس کی ناک صاف کرنے کا حکم دیا۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ صدیقہ کائناتؓ کی عمر حسب روایت طبری و اکمال اور ابنِ اثیر سیدہ اسماءؓ اور صدیقہ کائناتؓ کی پیدائش کے متعلق جو گذشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے دس گیارہ سال تھی۔ اب ایک بار پھر تصریحات ۱۳ ۱۴ ۱۵ کو سامنے لائیے تو حقیقت واضح ہو جائے گی۔

۱۷ - خود بخاری کی روایت میں جو داخلی تضاد ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

تزوجنی رسول اللہ ﷺ انا بنت ست، فی روایۃ سبع، وانا بنت تسع
اگر صدیقہ کائناتؓ کا نکاح یا منگنی شوال ۱۰ نبوت میں ہوا اور رخصتی شوال میں ہوئی تو ان کے درمیان پانچ سال کا وقفہ ہے۔ چنانچہ اگر نکاح کے وقت عمر چھ سال تھی تو رخصتی کے وقت ۱۱ سال ہوئی۔ اگر نکاح کے وقت عمر سات سال تھی تو رخصتی کے وقت ۱۲ سال ہوئی اور اگر نکاح کے وقت عمر آٹھ سال تھی تو رخصتی کے وقت ۱۳ سال ہوئی تو رخصتی

کے وقت بخاری کا نو سال بیان کرنا کہاں سے آگیا۔

ایک روایت کے مطابق آپ کا غزوہ بدر میں موجود ہونا غزوہ احد میں پائینچے چڑھائے ہوئے زخمیوں کو پانی پلانا بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے آپ اس وقت نو سال کی کم عمر لڑکی نہیں بلکہ جوان خاتون تھیں۔
(صحیح بخاری غزوہ احد)

پھر اس پر بھی غور کیجئے جو روایات صدیقہ کائنات رض کی طرف منسوب کی جا رہی ہیں ان میں بھی راوی کبھی چھ سال کہتا ہے کبھی سات سال کہتا ہے اور کبھی آٹھ سال کہتا ہے۔

ع
کچھ معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

لیجئے ہم اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کے احترام میں مان لیتے ہیں کہ یہ روایت غلط نہیں۔ تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حدیث کا مفہوم سمجھنے میں ہم سے کوتاہی ہوئی ہے۔

عرب میں کوئی کیلنڈر نہ تھا اور واقعات کے تعین کے لئے عموماً یوں کہا جاتا تھا کہ واقعہ فیل سے اتنے سال پہلے یا بعد وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے ہاں بھی اکثر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے لئے کہا جاتا ہے سن ستاون کی جنگ آزادی، ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ عالمگیر، سن ۱۴ء کی جنگ عالمگیر اور ۱۹۳۹ء کی دوسری عالمگیر جنگ سن انتالیس کی جنگ عالمگیر کے ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔ مگر ہمارے ہاں کے ایسے شواہد کی نسبت عرب میں اس کا زیادہ رواج تھا۔ اور احادیث میں ایسے کئی مواقع پر شراح حدیث نے یہی تاویل کی ہے۔ مثلاً

(ا) نبی علیہ السلام کی وفات کے سلسلہ میں بخاری کی روایت صدیقہ کائنات رض اور سیدنا عبداللہ بن عباس رض کے اختلاف پر ابن حجر نے یہی تاویل کی ہے۔ (فتح الباری مطبوعہ مصر ج ۹ ص ۲۱۶)

ب: حضرت ابن عباس کی عمر خود ان کی اپنی زبانی یہ ہے توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا ابن عشر سنین (کتاب المغازی بخاری پارہ ۲۱)

مگر مستدرک حاکم میں بشرط بخاری و مسلم انہیں سے روایت ہے: توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و انا ابن خمس عشرۃ و قد ختنت۔
(حاکم جلد ۳ ص ۵)

اس روایت کی علامہ ذہبی نے بھی تصدیق کی ہے۔ ان دونو متضاد روایات میں ابن حجر نے فتح الباری میں یوں تطبیق دی ہے۔ وھذا محمول علی الغاء الکسر یعنی اُسے ایک عدد اکائی کے عدد کے محذوف ہونے پر محمول کیا جائے (اصابہ ذکر ابن عباس ج ۲ صفحہ ۳۲۲ مطبوعہ مصر میں بھی یہی تحویل ہے)

معلوم ہوتا ہے کہ صدیقہ کائنات رضؓ نے اپنے نکاح کے متعلق جو ست سبع یا تسع کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ ان میں بھی عشر کا لفظ محذوف ہے اور شواہد و نظائر کی موجودگی میں اس سے انکار کی وجہ بھی کوئی نہیں۔ بلا استثناء مقلد و غیر مقلد ہمارے ہاں اندھا دھند جو تقلید کا رواج ہے اس سے سینکڑوں غلط اور وضعی باتیں پیر تسمہ پا بن کر ہماری گردنوں پر سوار ہیں

ام المومنین حضرت سودہؓ کی تاریخ وفات بقول بخاری (فی التاریخ) ۲۳ ہجری کی ہے۔ لیکن واقدی ۲۴ ہجری لکھتا ہے مگر اس قسم کے تاریخی تضاد جن کا کسی دینی معاملے سے تعلق نہیں چنداں قابل اعتنا نہیں۔ البتہ جن واقعات کا اثر نبی اکرمؐ کی ذات پر پڑتا ہو وہاں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔

اُم المومنین حضرت سودہؓ کی تاریخ وفات کا اثر نہ دین پر پڑتا ہے نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر۔ مگر صدیقہ کائنات رضؓ کے نکاح کی وضعی روایت خاتم المعصومینؐ کی ذات اقدس کے لئے بوجوہ ایک طعن ہے تو ایسی روایات جن سے الوہیت مجروح اور خاتم المعصومین کی رسالت داغدار ہو اور پھر ان کے مقابلہ میں دوسری روایات بھی موجود ہوں تو ان کا ترک ہی کافی نہیں بلکہ ایک محقق کے لئے ان کی تحقیق اور تعاقب ضروری ہو جاتا ہے

۱۸ - ابن سعد کی ایک روایت ہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ کی آب و ہوا کسی

ناموافقت کی وجہ سے اکثر مہاجر صحابہؓ بیمار ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ بھی اس بلا سے نہ بچ سکے۔ بڑی شدت سے بخار کا حملہ ہوا۔ حضرت عائشہؓ تیمار دار تھیں۔ (طبقات جلد ۲ صفحہ ۴۲)

اس روایت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صدیقہ کائناتؓ کی عمر اس وقت چھ اور نو سال کے درمیان تھی تو گھر کی بڑی خواتین کی موجودگی میں تیمارداری کا بوجھ ایک بچی کے ذمے کیوں۔ لامحالہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت صدیقہؓ کی عمر اس وقت کسی صورت میں بھی پندرہ سولہ سال سے کم نہ تھی۔

۱۹۔ صدیقہ کائناتؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔ (بخاری ج ۱ صفحہ ۵۵۲)

سیدنا صدیق اکبرؓ کو سب سے پہلے اسلام لانے کا شرف حاصل ہے۔ ان کے ساتھ ہی ان کا تمام کنبہ یعنی گھر کے لوگ اسلام لائے۔ صدیقہ کائناتؓ نبوت کے پہلے سال اپنے والدین کو بحیثیت مسلمان پہچانتی ہیں تو کیا پیدا ہونے سے پہلے ہی انہوں نے اپنے والدین کو ایک مسلمان کی صورت میں پہچانا۔ یعنی دیکھا یا جانا نہیں پہچانا۔ دیکھنے یا جاننے اور پہچاننے کے فرق پر غور کرنے سے یہی حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ آپ کی پیدائش نبوت سے پہلے ہو چکی تھی۔

۲۰۔ سید سلیمان ندوی اپنی تالیف سیرت عائشہؓ کے صفحہ ۱۰۰ پر لکھتے ہیں کہ کہ بیوگی کی حالت میں آپ نے عمر کے چالیس مرحلے طے کئے جب تک زندہ رہیں اسی مزار اقدس کی مجاور رہیں۔ پھر صفحہ ۱۴۴ پر لکھتے ہیں کہ آپ ۶۷ سال کی عمر میں ۵۸ھ میں فوت ہوئیں۔

اگر چالیس سال بیوہ رہیں۔ تو نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت حضرت صدیقہؓ کی عمر ۲۷ سال تھی اور رخصتی کے وقت ۱۷-۱۸ سال تھی۔ حقیقت وہی ہے جو تصریحات بالا میں بیان کی جا چکی ہے کہ رخصتی کے وقت آپ کی عمر کسی صورت میں بھی ستر(ہ) اٹھارہ سال سے کم نہ تھی۔

مگر جب بھی کسی نے اپنی تحقیق سے کام لے کر آپ کی عمر شریف بوقت رخصتی سترہ اٹھارہ سال لکھی تو اس کے سامنے فوراً بخاری کی روایت آ گئی۔ تو وہ بخاری شریف کے احترام میں اندھا دھند ٹامک ٹوئیے مارتا ہوا آگے بڑھ گیا اس کی بلا سے نبیؐ پر زبان طعن دراز ہوتی رہے۔ پرواہ نہیں مگر بخاری شریف کے احترام میں فرق نہ آئے۔

۲۱۔ شاہ معین الدین احمد ندوی تاریخ اسلام حصہ اوّل طبع پنجم معارف پریس اعظم گڑھ میں لکھتے ہیں:

انہوں نے نو سال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں گزارے۔ آپ کی وفات کے بعد ۴۵ سال زندہ رہیں اور ۵۷ھ میں ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (صفحہ ۱۲۲ سطر ۷ تا ۹)

اس لحاظ سے نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۲۱ سال ہوئی نو سال کاشانہ نبوی میں رہیں تو ثابت ہوا کہ رخصتی کے وقت عمر شریف ۱۲ سال تھی گو یہ بات بھی ہمارے موقف کے مطابق نہیں مگر نو سال کی تائید میں بھی نہیں بہر حال نو سال والی روایت کو کسی صورت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

۲۲۔ مشہور مصری مورخ عباس محمود العقاد نے اپنی تالیف سیرت عائشہؓ میں ان کی عمر کم از کم چودہ پندرہ سال لکھی ہے۔ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۲۳۔ علامہ راشد الخیری دہلوی کے صاحبزادے مولانا رازق الخیری نے ازواج مطہرات رضی کے اذکار جلیلہ پر "مسلمانوں کی مائیں" شائع کردہ عصمت بکڈپو کراچی میں سیدہ صدیقہ رضی کی عمر پندرہ سولہ سال بیان کی ہے۔

۲۴۔ مولانا اظہار الحق نے اپنی تالیف "معانی قرآن و تاریخ اسلام میں تحریفات" کے صفحہ ۱۱۰ پر لکھا ہے کہ میری تحقیق میں حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال نہیں بلکہ کم و بیش سولہ سال ہے۔

۲۵۔ ملک شیخین صابر اپنی تالیف "آخری خطبہ" کے صفحہ ۴۵ پر لکھتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی کی عمر بوقت نکاح سولہ سال تھی۔

۲۶- حکیم محمد یعقوب اجملی نے اپنی تالیف "قدم قدم روشنی" کے صفحہ ۱۵۸ پر امہات المؤمنین صلوات اللہ علیہن کے متعلق ایک نقشہ دیا ہے اس میں صدیقہ کائنات رضی کی عمر بوقت نکاح چودہ سال تین ماہ اور بوقتِ رخصتی ۱۸ سال لکھی ہے۔

شبِ آخر آمد و افسانہ از افسانہ می خیزد

نو سال والی روایت کی صحت پر بخاری کے احترام میں ہم ایمان لے آئے۔ مگر حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اس روایت کے ضمن میں کیا ارشاد ہے جو سیدنا صدیق اکبر رض اور فاروق اعظم رض کے سیدہ فاطمہ رض سے نکاح کے پیغام کے متعلق موجود ہے اور جس کے جواب میں نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تمہاری اور فاطمہ رض کی عمروں میں بڑا تفاوت ہے۔ حالانکہ سیدہ فاطمہ رض کی عمر ۲۵ سال کے لگ بھگ تھی۔ گویا نبی علیہ السلام نے ۲۵ سال کی عمر کی بیٹی باون یا چالیس سال کی عمر کے اصحاب کے نکاح میں نہ دی اور فرمایا یہ کہ تمہاری اور اس کی عمروں میں بڑا فرق ہے۔ مگر خود چوّن سال کی عمر میں نو سال کی مریضہ لڑکی کو گھر لے آئے۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اعمال میں تضاد بیان کیے جائیں آپ کے اقوال ایک دوسرے کے نقیض لکھتے جاؤ مگر پرواہ نہیں البتہ بخاری یا نسائی نے جو کچھ درج فرمادیا ہے۔ وہ لاریب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح نکاح کے وقت صدیقہ کائنات رض کی عمر شریف کا نو سال ہونا غلط ہے۔ اسی طرح حضرات شیخین کا سیدہ فاطمہ رض کے لئے خواستگاری کرنا بھی صریحاً غلط ہے۔ بلکہ دوسری بات کے متعلق صحیح تو یہ ہے کہ ان ہر دو بزرگواروں نے سیدنا علی رض کو تحریک کرکے آمادہ کیا تھا۔ کہ نبی ﷺ سے فاطمہ رض کی خواستگاری کیجئے حالانکہ حضرت علی رض اپنی حالت سے بخوبی واقف تھے کہ میں نبی علیہ السلام سے سیدہ فاطمہ رض کی خواستگاری کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔

نوٹ: باقی بر صفحہ ۲۰۹ زیر عنوان استدراک ملاحظہ ہو

تیسرا باب

واقعہ اثک

مقدمہ :-

ہمارے ہاں قرآنی آیات کے عمومی احکام سے صرف نظر کرکے بعض آیات کے متعلق یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ یہ آیت فلاں واقعہ کے موقع پہ نازل ہوئی اور اس جدت بدعت کو شان نزول کا نام دیکر قرآنی احکام کی عمومیت کی روح کو فنا کر دیا اور قطعاً سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ صورت واقعہ یہی ہے تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ قرآن کا ایک کثیر حصہ صرف مخصوص واقعات کی وجہ سے نازل ہوا۔

امام فراہیؒ نے اس ضمن میں نہایت قیمتی خیالات کا اظہار کیا ہے :

شان نزول کا مطلب جیسا کہ بعض لوگوں نے غلطی سے سمجھا ہے یہ نہیں ہے کہ وہ کسی آیت یا سورہ کے نزول کا سبب ہوتا ہے بلکہ اس سے لوگوں کی وہ کیفیت وحالت ہوتی ہے جس پر وہ کلام برسر موقع حاوی ہوتا ہے۔

آگے چل کر علامہ سیوطیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں زرکشی نے برہان میں لکھا ہے کہ صحابہؓ و تابعینؒ کی یہ عام عادت ہے کہ جب وہ کہتے ہیں کہ فلاں آیت فلاں بارہ میں نازل ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ وہ آیت اس حکم پر مشتمل ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بعینہ وہ بات اس آیت کے نزول کا سبب ہے یہ گویا اس آیت سے ایک قسم کا استدلال ہوتا ہے اس سے مقصود نقل واقعہ نہیں ہوتا۔

آگے چل کر تفسیری ماخذ کے ذیل میں لکھتے ہیں :

اگر احادیث تاریخ اور قدیم صحیفوں میں ظن اور شبہ کو دخل نہ ہوتا تو ہم ان کو فرع کے درجہ میں نہ رکھتے بلکہ سب کی حیثیت اصل کی قرار پاتی۔ اور سب بلا اختلاف ایک دوسرے کی تائید کرتے پس جو شخص قرآن مجید کو سمجھنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ روایات کے ذخیرہ میں سے ان روایات کو نہ لے جو اصل کو ڈھانے والی ہوں بعض روایتیں

ایسی ہیں کہ اگر ان کی تاویل نہ کیجائے تو ان کی زد براہ راست اصل پہ پڑتی ہے اور ان سے سلسلہ نظم درہم برہم ہو جاتا ہے لیکن تعجب کی بات ہے کہ بہت سے لوگ آیت کی تاویل تو کر ڈالتے ہیں لیکن روایت کی تاویل کی جرأت نہیں کرتے بلکہ بسا اوقات تو صرف آیت کی تاویل پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ اس کے نظام کی بھی قطع و برید کر ڈالتے ہیں حالانکہ جب اصل و فرع میں تعارض ہو تو کاٹنے کی چیز فرع ہے نہ کہ اصل

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

ایک اور قابل لحاظ حقیقت یہ ہے کہ قرآن سے جو کچھ ثابت ہو اس میں اور فروع سے جو کچھ معلوم ہو اس میں فرق کرنا چاہیئے دونوں کو خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ قطعی ثابت ہے اور فروع میں وہم و ظن کی بہت گنجائش ہے پس اگر کوئی شخص فروع میں سے کسی بات کا منکر ہو تو وہ قرآن کے منکروں کی طرح کوئی نہیں ہو سکتا۔

(مجموعہ تفاسیر فراہی مقدمہ نظام القرآن)

اب قابل توجہ امر یہ ہے کہ بعض وہ اقوال جو قرآنی حقائق اور روح کے خلاف ہیں اور روایات کے نام سے مدون ہیں انہیں ہم منسوب الی الرسولؐ کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

واقعہ افک بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے اگر آپ اپنے ذہن میں رچے بسے بلکہ ٹھنسے ہوئے نظریات سے چند لمحات کے لئے اپنے ذہن کو خالی کر کے افک سے متعلق بحث کا مطالعہ کریں گے تو انشاء اللہ یقیناً انشراح صدر سے محروم نہیں رہیں گے۔

⊚

ہزار ہا رحمت کے ہیں ...

نذرانہ جانِ گرامی مدارجِ امام علی

واقعۂ افک

"حافظ ابن کثیر کہتے ہیں۔ اگر یہ روایت بخاری میں نہ ہوتی تو قابل ذکر نہ تھی
سورۂ نور کی آیات ۱۱ تا ۲۱ کی سیدھی سادی تفسیر کو چند وضعی احادیث کی رو
میں گھسیٹ کر "صدیقۂ کائنات رض" کی پاکدامنی کی تائید میں پیش کرنے کی کوشش
کی گئی ہے۔ بات کچھ اور تھی اور بنا دی گئی کچھ اور۔ سورۂ نور کی جن آیات کو کھینچ تان
صدیقۂ کائنات رض کی ذاتِ مطہر پر چسپاں کرتے ہوئے اس قسم کے نتائج اخذ
کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں کہ ان آیات نے صدیقۂ کائنات رض کی طہارت، پا
تقدیس اور تزکی کی شہادت دے کر آپ رض کا مقام بلند کر دیا ہے۔ ا
عقل کے بیدل لوگوں کی ان تاویلات پر سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔

سب سے اہم ترین بات قرآن مجید کے لفظ افک میں مضمر ہے۔
افک کے معنی ہیں جھوٹ بولنا، جھوٹ بنانا (تاج) کسی چیز کو الٹ
دینا اور اس کی جہت سے پھیر دینا۔ مگر ہمارے محدثین اور مفسرین نے اس
پر جو عمارات تعمیر کی ہیں الامان والحفیظ۔

دوسری بات: قرآن خاموش ہے کہ وہ کون شخصیت تھی جس کے متعلق ان
میں ذکر ہے۔ پھر ان لوگوں کو یہ حق کس نے دیا کہ بلا خ
یہاں صرف صدیقۂ کائنات رض کو درمیان میں لایا جائے۔

تیسری بات: بیان کیا جاتا ہے کہ یہ آیات صدیقۂ کائنات رض کی پاک
کی تصدیق میں نازل ہوئی ہیں۔ یہاں کئی سوالات
ہو سکتے ہیں:۔

ا: اگر صدیقۂ کائنات رض کا ہار گم نہ ہوتا تو ان آیات کا نزول نہ
ب: سورۂ نور کی یہ آیات اگر صدیقۂ کائنات رض کی بریت کے لئے نا
ہوئی ہیں تو باقی آیات کا شان نزول کیا ہے؟ وہ کس سے

میں نازل ہوئی ہیں ۹ ۔ اس افک کی زد میں صرف سیدہ صدیقہ رضؓ کی ذات مطہر ہی نہیں آئی ۔ بلکہ تمام صحابہؓ اور صحابہ رضؓ سے بڑھ کر خود حضور خاتم المعصومین ؐ کی ذات اقدس بھی آتی ہے ۔ گویا اس کذاب داستان گو نے ایک تیر سے کئی شکار کئے ہیں ۔ وہ کذاب داستان گو اس داستان سے یہ تاثر بھی دینا چاہتا تھا کہ گویا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو معاشرہ تشکیل دیا تھا اس میں ہر فرد اس ذہنیت کا تھا کہ جہاں تنہائی میں کبھی مرد کو کسی عورت سے ملنے کا موقع ملتا وہ گناہ سے باز نہ رہ سکتا ۔ بلکہ وہ بات کو آگے بڑھا کر اس طرح حملہ آور ہوتا ہے کہ ماں اور بیٹا بھی ایسے مواقع پیدا آپس میں چوکنے والے نہیں تھے (معلوم ہوتا ہے کہ اس کذاب کے خاندان میں ایسے واقعات رونما ہوتے رہے ہوں گے ۔ جن کی وجہ سے وہ بری طرح متاثر تھا ۔ اور اسی بناء پر اس کو یہ واقعہ تراشنے میں ذرا ہچکچاہٹ یا تنگی محسوس نہیں ہوئی ۔ ایک طرف اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضؓ کی عزت پر حملہ کیا ۔ دوسری طرف اس نے پورے مسلم معاشرہ کے بلند ترین اخلاقی کردار کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے ۔ تیسری طرف اس نے نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات رضؓ کی ذوات قدسیہ کے متعلق یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ وہ ہمیشہ آپس میں الجھتی رہتی تھیں ۔

اس کذب کے مصنف نے افواہیں پھیلانے والوں میں عبداللہ بن ابی رفاعہ بن زید یہودی منافق کے بیٹے زید ، مسطح بن اثاثہ ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش کے نام لکھے ہیں ۔ بلکہ بعض نے سیدنا علی رضؓ کو بھی شامل کیا ہے ۔ مگر سزا صرف تین کو ملتی ہے ۔ باقی کیوں چھوڑ دیئے گئے ۔

(الغرض موقع و محل ، سیاق و سباق اور ترتیب کلام سے تو آیت کا براہ راست یہ مفہوم ہے کہ جو لوگ اس قسم کے الزامات گھڑ کر اور انہیں نمک مرچ لگا کر مسلم معاشرے میں بداخلاقی پھیلانے اور امت مسلمہ کے اخلاق پر دھبہ لگانے کے مرتکب ہوتے ہیں وہ سزا کے مستحق ہیں ۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ان آیات کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے:

تحقیق جو لوگ کہ لائے ہیں طوفان جماعت تمہاری بیں سے مت گمان کرو اس کو بُرا واسطے اپنے۔ بلکہ وہ بہتر ہے واسطے تمہارے۔ واسطے ہر شخص کے ہے ان میں سے جو کچھ کمایا گناہ میں سے اور جو شخص کہ متولی ہوا بڑی بات کا ان میں سے واسطے اس کے عذاب ہے بڑا ۰

کیوں نہ جب وقت سُنا تم نے اس کو گمان کیا مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے آپس میں اچھا۔ اور کیوں نہ کہا انہوں نے یہ طوفان ہے ظاہر۔ کیوں نہیں لائے اوپر اس کے چار گواہ۔ پھر جب نہ لائے شاہد تو وہ لوگ اللہ کے ہاں وہی ہیں جھوٹے ۰

مفہوم کو سمجھنے کے لئے یہ ترجمہ بوجوہ منشائے کلام کے خلاف ہے۔ اور سلسلہ کلام یا سیاق و سباق کے لحاظ سے بھی ان آیات کا مروّجہ ترجمہ محل نظر ہے اس لئے کہ یہ آیات بطور ایک قانونی صورت کے نازل ہوئیں نہ کہ بطور ایک واقعہ کے۔

۱۔ جاءُو۔ صیغہ جمع مذکر غائب ماضی معروف ہے بمعنی وہ آئے۔ افک کے ساتھ ب جارہ نے اسے فعل لازم سے متعدی بنا دیا۔ اور ترجمہ یوں ہوا، بے شک جو لوگ بہتان لائے ہیں۔

۲۔ عربی گرامر کے لحاظ سے سیاق و سباق کو مدنظر رکھتے ہوئے آثار و قرآن اور سلسلہ بیان کی روشنی میں فعل ماضی گیارہ مقامات پر مضارع کے معنوں میں آتا ہے۔

۱۔ عطف ماضی بر مضارع (۲) مقام ابتداء میں (۳) بعد موصول (۴) بعد ندا ۵۔ حیث (۶) کلما کے الفاظ کے ساتھ (۷) جزا (۸) شرط میں (۹-۱۰) عطف ہر دو (۱۱) دعا میں (فصول اکبری)

یہاں صرف اصول ع۳ زیر بحث ہے۔ اگر فعل ماضی اسم موصول کے بعد واقع ہو تو آثار و قرآن کے مطابق مضارع بن جاتا ہے۔ ان الذین

سفید دے ۔

جاءو بالافک میں الذین اسم موصول ہے اور اس کے بعد جاءو
فعل ماضی ہے جو قاعدہ کی رو سے مضارع کے معنی دے گا ۔ اس صورت
میں ان الذین جاءو بالافک کے معنی ہوں گے ۔ تحقیق تم میں سے
جو کسی ... پر بدکاری کا بہتان لگائیں ۔

۳ ۔ قرآن مجید پر گرامر حاکم نہیں ۔ بلکہ اہل علم گرامر کے لئے قرآن مجید سے
تائیدی نظائر تلاش کرتے ہیں ۔ پھر یہاں جاءو میں یہ تکلف کیسا ؟

۴ ۔ قرآن مجید میں جہاں بھی نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات کا ذکر آیا ہے
وہاں یٰنساء النبی ، وازواجہ قسم کے کلمات آئے ہیں ۔ مگر یہاں
اس قسم کا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں ۔ پھر سیدہ صدیقہ رض کا ذکر بلا وجہ کیوں ؟
سیاق وسباق اور قانونی صورت کو واضح کرنے کے لئے ان آیات
کا مفہوم یوں ہوگا :

تحقیق تمہاری جماعت سے جو لوگ طوفان لائیں اسے اپنے لئے برا
گمان نہ کرو بلکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے ہر آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جو اس
نے کمایا ۔ اور ان میں سے بڑی بات کا لانے والا سخت عذاب کا مستحق ہے ۔

جب تم ایسی بات سنو تو مومن مرد اور عورتیں کیوں اپنے دل میں نیک
گمان نہ کریں اور (کیوں نہ) کہیں کہ یہ صریح طوفان ہے ۔

یہ (افترا پرداز) اپنی بات (کی تصدیق کے لئے) چار گواہ کیوں نہ
لائیں تو جب یہ گواہ نہ لا سکیں تو خدا کے نزدیک یہی جھوٹے ہیں ۔

آگے تئیسویں آیت ان الذین یرمون المحصنٰت الغٰفلٰت الخ
نے یہ معمہ صاف کر دیا ہے ۔ یعنی یہاں پھر مضارع کے صیغے استعمال ہوئے
ہیں ۔ یعنی تحقیق جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں ۔

اب پھر ایک بار اس بات پر غور کیجئے ۔ ابتداء میں بھی مضارع کے
صیغے ہیں اور بعد میں بھی مضارع کے ۔ مگر درمیانی آیات کا ترجمہ ماضی کے
صیغوں میں کرنے کا مقصد قرآن مجید کے طرز بیان اور طرز استدلال کو نہ سمجھنے
کے نتیجہ کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے

سورہ نور میں جنسی بے راہ روی کے تمام گوشے بے نقاب کرتے ہوئے مرتکبین کے لئے تعزیرات کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس سے پہلے سورہ احزاب میں معاشرتی اصلاح کے متعلق چند ہدایات دی گئی تھیں۔ اب سورہ نور میں تفصیلی بحث ہے۔

۱۔ زنا اور اس کی سزا
۲۔ بدکار مردوں اور عورتوں سے معاشرتی مقاطع۔
۳۔ زنا کا الزام لگانے والا اگر ثبوت پیش نہ کرے تو اس کی سزا۔
۴۔ شوہر کا بیوی پر تہمت لگانا۔
۵۔ افک
۶۔ بے ہودہ خبروں سے معاشرے میں فواحش کو رواج دینا۔
۷۔ مسلم معاشرے میں اجتماعی تعلقات میں حسنِ ظن
۸۔ کسی کے گھر میں بے تکلف داخل نہ ہونا۔
۹۔ عورتوں اور مردوں کے لئے غضِ بصر
۱۰۔ عورتیں گھروں میں بھی سر اور سینہ ڈھانپ کر رکھیں۔
۱۱۔ عورتیں غیر مردوں کے سامنے بن سنور کر نہ نکلیں۔
۱۲۔ باہر نکلیں تو اپنی زینت کو چھپا کر نکلیں۔
۱۳۔ عورتیں اور مرد بن بیاہے نہ رہیں۔
۱۴۔ غلاموں اور لونڈیوں کے لئے مکاتبت کی آسانی
۱۵۔ لونڈیوں سے کسب کرانے کی ممانعت۔
۱۶۔ گھریلو معاشرت کے آداب۔
۱۷۔ بوڑھی عورتوں کے لئے حکم
۱۸۔ اندھا، لولا، لنگڑا ضرورت کے وقت کسی کے گھر سے بلا اجازت کھالے
۱۹۔ قریبی عزیز اور بے تکلف دوست ایک دوسرے کے گھر سے بلا اجازت کھا سکتے ہیں۔

یہ کم و بیش انیس دفعات ہیں۔ پانچویں دفعہ کے متعلق تو محدثین اور مفسرین

ہرگز نہ ہوتا تو اس آیت کا نزول نہ ہوتا۔ مگر یہ نہ سوچا گیا کہ باقی آیات بلا وجہ نازل ہو گئیں۔ صرف افک کی آیت کے نزول کے لئے سیدہ صدیقہ رضہ ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ اور اگر باقی آیات کا شان نزول بھی کوئی ہے تو بتلایا جائے کہ

۱۔ کس کے ارتکاب زنا پر زنا کے متعلق حکم نازل ہوا۔
۲۔ کس بدکار مرد یا عورت نے بدکاری کا ارتکاب کیا۔ تو یہ حکم نازل ہوا۔
۳۔ کس نے کس پر زنا کی تہمت لگائی تو اس کی سزا دہی کے لئے یہ ارشاد نازل ہوا۔
۴۔ کس شوہر نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی وقس علی ھذا

اس ضمن میں تمام ذخیرہ احادیث خاموش اور تمام تفاسیر ساکت و صامت ہیں۔ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اس تمام سورت میں اسلامی نظام معاشرت کے متعلق ایسی تعلیمات وارد ہوئی ہیں جو مسلمانوں کی اخلاقی اور اجتماعی زندگی کے لئے اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

سورہ نور کے نزول کا زمانہ: سورہ نور ۶ ہجری کے نصف آخر میں سورہ احزاب کے کئی مہینے بعد نازل ہوئی۔

رواۃ حدیث:

حدثنا عبد العزیز بن عبد اللہ ۔ حدثنا ابراھیم بن سعد عن صالح عن شہاب قال حدثنا عروۃ بن الزبیر و سعید بن المسیب وعلقمۃ بن وقاص وعبید اللہ بن عبد اللہ وکلھم حدثوا طائفۃ من حدیثھا و بعضھم کان اوعی لحدیثھا من بعض واثبت لہ اقتصاصا وقد وعیت عن کل رجل منھم الحدیث الذی عن عائشۃ وبعض حدیثھم یصدق بعضا وان کان بعضھم اوعی لہ من بعض۔

نفس حدیث :

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے۔

تو ۱۔ اپنی بیبیوں میں قرعہ ڈالتے تھے جس کا نام قرعہ میں نکلتا تھا اُسے اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

۲۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں ایک لڑائی میں جو رسول اللہؐ نے قرعہ ڈالا اس میں میرا نام نکل آیا۔ میں آپؐ کے ساتھ نکلی۔ اور یہ موقع آیت پردہ کے اُترنے کے بعد کا ہے۔

۳۔ مجھے ہودج میں بٹھا کر اُتارتے چڑھاتے۔ جب رسولؐ اللہ لڑائی سے فارغ ہوئے اور واپس آئے

۴۔ اور ہم مدینہ کے قریب تھے رات کو رسول اللہؐ نے چلنے کا حکم دیا۔

۵۔ جب چلنے کی خبر ہوئی میں پاخانہ پیشاب کے واسطے روانہ ہوئی اور لشکر سے دور نکل گئی۔ جب میں فارغ ہوئی اپنی سواری کے پاس آئی۔ میں نے اپنے سینے پر ہاتھ ڈالا۔

۶۔ تو کیا دیکھتی ہوں کہ میرا ہار جو خرف یمنی کا تھا ٹوٹ گیا (اور کہیں گر پڑا) میں واپس آئی اور اپنا ہار ڈھونڈنے لگی۔ اس کے ڈھونڈنے میں مجھے دیر ہو گئی۔

۷۔ جو لوگ مجھے سوار کراتے تھے انہوں نے ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ اور ان کا یہ خیال تھا کہ میں ہودج میں بیٹھ گئی ہوں۔ اس وقت کی عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں اور ان پر گوشت بہت کم ہوتا تھا۔ کیونکہ کھانا بہت کم کھاتی تھیں۔ اسی واسطے انہوں نے ہودج اٹھاتے وقت ہلکا نہ جانا اور اسے اونٹ پر رکھ دیا۔

۸۔ اس وقت میں بہت کم سن تھی۔ وہ سب اونٹ کو لے کر چل دیئے۔ میں نے اپنا ہار لشکر روانہ ہونے کے بعد پایا۔ میں لشکر کی جگہ آئی تو وہاں کوئی جواب و سوال کرنے والا نہ تھا۔

۹۔ مَیں اپنی جگہ پر اس خیال سے بیٹھ گئی کہ جب سب کو میرا گم ہونا معلوم ہوگا تو مجھے ڈھونڈنے ضرور آئیں گے۔

۱۰۔ اسی طرح میں اپنی جگہ بیٹھی تھی مجھے نیند آنے لگی اور مَیں سو گئی۔

۱۱۔ صفوانؓ بن معطل سلمی جو بعد کو زکوانی مشہور ہو گیا تھا لشکر کے پیچھے رہتا تھا تاکہ گری پڑی چیز کو اٹھا لائے۔ وہ صبح کو میرے قریب پہنچا۔

۱۲۔ اور سوتے آدمی کا سایہ دیکھا۔ مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ کیونکہ اس نے پردے سے پہلے مجھے دیکھا تھا۔

۱۳۔ اس نے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ میں اس کے انا للّٰہ پڑھنے سے بیدار ہو گئی۔ اور اپنی چادر سے منہ چھپا لیا۔ بخدا ہم نے کوئی بات نہ کی۔ اور میں نے اس سے بجز استرجاع کے کوئی اور بات نہ سُنی۔

صفوانؓ نے اتر کر اپنی سواری کو بٹھا کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے میں اٹھ کر اس پر سوار ہو گئی۔ صفوانؓ اونٹ کو کھینچتا چلا۔

۱۴۔ اور ہم شدت کی گرمی میں بوقت دوپہر لشکر میں پہنچے۔ وہ سب ٹھہرے ہوئے تھے۔

۱۵۔ ان میں سے جسے ہلاک ہونا تھا تہمت لگا کر ہلاک ہوا اور جو شخص بڑا نزدیک اس بہتان کا ہے وہ عبداللہ بن ابی بن سلول ہے۔ جس نے صفوانؓ کے ساتھ مجھے تہمت لگائی۔

خیر ہم لوگ مدینہ پہنچے اور میں ایک مہینہ تک بیمار رہی۔ تہمت لگانے والوں کی باتیں لوگوں میں پھیلتی رہیں۔ مجھے اپنی بیماری کی حالت میں شک پیدا ہوا کہ نبیؐ اس طرح پیش نہیں آتے جس طرح اس سے قبل بیماری کی حالت میں پیش آیا کرتے تھے۔ اب تو صرف تشریف لاتے سلام کرتے پھر پوچھتے تو کیسی ہے (پھر چلے جاتے) مجھے اس کی (یعنی بہتان کی) بالکل خبر نہ تھی۔ ایک رات میں اور مسطحؓ کی ماں

میناصح کی طرف از رفع حاجت کے لئے نکلیں۔ ہم لوگ رات کو ہی جایا کرتے
تھے۔ ہم دونوں چلے جارہے تھے۔ کہ ام مسطح رض اپنی چادر میں پھنس کر گر پڑیں

۱۶ - اور کہا مسطح ہلاک ہوجائے۔ میں نے اس سے کہا تو نے بہت بری
بات کہی۔ ایسے آدمی کو برا کہتی ہے جو بدر میں شریک ہوا۔ اس نے کہا
اے بی بی! کیا تم نے وہ نہیں سنا جو لوگ کہتے ہیں۔

۱۷ - اور اس نے مجھ سے تہمت لگانے والوں کی بات بیان کی۔ جب میں اپنے
گھر آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا تو کیسی ہے
میں نے عرض کیا۔ مجھے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت دیجئے
میرا مقصد یہ تھا کہ اس خبر سے متعلق ان سے جا کر تحقیق کروں!
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ میں اپنے والدین
کے پاس آئی۔ تو میں نے اپنی والدہ سے پوچھا۔ لوگ کیا بیان کر رہے
ہیں؟ انہوں نے کہا بیٹی تو ایسی باتوں کی پرواہ نہ کر جو عورت حسین
اور اس کے شوہر کو اس سے محبت ہو۔

۱۸ - اور اس کی سوکنیں ہوں تو اس قسم کی باتیں ہوا ہی کرتی ہیں۔ میں نے
کہا سبحان اللہ! (اس قسم کی باتیں سوکنوں نے تو نہیں کیں) ایسی بات
تو لوگوں میں مشہور ہو رہی ہے۔ میں نے وہ رات اس حالت میں
گزاری کہ میرے آنسو تھمتے نہ تھے اور نہ مجھے نیند آئی۔

۱۹ - پھر جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علی رض بن ابی طالب
اور اسامہ بن زید رض کو جب وحی اترنے میں دیر ہو گئی تو بلایا۔

۲۰ - اور اپنی بیوی کو جدا کرنے کے متعلق ان دونوں سے مشورہ کرنے لگے۔

۲۱ - اسامہ رض چونکہ جانتے تھے کہ آپ کو اپنی بیویوں سے محبت ہے اس
لئے انہوں نے ویسا ہی مشورہ دیا اور کہا یا رسول اللہ! میں آپ کی
بیویوں میں بھلائی ہی جانتا ہوں۔

۲۲ - لیکن علی رض بن ابی طالب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم آپ پر تنگی نہیں

ان کے علاوہ عورتیں بہت ہیں اور لونڈی بریرہؓ سے دریافت کیجئے وہ آپ سے سچ سچ بیان کرے گی۔ رسول اللہ صلعم نے بریرہؓ کو بلایا اور فرمایا اے بریرہ رضؓ! کیا تو نے عائشہؓ میں کوئی ایسی بات دیکھی ہے جو تجھے شبہ میں ڈال دے۔ بریرہؓ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے ان میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جو عیب کی ہو بجز اس کے کہ وہ کمسن ہیں گوندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر کھا جاتی ہے۔

۲۳۔ رسول اللہ صلعم اسی دن خطبہ دینے کھڑے ہو گئے اور عبداللہ بن ابی کے مقابلے میں مدد طلب کی۔ آپ نے فرمایا کون ہے جو میری مدد کرے اس شخص کے مقابلے میں جس نے مجھے میرے گھر والوں کے متعلق اذیت دی۔ حالانکہ بخدا میں اپنے گھر والوں میں بھلائی ہی دیکھتا ہوں اور جس مرد کے ساتھ تہمت لگائی اس میں بھی بھلائی ہی دیکھتا ہوں۔

۲۴۔ یہ سن کر (قبیلہ اوس کے سردار) سعد بن معاذ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ میں آپ کی مدد کے لئے تیار ہوں۔ اگر وہ شخص قبیلہ اوس کا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دونگا اور اگر وہ ہمارے بھائی خزرج قبیلے کا ہے تو آپ جیسا حکم دیں۔ تاکہ اس پر عمل کروں۔ یہ سن کر (قبیلہ خزرج کے سردار) سعدؓ بن عبادہ کھڑے ہو گئے اور کہا خدا کی قسم نہ تو اسے مار سکے گا اور نہ تو اس کے قتل پر قادر ہے۔ پھر اسیدؓ بن حضیر کھڑے ہو گئے اور کہا تو جھوٹ کہتا ہے۔ خدا کی قسم ہم اسے قتل کریں گے تو منافق ہے اور منافقوں کی طرف سے جھگڑا کرتا ہے۔

۲۵۔ اوس اور خزرج دونوں قبیلے ابھر گئے یہاں تک کہ وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ آپ بھی خاموش ہو گئے۔ اور میں سارا دن روتی رہی۔ صبح کو میرے والدین میرے پاس آ گئے۔ وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور میں رو رہی تھی۔

۲۶۔ اتنے میں ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

اور میرے ساتھ رونے لگی۔

ہم اس حال میں تھے کہ رسول اللہ صلعم تشریف لائے اور بیٹھ گئے حالانکہ اس سے پہلے جب سے میرے متعلق تہمت لگائی گئی تھی نہیں بیٹھے تھے۔ ایک مہینہ تک انتظار کرتے رہے لیکن میری شان میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ آپ نے تشہد پڑھا پھر فرمایا اے عائشہؓ! تمہارے متعلق مجھے ایسی ایسی خبر ملی ہے اگر تو بری ہے تو اللہ تعالیٰ تیری پاکیزگی ظاہر کر دیگا۔

۲۷۔ اور اگر تو اس میں مبتلا ہو گئی ہے تو اللہ سے مغفرت طلب کر۔ اور توبہ کر اس لئے کہ جب بندہ اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے جب رسول اللہ صلعم نے اپنی گفتگو ختم کی تو میں نے اپنے والد سے کہا کہ میری طرف سے رسول اللہؐ کو جواب دیجئے انہوں نے کہا بخدا میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلعم کو کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی ماں سے کہا کہ میری طرف سے رسول اللہ صلعم کو جواب دیجئے۔ انہوں نے بھی کہا بخدا میں نہیں جانتی کہ رسول اللہؐ کو کیا جواب دوں؟

حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ میں کمسن تھی۔ میں نے عرض کیا کہ بخدا میں جانتی ہوں کہ آپ نے وہ چیز سن لی ہے۔ جو لوگوں میں مشہور ہے اور آپ نے اس کو سچ سمجھ لیا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں بری ہوں تو آپ میری بات کو سچا نہ جانیں گے۔ اور اگر میں کسی بات کا اقرار کروں...... تو آپ مجھے سچا سمجھیں گے۔ پھر میں نے بستر پر کروٹ بدل لی۔ مجھے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ میری پاکدامنی ظاہر کر دے گا۔ پھر خدا کی قسم آپ اس جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے اور نہ گھر والوں سے کوئی باہر گیا تھا کہ آپ پر وحی نازل ہونے لگی آپ پر وہی کیفیت طاری ہو گئی جو نزول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی۔

۲۸۔ سردی کے دن میں بھی آپ کے چہرے سے پسینہ موتیوں کی طرح

بہنے لگا۔ جب رسول اللہ سے یہ کیفیت دُور ہوئی تو ہنسنے لگے اور
اور پہلا کلمہ جو آپؐ کے منہ سے نکلا وہ یہ ہے کہ عائشہ رضؓ! اللہ کا شکر
ادا کرو کہ اس نے تمہاری پاکدامنی بیان کر دی۔ مجھ سے میری ماں نے
کہا کہ رسول اللہؐ کے سامنے کھڑی ہو جاؤ۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں
نہ کھڑی ہوں گی۔ اور صرف اللہ کا شکر ادا کروں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ
نے یہ آیت نازل فرمائی۔

[بخ]اری کی دُوسری حدیث جس کی آڑ میں افک کی روایت تراشی گئی

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ہم سفر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
[کے] ہمراہ تھے۔ یہاں تک کہ بیدا میں ذات الجیش پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر گر
[گی]ا۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے ڈھونڈنے کے لئے قیام
[کر] دیا۔ اور لوگ بھی ہمارے ساتھ ٹھہر گئے۔ اس مقام پر کہیں پانی نہ تھا۔
[ل]ہذا لوگ ابوبکر صدیق رضؓ کے پاس گئے۔ اور کہا کہ آپ نہیں دیکھتے کہ عائشہ رضؓ
نے کیا کیا؟ رسول اللہؐ اور سب لوگوں کو ٹھہرا لیا۔ اور ان کے ہمراہ پانی
[ن]ہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ ابوبکر رضؓ نے مجھ پر غصہ کیا اور جو کچھ
[ا]للہ نے چاہا کہیں وہ انہوں نے کہا۔ اور اپنے ہاتھ سے میرے کے لیے
[می]ں ٹھوکا دیا۔ تو چونکہ میرے زانو پر رسول اللہ صلعم کا سر تھا اس کے سوا
[ک]سی بات نے مجھ کو حرکت کرنے سے نہ روکا۔

پھر صبح کو رسول اللہ صلعم اُٹھے بے پانی کے مقام پر۔ تو اللہ بزرگ
[و] غالب نے تیمم کی آیت نازل فرمائی۔ تو اسید بن حضیر نے کہا کہ اے آل ابوبکر رضؓ!
[ی]ہ تمہاری کوئی پہلی برکت نہیں ہے۔ (یعنی تمہاری وجہ سے اس سے پہلے بھی
اللہ تعالیٰ کئی برکتیں نازل کر چکا ہے) حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ہم جس
اونٹ پر تھی جب وہ اٹھایا گیا تو اس کے نیچے سے ہار مل گیا۔

باقی مباحث پر تو بعد میں نظر ڈالی جائے گی۔ ان دونوں روایات میں "قدر مشترک"

ہار ہے۔ آخر ہر دو واقعات میں ہار کا ذکر ہی کیوں؟ ایک اور بات صدیقہ کائنات ہار کے متعلق فرماتی ہیں: کان فی عنقی عقد من جزع ظفار کانت امی ادخلتنی بہ علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میری گردن میں جزع ظفار کا ہار تھا جو میری ماں نے پہنا کر مجھے رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ یعنی یہ ہار آپ کو جہیز میں ملا تھا (فتح الباری صفحہ ۱۹-۲۶۶)

اس روایت میں سب کے سب راوی ثقہ اور حجت ہیں سیدہ کائنات رضؓ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتی ہیں۔ مگر اس واقعہ سے وہ اپنی ذات کے متعلق تاثر نہیں دینا نہیں چاہتیں بلکہ اس کے بیان سے آپ کا مقصود "تیمم" کی حقیقت بیان کرنا تھا کہ تیمم کا حکم کب نازل ہوا۔ اور کن حالات میں نازل ہوا؟ اسی لئے اس سفر کا ذکر بھی نہ فرمایا۔ بلکہ صرف اس مقام کا نام لیا کہ بیداء تھا یا ذات الجیش۔ بیداء ذوالحلیفہ کے آگے ایک بلند مقام تھا اور مکہ کے راستہ میں پڑتا تھا۔ اور ذات الجیش مدینہ کے قریب ذوالحلیفہ کے اس پار واقع ہے۔ اس کے متعلق محدثین اور محققین کے مختلف اقوال ہیں۔ مگر اس بات پر اکثر کا اتفاق ہے یعنی یہ سفر غزوہ بنی المصطلق یعنی غزوہ بنی مریسیع کا تھا۔ سید سلیمان ندویؒ نے بھی سیرت عائشہ رضؓ کے صفحہ ۴۴-۴۵ پر اس واقعہ کو افک کے ساتھ غزوہ بنی المصطلق کا ہی واقعہ لکھا ہے۔

سیدہ صدیقہ کائنات رضؓ کے ارشاد سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ہار منگنی کا نہیں تھا بلکہ آپ کو جہیز میں ملا تھا۔ یہ بات سیدہ صدیقہ کائنات رضؓ کی اُولو العزمی منصبی خودداری اور غیرت وحیاداری کے خلاف تھی کہ وہ نبی علیہ السلام کے ساتھ ایک غزوہ میں جائیں جس کا صاف مطلب زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کی تیمارداری تھا ——— مانگے کا ہار پہن کر جاتیں ——— گویا کسی پکنک پر تشریف لے جا رہی تھیں۔

فتح الباری صفحہ ۱۹-۲۶۶ پر ہار کے متعلق لکھا ہے کہ جہیز کا تھا مگر حدیث افک کے وضاعین سیدہ صدیقہ رضؓ پر اس رُخ سے بھی حملہ کرنا چاہتے تھے کہ آپ اس قدر دنی الطبع، دون ہمت اور حرص وہوا کی اسیر تھیں کہ ایک

غمزدہ پر جاتے ہوئے مانگے کے ہار بغیر نہ رہ سکیں۔
ہار کو "قدر مشترک" جانتے ہوئے افک کی روایت پر غور کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ یہ طویل داستان بالکل من گھڑت ہے۔ اس داستان کے خالق نے نہایت ہوشیاری سے "ہار" کے گرد گھومنے والی ایک داستان تخلیق کی اور پھر بڑی چابک دستی سے اس کا سلسلہ رواۃ صدیقہ کائنات رض تک پہنچا دیا ہے۔ وہ اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوا اس کا اندازہ ہماری سیرت کی کتابوں کی ورق گردانی سے بخوبی ہو سکتا ہے۔
ایک سچا مسلمان جس کے سامنے "لستن کاحد من النساء" کی سند ہو جس کی آنکھوں کے سامنے سے بارہا یطہرکم تطھیرا کے کلمات مقدس گزر چکے ہوں جس کے قلب و روح کی پہنائیوں میں وازواجہ امھاتھم کی گونج پہنچ چکی ہو۔ جو نبی علیہ السلام کی طرف بہ خطاب سن چکا ہو کہ ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک حسنھن کہ اے نبی آپ بھی اب اور نکاح نہیں کر سکتے اگرچہ آپ کو وہ ان کا حسن پسند بھی ہو دوازدہ مطہرات صلوٰت اللہ علیہن اجمعین کی شان اقدس میں لوح محفوظ میں مرقوم ازلی و ابدی شہادتیں ہیں۔ اسی لئے نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات رض کی شان میں گستاخی کے مرتکبین کو ملعونین ایمنا ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا ٥ وہ ملعون ہیں تم انہیں جہاں بھی پاؤ پکڑو اور ان کی گردن مارو۔ یعنی دوازدہ مطہرات کے گستاخ واجب القتل ہیں۔ کیا اس کے بعد صدیقہ کائنات رض کی ذات اقدس کے متعلق اس قسم کے بے سروپا واقعات کو منسوب کر کے صفائی پیش کرنے والے واجب القتل نہیں۔ اگر سورہ نور کی اس آیت کا نزول ضرور کسی وجہ کا ہی منتظر تھا تو ایک منکر حدیث کہہ سکتا ہے کہ وہ صدیقہ کائنات رض نہ تھیں۔ بلکہ سیدہ فاطمہ رض تھیں تو فرمائیے اس کے مطمئن کرنے کے لئے آپ کے پاس کیا ثبوت ہے؟
ان محدثین، ان شارحین حدیث، ان سیرت نویسوں اور ان مفسرین کی تقلیدی ذہنیت پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جو اتنی بات کا تجزیہ یا تحقیق کرنے سے بھی

عاری تھے کہ یہ واقعہ سرے سے ہی غلط ہے۔ لیکن اس دینی و تحقیقی جراُت کے فقدان سے ہزاروں ایسے پیدا کئے اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ ہمارے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح بخاری میں جو کچھ درج فرما دیا وہ صحیح اور لاریب ہے خواہ اس سے اللہ کی الوہیت، انبیاء کرامؑ کی عصمت، ازواج مطہراتؓ کی طہارت کی فضائے لیبیا میں دھجیاں بکھرتی چلی جائیں۔ کیا یہ امام بخاری کی اسی طرح تقلید جامد نہیں جس طرح مقلدین، ائمہ اربعہ کی تقلید کرتے ہیں۔

اب چند لمحات کے لئے میرے ساتھ روایت افک کی وضعی داستان کی طرف توجہ کیجئے اور یہ بھی ذہن میں رکھیئے کہ ولا یخفی ان الجرح مقدم علی التعدیل۔ جرح تعدیل سے مقدم ہے۔ (ترمذی کا حاشیہ جلد ا صفحہ ۱۱)

امام بخاریؒ سے یہ فیصلہ بھی نہ ہو سکا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ بقول ابن اسحق ۶ھ میں غزوہ بنی مصطلق یا غزوہ مریسیع ہوا۔

پھر لکھتے ہیں بقول موسیٰ بن عقبہ ۴ھ میں ہوا۔ مگر امام صاحب یہاں بھی بھول گئے کہ موسیٰ بن عقبہ نے ۴ھ نہیں ۵ ہجری لکھا ہے۔ ابن حجر فتح الباری میں امام بخاری کا قول ۴ھ نقل کرتے ہیں۔

غزوہ احزاب ۵ھ میں ہوا۔ چونکہ غزوہ بنو مصطلق غزوہ احزاب سے تقریباً ایک مہینہ بعد ہوا۔ لہٰذا امام بخاریؒ نے غزوہ احزاب بھی ۴ھ میں لکھ دیا۔

سورہ احزاب کا نزول غزوہ احزاب کے بعد ہوا یعنی ۵ھ کے اواخر یا ۶ ہجری کے شروع میں۔

دراصل امام بخاریؒ میرے نزدیک اس روایت کے معاملہ میں مرفوع القلم ہیں۔ داستان گو کی چابکدستی کے سامنے امام بخاریؒ کی احادیث کے متعلق تمام چھان بین دھری کی دھری رہ گئی۔ ذرا آگے چلئے کتاب المغازی میں غزوہ بنی مصطلق کے متعلق تمام حدیثیں نقل کرنے کے بعد غزوہ انمار کا نیا باب قائم کرتے ہیں۔ اور اس میں صرف ایک حدیث نقل کرنے کے بعد پھر ایک نیا باب قائم کرکے حدیث افک بیان کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ واقعہ افک کا تعلق غزوہ بنی مصطلق سے نہیں بلکہ غزوہ انمار سے ہے۔ دراصل ہمارے متعلق واقعہ غزوہ

ی مصطلق یا غزوہ مریسیع کا ہے جیسا کہ تیمم کی حدیث میں بیان کیا جا چکا ہے۔
نعہ افک کی روایت تو سالوں بعد جا کر وضع کی گئی اور امام بخاری سبائی منٹ
س عیاری کو سمجھ ہی نہ سکے۔ اسی لئے حافظ ابن حجر نے باب غزوہ بنو مصطلق
باب حدیث الافک کے درمیان سے باب غزوہ انمار کو اپنی شرح سے
رج کر دیا۔

اب رواۃ حدیث کی طرف آیئے۔ امام بخاری نے ابن اسحٰق المتوفی ۱۵۱ھ
نول ۶ھ بیان کیا ہے۔

یہ ابن اسحٰق وہ ذات شریف ہوئے ہیں جن کے متعلق امام مالک کہتے ہیں کہ
جال من الدجاجلۃ وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔ سلیمان التیمی، یحییٰ
سعید القطان اور وہیب بن خالد اُسے کذاب کہتے ہیں۔ اکثر ائمہ حدیث نے
سے ناقابل حجت قرار دیا ہے ابن اسحاق مدنی تھا مگر مدینہ سے نکل کر کوفہ، جزیرہ
ے سے گھومتا ہوا بغداد مقیم ہو گیا۔ مشہور رافضی مفسر اور مورخ ابن جریر
ی اسی کا خوشہ چین ہے۔

ابن شہاب، عروۃ بن الزبیر، سعید بن المسیب، علقمہ بن الوقاص، عبید اللہ
بداللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں مگر یہ چاروں پوری حدیث
ی متفق اللفظ نہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے کچھ حصہ بیان کیا۔ ابن شہاب
یان ہے کہ میں نے ان میں سے ہر ایک سے کچھ حصہ محفوظ کر لیا۔ جس کو اس نے
ت عائشہؓ سے روایت کیا۔

غرض ابن شہاب سے جو پوری حدیث روایت ہے وہ کسی ایک سے روایت نہیں
ہ چار راویوں کے مختلف کلام کا مجموعہ ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہی
زرگوار پوری حدیث کے مولف ہیں۔

ابن شہاب منافقین و کذابین کے دانستہ نہیں نادانستہ ہی نہیں مستقل
نٹ تھے اکثر گمراہ کن، خبیث اور بکذبہ روایات انہیں کی طرف منسوب ہیں۔
نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادہ کے متعلق کہ ان کا نام
بدالعزیٰ رکھا گیا ان کے خالق بھی یہی ذات شریف تھے۔

بھی حضرت اس روایت کے خالق ہیں کہ نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت قرآن مجید کسی چیز پر لکھا ہوا نہیں تھا۔ سورہ نجم کی تلاوت کے وقت تلک الغرانیق العلیٰ کے خالق بھی یہی ہیں کہ نبی علیہ السلام کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے تھے۔

ان کی گمراہ کن روایتوں میں ان کے ساتھی کوفی اور بصری تھے محمد بن اسحاق جس کے متعلق امام مالک کا قول نقل کیا گیا ہے ابن شہاب کے گروہ کا فرد تھا۔ ابن شہاب کے متعلق یہ بھی منقول ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے بھی بلاواسطہ روایت کرتا تھا جو اس کی ولادت سے پہلے مر چکے تھے۔

مشہور شیعہ مولف شیخ عباس قمی کہتا ہے کہ ابن شہاب پہلے سنی تھا۔ پھر شیعہ ہو گیا۔ (تتمہ المنتہی صفحہ ۱۲۸) تبین الغزال فی اسماء الرجال میں بھی ابن شہاب کو شیعہ ہی کہا گیا ہے۔

محمد اسحٰق کی روایت کے مطابق غزوہ بنی المصطلق شعبان ۶ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ ابن حزم اور ابن قیم اور بعض دوسرے محققین نے ابن اسحاق کی روایت کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔ ہم روایت مذکورہ میں دیکھتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے اس ارشاد پر کہ کون اس معاملہ میں میری مدد کرتا ہے، حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ آپس میں اُلجھ پڑتے ہیں مگر یہ داستان گو اس بات کو بھول گیا۔ کہ سیدنا سعد بن معاذؓ غزوہ بنی قریظہ کے متصلاً بعد انتقال کر گئے تھے اور غزوہ بنی قریظہ ۵ھ میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ گویا سعدؓ بن معاذؓ مرنے سے ایک سال بعد پھر مسجد نبوی میں پہنچ کر سعدؓ بن عبادہ سے الجھتے ہیں۔

اس کذاب داستان گو کی نسبت اس کا دوسرا روحانی بھائی کچھ زیادہ سمجھدار نظر آتا ہے جس نے سعد بن معاذؓ کے ساتھ اسیدؓ بن حضیر کا نام لکھ کر اس کذب کا وزن ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اب متن حدیث کی مختلف دفعات پر غور کیجئے:

۱۔ نبی علیہ السلام جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنی بیبیوں میں قرعہ ڈال لیتے تھے کہ اس قرعہ اندازی کی تک کا کسی اور حدیث میں بھی ذکر

ہے یا اس کی پیدائش اور موت اسی ایک روایت کے ساتھ مختص ہو کر رہ گئی ہے
اور پھر یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ قرعہ اندازی میں ہر بار حضرت صدیقہؓ
کا ہی نام نکلتا ہے یعنی ہر بار وہی سفر میں ہمراہ ہوتی ہیں۔ ہمیں تمام ذخیرہ سیرت
میں امہات المومنینؓ میں سے کسی اور کا نام سوائے حج کے کہیں نظر نہیں آتا۔

۲۔ ایک لڑائی کی بھی اچھی رہی۔ گویا حضرت صدیقہؓ کئی لڑائیوں میں
شامل رہ چکی تھیں اور بھول گئی تھیں کہ کس لڑائی میں ہار گم ہوا تھا۔ طوفان
اتنا عظیم کہ مہینہ بھر پورا مدینہ ماتم کدہ بنا رہا۔ مگر ذکر یوں سرسری انداز میں
گویا غزوہ کا نام تک یاد نہیں۔

۳۔ آج تک سوائے اس روایت کے کسی نے کسی موقع کے متعلق اس
قسم کا واقعہ بیان نہیں کیا۔ کہ سوار ہودج میں بیٹھ جائے تو ہودج اٹھا کر اونٹ پر
رکھا جاتا ہے۔ بلکہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہودج رکھا جاتا ہے پھر آدمی سوار ہوتا ہے۔
اور اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ ہودج نشین جب اطمینان
سے ہودج میں بیٹھ جاتا ہے تو ساربان ہودج نشین کو خبردار کرنے کے بعد اونٹ
کو اٹھاتے ہیں۔ اس روایت میں یہ نرالی بات کیوں ؟

۴۔ رات کو چلنے کا حکم ملتا ہے۔ قائد قافلہ کی بیوی موجود نہیں نہ قائد
قافلہ کو علم ہوتا ہے اور نہ خادموں کو اور قافلہ چل پڑتا ہے۔ یہاں یہ سوال بھی
پیدا ہوتا ہے کہ قائد قافلہ کی بیوی رات کو اپنی خادماؤں کے ساتھ رہی ہوگی۔
یا خاوند کے پاس۔ مگر وہ رفع حاجت کے لئے جاتی ہے تو نہ خادماؤں کو علم
ہوتا ہے نہ قائد قافلہ کو اور وہ چپ چاپ جنگل میں چلی جاتی ہے۔ درآنحالیکہ
وہ ابھی بقول داستان گو کم سن ہے۔ ایسے حالات میں تو اس کے ساتھ
کسی عورت کا ہونا اشد ضروری ہے۔

۵۔ رفع حاجت کے بعد واپس آکر انہیں معلوم ہوتا ہے کہ گلے میں ہار
نہیں۔ حالانکہ ہار یمنی کوڑیوں کا ہے۔ وہ لا محالہ وزن دار بھی ہوگا اور پہننے والے
کو محسوس ہوتا ہوگا۔ اور پھر یہ ہار بھی عجیب ہے جو اس سے پہلے بھی ایک بار گم
ہو کر آیت تیمم کے نزول کا سبب بن چکا ہے۔ سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ ہیں

کہ وہ ہار ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔ اگر وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا تو اس کے دانے بکھرتے ہوں گے بار بار انہیں تلاش کر کے دھاگے میں پرویا جاتا ہوگا۔ مگر ہر بار بکھر کر دھاگے میں ہی پرو دیا جاتا ہے۔

۶ - آپ واپس جا کر ہار تلاش کرتی ہیں مگر کسی کو بتاتی نہیں کہ میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا ہے میں اُسے تلاش کرنے کے لئے جا رہی ہوں۔ میری واپسی تک انتظار کرنا اور پھر بھی کسی خادمہ کو ساتھ لے کر نہیں جاتیں بلکہ اکیلی ہی جاتی ہیں اور جا کر ریت اور کر ریت میں ہار کے دانے تلاش کر کے لاتی ہیں کیا تمام دانے مل گئے تھے یا ان میں سے کچھ گم بھی ہو گئے تھے؟

۷- ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا جاتا ہے مگر ہودج اٹھانے والوں کو اس وجہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس وقت عورتوں کا وزن بھوک کی وجہ سے ہلکا ہوتا تھا۔ عجیب بے تکی ہانکی ہے۔ ولو فرضنا صدیقہ کائنات رض کا وزن اس قدر کم تھا کہ ہودج اٹھانے والوں کو معلوم نہ ہو سکا۔ چونکہ نبی علیہ السلام کے گھر میں اکثر برکت رہتی تھی مگر مدینہ کی دوسری عورتیں جن میں مالدار بھی تھیں۔ وہ کیوں بھوکی رہتی تھیں؟

اور پھر ہودج اٹھانے والے یوں ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے ہیں جیسے کوئی بوری لادی جا رہی ہو۔ اور وہ اس قدر بے خبر ہیں کہ آپکا وزن پندرہ بیس سیر ہی ہو معلوم نہ کر سکے۔

۸ - صدیقہ کائنات رض کی کم سنی کو داستان گو بار بار درمیان میں لاتا ہے۔ اس داستان کی صرف اسی شق پر اگر غور کیا جائے تو اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ میں دوسرے مقام پر بدلائل وشواہد ثابت کر چکا ہوں کہ صدیقہ کائنات رض کی عمر بوقت نکاح کسی صورت میں سترہ اٹھارہ سال سے کم نہ تھی۔

۹- آپ اس خیال سے قافلہ کی شب باشی کے مقام پر بیٹھ جاتی ہیں کہ مجھے کوئی تلاش کرنے کے لئے ضرور آئے گا۔ ہو کا عالم، صحرا یا جنگل میں ہر طرف سناٹا، آدم نہ آدم زاد اور یوں اطمینان سے بیٹھ جانا معلوم ہوتا ہے کہ داستان گو یوں تو اپنی داستان گوئی کے فن میں طاق تھا مگر تھا پرلے درجے کا بے وقوف اور احمق

کہ ایک کم سن بچی کو جنگل بیابان میں یوں اطمینان سے بٹھا رہا ہے۔

۱۰۔ ایسے مواقع پر اچھے بھلے دل گردے کے لوگ ڈر کر گھبرا جاتے ہیں۔ اور اکثر اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ مگر ایک کم سن بچی نہایت اطمینان سے سو جاتی ہے۔

۱۱۔ صفوانؓ لشکر کے پیچھے رہتا تھا اور صبح کے وقت حضرت صدیقہؓ کے پاس پہنچا۔ اس کذاب داستان گو کی عقل پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ جو آدمی کسی لشکر یا قافلہ کی گری پڑی چیزیں اٹھانے پر متعین ہو۔ وہ رات کو قافلہ کے ہمراہ ہی قیام پذیر ہوتا ہے۔ نہ کہ وہ رات کو بھی قافلہ سے الگ دور پیچھے کہیں قیام کرتا ہے۔ اور جب قافلہ پڑاؤ سے چل نکلے تو وہ بعد میں وہاں پہنچتا ہے۔ مگر اس قافلہ کی گری پڑی چیزیں اٹھانے والا رات کو کہیں دور پیچھے مقیم رہا۔ اور صبح کے وقت پہنچا۔

۱۲۔ سوتے آدمی کا سایہ دیکھ مجھے پہچان لیا۔ کیا عجیب تک بازی اور خواس باختگی ہے۔ سوتے آدمی کو دیکھ کر اُسے پہچان لیا۔ حالانکہ سونیوالا ایک کمسن بچی ہے۔ اور یقیناً اپنے آپ کو پورے طور پر ڈھانک رکھا ہو گا۔

۱۳۔ دیکھنے والے کے منہ سے بے اختیار انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کے کلمات نکلتے ہیں۔ گویا اسے تمام کیفیت معلوم تھی کہ یہ سونیوالا "ام المومنینؓ ہیں"۔ وہ آپ سے پیچھے رہنے کی وجہ دریافت نہیں کرتا بلکہ فوراً اونٹ سے اُتر کر الگ کھڑا ہو جاتا ہے۔ گویا یہ ایک ڈرامہ تھا جس کی پہلے ریہرسل ہو چکی تھی۔ کہ وہ ضرور اونٹ پر سوار آئے گا۔ استرجاع پڑھے گا، اونٹ بٹھا کر الگ کھڑا ہو جائے گا۔ اور سویا ہوا جاگ کر اونٹ پر سوار ہو جائے گا۔

۱۴۔ شدت کی گرمی میں بوقت دوپہر آپ قافلہ میں پہنچتی ہیں۔ کوئی اس عقل کے اندھے سے پوچھے کہ قافلہ رات کے آخری وقت روانہ ہوتا ہے یا اول شب اور دوپہر کا وقت ہو جاتا ہے مگر نہ کوئی خادمہ اپنی مخدومہ کی طرف توجہ کرتی ہے نہ نبی علیہ السلام اپنی چہیتی زوجہ کی خبر لیتے ہیں۔ حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ اول تو ہودج میں کوئی اکیلا بیٹھ ہی نہیں سکتا جب تک دوسری طرف کوئی دوسرا آدمی یا کچھ بوجھ نہ ہو۔ پھر حضرت صدیقہؓ کی کم عمری کی وجہ سے ایک خادمہ یا خود

نبی علیہ السلام کا اس ہودج میں دوسری طرف سوار ہونا ضروری تھا۔ بلکہ یوں سمجھیے کہ کہ قافلہ کی روانگی کے وقت جس چستی، ہوشیاری اور ساتھ ہی افرا تفری کا عالم ہوتا ہے اس وقت سے دوپہر تک گویا مردوں کا ایک قافلہ صحرا میں رواں دواں ہے۔ مگر کوئی کسی سے بات تک نہیں کرتا۔

۱۵ - ان میں سے جسے ہلاک ہونا تھا گویا آپ کے قافلہ میں پہنچتے ہی ڈرامہ کے مختلف کردار اپنے اپنے پارٹ ادا کرنے میں مشغول ہو گئے حضرت ام المومنینؓ کو کو تو مہینہ بھر بعد جا کر معلوم ہوا کہ مجھ پر تہمت لگائی گئی ہے اور پھر ان کے سامنے سب سے پہلے مسطحؓ کا نام آتا ہے۔ مگر یہاں داستان گو نے فوراً عبداللہ بن ابی کا نام داغ دیا۔

دلوز ضیا حضرت صدیقہؓ قافلہ سے پیچھے ہی رہ گئی تھیں تو اس میں قابل اعتراض بات کونسی تھی۔ ماں اپنے بیٹے کے ساتھ قافلہ میں پہنچتی ہے مگر قافلہ میں سے چند افراد فوراً ایک شوشہ چھوڑ دیتے ہیں۔ عیار داستان گو نے یہاں ایک تیر سے کئی شکار کئے ہیں۔

نبیؐ خود اپنی ازواجؓ کے معاملہ میں لاپرواہ تھا، نبیؐ نے جو معاشرہ تشکیل دیا تھا وہ سب کا سب نہیں تاہم ان میں بقول راوی بد خصلت افراد کی اکثریت تھیؓ اس نیہ کی آڑ میں اس نے صرف تمام مسلمانوں کی ماں پر ہی بہتان نہیں تراشا بلکہ نبی اکرمؐ سے اپنے خدا صاحب کو بھی نہ بخشا کہ وہ بھی مہینہ بھر تک تمام مدینہ میں ایک ماتم کی سی کیفیت دیکھتا رہا اور ٹس سے مس نہ ہوا۔

۱۶ - ام مسطحؓ اپنی چادر میں پھنس کر گرتی ہیں اور کہتی ہیں مسطحؓ ہلاک ہو جائے۔ چادر میں پھنس کر گرنے کا بیٹے سے کیا تعلق عجیب پاگل پن اور دیوانگی کا مظاہرہ ہے۔ بڑھیا گرتی ہے چادر میں پھنس کر اور کوسنے دیتی ہے اپنے بیٹے کو۔ یہاں داستان گو بالکل پٹڑی سے اتر گیا ہے۔

۱۷ - بڑھیا ایک مہینے کے بعد تہمت لگانے والوں کا اظہار کرتی ہے کیا مہینہ بھر حضرت صدیقہؓ کی بیماری کے دوران نبی علیہ السلام کی بے رخی کی وجہ سے ان سے دریافت نہ کر سکیں اور نہ ہی آپ کی کسی سہیلی نے آپ کو بتایا اور پھر آپ کی

ین کو سب کچھ معلوم تھا مگر وہ بھی اپنی بیٹی کو گھر نہ لے گئے۔

۱۔ حضرت صدیقہ رضؓ نبی علیہ السلام سے اجازت لیکر اپنے والدین کے گھر
ریاں سے پوچھتی ہیں اور وہ صرف اس قدر کہہ کر خاموش ہوجاتی ہیں کہ حسین
ت سے شوہر کو محبت ہو تو سوکنیں ایسا ہی کرتی ہیں۔ یہاں بھی اس کذاب
ستان گو نے دو دھاری تلوار چلائی ہے۔ آپ کی والدہ صحیح بات بتانے کی بجائے
پ شک وشبہ میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ نبی علیہ السلام کو ازواج مطہرات رضؓ کے
املہ میں جانبداری کا حامل قرار دیتی ہیں۔ اور پھر ازواج مطہراتؓ کو دنیا کی
ی عورتوں کی طرح سوکناپے کی مرض کا مرتکب قرار دیتی ہیں مگر یہ نہیں کہتیں کہ تم
لے گناہ ہو یہ سب افترا و بہتان ہے۔

۹۔ دیر ہوتی ہے وحی اترنے میں اور نبی علیہ السلام بلاتے ہیں علیؓ اور
امہ رضؓ کو۔ گویا علیؓ اور اسامہ رضؓ کے مشورے سے وحی نازل ہوا کرتی تھی۔

۲۔ پھر ان دونوں سے بیوی کو جدا کرنے کا مشورہ چہ معنی دارد؟ اگر
نے بلانا تھا تو حضرت صدیقہ رضؓ کے باپ کو بلاتے جو آپ کے مشیر بھی تھے۔
اروق اعظم رضؓ کو بلاتے جو دوسرے مشیر تھے۔ مگر جنہیں بلاتے ہیں ان میں سے ایک
اد ہے اور دوسرا اپنا آزاد کردہ غلام۔ کیا اس سے پہلے بھی آنحضرتؐ نے ان
ے کسی اہم معاملہ میں مشورہ دیا تھا؟

۲۱۔ اسامہ رضؓ جانتے تھے کہ آپ کو اپنی بیویوں سے محبت ہے اس لئے
ی قسم کا مشورہ دیا۔ نعوذ باللہ من ھذا الخرافاۃ۔ گویا اسامہؓ ضمیر فروش،
الوقت اور منافق تھے۔ کہ جو مشورہ دیا وہ صرف اس بات کو مدنظر رکھ کر دیا۔
ہ نبی علیہ السلام کو اپنی بیویوں سے چونکہ محبت ہے لہذا مشورہ اسی قسم کا دینا
چاہیے جو آپ کے حسب حال ہو۔

۲۲۔ اب یہ داستان گو علی رضؓ پر بھی برسنے سے باز نہیں آیا۔ علیؓ کہتے
ہیں کہ آپ پر عورتوں کی تنگی نہیں یعنی حضرت صدیقہ رضؓ کو طلاق دیدیجئے۔

ا۔ بیٹا باپ کو مشورہ دیتا ہے کہ میری ماں کو طلاق دے دو۔

ب۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ حکم فرما چکا ہے کہ اے نبیؐ!

تم کسی اپنی عورت کو طلاق نہیں دے سکتے۔

ج۔ پھر علیؓ کہتے ہیں کہ بریرہؓ لونڈی سے پوچھ لیجیے۔ یہاں اول تو بریرہؓ لونڈی کا وجود ہی محل نظر ہے۔ نبی علیہ السلام نے بطور لونڈی یا غلام اپنے کاشانہ میں کسی کو نہیں رہنے دیا۔ جو آزاد کر دیا گیا۔ اور دوسرے یہ کہ واقعہ مدینہ سے دور ایک صحرا کا اور مشورہ دیا جاتا ہے گھر میں رہنے والی لونڈی سے پوچھنے کا اور پھر علیؓ بریرہؓ کو پیٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ بھلا اس میں بیوی کو پیٹنے کی کیا تک تھی۔ غالباً اسی وجہ سے مودودی صاحب نے تفسیر سورۂ نور میں بخاری، طبرانی اور بیہقی کے حوالوں سے یہ دیا کھیا اُچرا ہے کہ علیؓ بھی اس سازش میں شامل تھے۔

اب بریرہؓ کی گواہی سنیے اور اس داستان گو کی عقل کا ماتم کیجیے۔ حضرت عائشہؓ میں کوئی عیب نہیں البتہ آٹا گوندھ کر ننگا چھوڑ دیتی ہیں اور وہ آٹا بکری کھا جاتی ہے۔

گھر کا مالک خادمہ سے اپنی بیوی کے چال چلن کے متعلق دریافت کرتا ہے کہ اس کا چال چلن کیسا ہے؟ وہ جواب دیتی ہے کہ مالکہ کم عمر ہے جب آٹا گوندھ کر رکھتی تو بکری کھا جاتی۔ مگر یہاں کوئی یہ نہیں سوچتا کہ اگر مالکن ہی آٹا گوندھتی ہے اور رکھ دیتی ہے اور النبی خادمہ کو سلام ہے کہ بکری آکر آٹا کھا جائے تو وہ خود کیوں آٹا نہیں ڈھانپ دیتی۔ اور بکری کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہے کہ آئے اور آٹا کھائے۔

۲۳۔ آگے چلیئے۔ گھر میں تو نبی علیہ السلام علیؓ اور اسامہؓ سے مشورہ طلب کرتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی مگر پھر فوراً مسجد میں بغیر کسی تحقیق کے عبداللہ بن ابی کے مقابلہ میں مدد طلب کرتے ہیں۔ اس مخبوط الحواس داستان گو میں اگر عقل کی ایک رتی بھی تو یوں واہی تباہی نہ بکتا۔ صاف طور پر لکھتا کہ نبی علیہ السلام نے چند

د چیدہ صحابیوں کو بلایا اور واقعہ مذکورہ کے متعلق مشورہ طلب کیا۔
ایک طرف آنحضرت اپنی زوجہ کے متعلق علیؓ اور اسامہؓ اور بریرہؓ سے
ئی کی شہادت طلب کرتے ہیں۔ وہ گول مول جواب دیتے ہیں اور
ہی مزید تحقیق کے حلفاً یہ کہتے ہوئے کہ میں اپنے گھر والوں میں بھلائی
تا ہوں، عبداللہ بن ابی کے خلاف اپنے صحابہؓ سے کمک طلب فرماتے
ہ ابھی نزول وحی بھی نہیں ہوا۔ جو کیفیت روز اول تھی وہی حالت
ہے۔ مگر اب اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے کیلئے حلف تک اٹھا لیتے ہیں۔
مسجد میں آپ نے اپنی زوجہ کی پاکدامنی پر حلف اٹھایا اور صحابہؓ سے
طلب کی مگر زوجہ کو گھر پھر بھی نہیں لے گئے۔
۔ قبیلہ اوس کے سردار سعدؓ بن معاذ اور قبیلہ خزرج کے سردار آپس میں الجھ پڑتے
مگر اس دروغگو جاہل کو یہ یاد نہ رہا کہ سعدؓ بن معاذ تو اس واقعہ سے سال بھر پہلے
بنو قریظہ میں فوت ہو چکے تھے۔ ہاں اپنے نبیؐ کی مصیبت سے متاثر ہو کر مدد کے
عالم برزخ سے پہنچ آئے ہوں گے۔
۔ نبی علیہ السلام کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ منبر پر کھڑے ہو کر اپنی زوجہ کی برأت
رنے لگے ایک اور مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ یعنی اوس اور خزرج کو ہاتھا پائی
بچانے کی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔
دیکھا آپ نے نبی علیہ السلام کے جان نثار صحابہؓ کا کردار!
اپنے اہل بیت کی افتاد میں مبتلا ہیں مگر آپؐ سے ہمدردی کسی کو نہیں اور
کے بجائے خانہ جنگی میں الجھ گئے۔
ا۔ اس سے پہلے کسی انصاری عورت نے حضرت صدیقہؓ سے ہمدردی کا اظہار
کیا۔ مگر اس دن ایک انصاریہ نے آکر آپ کے ساتھ رونا شروع کر دیا۔
درایت کے نقطہ نگاہ سے ابھی اس دروغ بے فروغ پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے
۔ کیا نبی علیہ السلام شرعی حدود کے متعلق یہ فرما سکتے تھے کہ جب بندہ توبہ
ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے تو پھر زانیوں اور شرابیوں پر حدود
مطلب

۲۸- اب میں ایک آخری نکتہ کی طرف قارئین کو متوجہ کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں
اس مقام پر نبی علیہ السلام پہ وحی کا نزول ہوتا ہے اور آپ پسینہ میں تر بتر
ہو جاتے ہیں۔ مگر ہم نے کتابوں میں یوں دیکھا کہ پہلی وحی کے موقع پہ آپ کو
شدید جاڑا محسوس ہوا تھا اور یہاں پسینہ بہ نکلا۔

یہ پسینے وغیرہ کی داستان بھی از قسم خرافات ہے آپ پر جب وحی
کا نزول ہوتا تھا تو سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا تھا کہ آپ پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی
تھی اور اس عالم میں آپ پر قرآنی آیات کا نزول ہوتا تھا۔

گذشتہ صفحات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی روشنی میں واقعہ
افک کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور یہاں اگر بفرض محال یہ تسلیم کرنا ضروری ہی ہے
کہ ایسا واقعہ پیش آنے پر والذی جاءوا بالافک کا نزول ہوا تھا۔ تو آخر یہ کس
حکیم نے مشورہ دیا ہے کہ تم ضرور اس کی تہہ تک پہنچو کہ آیت کی مصداق کون ہستی
جبکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا نام نہیں لیا۔

بہر حال اگر اس کے تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں کہ وہ ضرور کوئی ہستی تھی
تو یہ بات یقینی طور پہ صحیح تسلیم کرنا پڑے گی کہ وہ سیدہ صدیقہ کائنات کی
نہ تھی یہ داستان سرائی کسی ماہر شاطر کے متعفن ذہن کی ایجاد ہے۔

مشہور شیعہ مولوی مقبول نے، جسے اپنی بدزبانیوں
سے حکومت ہند نے جیل بھیج دیا تھا، اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں
اور انداز سے بغض پھیلایا ہے۔ چنانچہ اس آیت کے تحت یوں حاشیہ آرائی کرتا ہے
تفسیر قمی میں ہے کہ عامہ کی روایت تو یہ ہے کہ یہ آیت، جناب عائشہ کے
بارے میں ہے اور جو اتہام ان کو غزوہ بنی المصطلق میں لگایا گیا تھا۔ اس کے
بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اور خاصہ کی روایت یہ ہے کہ یہ آیت ام المومنین ماریہ قبطیہ کی شان میں
اور جو الزام عائشہ رض نے ان کو لگایا تھا اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے چنانچہ
جناب امام محمد باقر سے اسی تفسیر میں یہ روایت ہے کہ جب فرزند جناب رسول
کا انتقال ہوا اور آنحضرت کو بہت رنج ہوا تو عائشہ نے کہا آپ رنج کیوں کرتے ہیں

وہ تو جریح قبطی کا بیٹا تھا پس آنحضرتؐ نے علی مرتضیٰؓ کو بھیجا اور جریح کے قتل کا حکم دیا۔ آگے یہ داستان بڑی طویل ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ علیؓ کے خوف سے جریح کا ستر کھل گیا تو معلوم ہوا کہ وہ عورت ہے نہ مرد۔

اس واقعہ کے متعلق "وفاتِ عائشہؓ" کا

قرآن سے بے خبر مولف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹ پر اور انداز سے تعفن بکھیرتا ہے :۔

لکھتا ہے جس وقت ماریہ قبطیہؓ کو ابراہیمؓ کا حمل ٹھہرا اسی وقت سے چند ازواجؓ کو کھٹکا پیدا ہو گیا۔ جب ابراہیمؓ کی ولادت ہوئی تو ان کی مادر گرامی کو دودھ نہ تھا اس لئے آنحضرتؐ نے ایک بکری خرید لی۔ اس سے ابراہیمؓ کی پرورش کرتے رہے۔ کچھ دنوں کے بعد نبیؐ ابراہیمؓ کو اپنے کندھے پر بٹھا کر (شیر خوار بچوں کو کاندھے پر نہیں بٹھایا جاتا اور نہ وہ کاندھے پر بیٹھ سکتے ہیں بلکہ ہاتھوں پر اٹھاتے ہیں یا گود میں اٹھاتے ہیں للمولف) عائشہؓ کے گھر لے گئے اور کہنے لگے بتاؤ اس کی شکل کس سے ملتی ہے۔ عائشہؓ غصہ میں کہنے لگیں۔ کہ جو بکری کا دودھ پیئے گا اس کا رنگ تو گورا ہو گا (بکری کا دودھ پینے سے رنگ کے گورا ہونے کا یہ رافضی نسخہ یاد رکھیے۔ للمولف) ہم یہ نہیں جانتے کس سے ملتا ہے۔ کم از کم اس مقام پر جاہل سنیوں کی نسبت یہ سبائی ہی اچھے رہے جنہوں نے بات کو گھر بلو ماحول تک ہی محدود رکھا۔

اور والذی تولّٰی کبرہ کا مصداق کہیں علیؓ، کہیں حسانؓ، کہیں مسطحؓ اور کہیں عبداللہ بن ابی کو بیان کیا جاتا ہے۔ مگر حد جاری ہوتی ہے تو اس میں علیؓ اور عبداللہ بن ابی کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور پھر انک کا نشانہ کہیں صدیقہ کائناتؓ ہیں۔ کہیں ماریہ قبطیہؓ ہیں اور بعض نے سیدہ فاطمہؓ کا نام بھی لیا ہے۔

بہر حال اگر اس آیت کو قانونی صورت میں تسلیم نہ کیا جائے اور واقعاتی صورت میں ہی تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہ ہو تو جس ذاتِ اقدس کو نشانہ بنایا گیا وہ پاکدامن اور پاکباز تھیں اور تولّٰی کبرہ کا مصداق منافق تھے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

جناب محمد داؤد صاحب نے سورہ نور کی تفسیر میں واقعہ افک کے پس منظر کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

عبداللہ بن اُبی کی تخت نشینی کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے اس کے لئے تخت تیار ہو چکا تھا۔ مگر حضرت صادق و مصدوقؐ کی مدینہ میں تشریف آوری پر اس کی تمام امیدوں پہ پانی پھر گیا تھا۔ وہ منافقانہ طور پر مسلمان ہو کر اسلام کی تخریب کاری میں جُت گیا۔ وہ اپنے اس مشن میں اکیلا نہیں تھا بلکہ مدینہ کے تمام یہودی اور چند ایک اس کے دوسرے حواری پورے طور پر اس کے ساتھ تھے۔ اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ صدیق اکبرؓ کا مقام نبی علیہ السلام کے ہاں نہایت بلند ہے۔ اُسے صاف نظر آ رہا تھا۔ کہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد یقیناً صدیق اکبرؓ آنحضرتؐ کے جانشین ہوں گے۔ اس نے بڑی چابکدستی سے ایک منصوبہ تیار کیا اور اُسے جلد ہی اس کی تکمیل کا موقع مل گیا۔ اور انہوں نے ایک تیر سے تین شکار کرنے کی کوشش کی۔ یعنی

۱۔ حضور خاتم النبیینؐ کو قلبی اور روحانی صدمہ میں مبتلا کر دیا۔
۲۔ صدیقہ کائناتؓ کی ذاتِ اقدس پر کیچڑ اچھالا۔
۳۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کو مسلمانوں کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی تاکہ وہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد اسلامی سٹیٹ کے سربراہ نہ بن سکیں۔

مفسرین کے یہ اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

This is the story enumerated and relied upon by almost all the commentators but I do not believe in it and I have objections on it. This is not a true story. The story of A-e-shah was connected by some Jewish false traditionalist of the third century after the Holy Prophet in order to keep standing the chance of doubt about the integrity, faithfulness, character, chastity and purity of A-e-shah. I am of opinion that the nature of generality of the order given in this verse is lost when we believe in this story and it lost its effectiveness and binding

tion just some time after its revelation
the slanderers were punished. A-e-Shah
ung girl, was not a warrior and not a
-at-arm that she should accompany an
of troops on war purposes. If she went
the sake of the Prophet then it means
rophet could not control his sexual just
in war days in the field while he was
ears old in those days. It is ■■ absurd
ridiculous remark. This is ■ great blot
im. For this purpose alone the story is
reliable. Moreover if she accompanied
troop, even in viel, soldiers and her
ndents were not so negligent to leave
back in jungle alone at night and lift
howdah(litter) without her or tie it on
back of ■ camel or drive her hourse with-
its rider, and they were not so incapa-
to find out that her seat was vacant and
however thin, light and portable she was
heavy and could be assertained whether
was in her seat or not. Again I say that
went out to attend the call of nature a
away from her tent is not pleading. She
not a man, ■ brave hearted man, and could
go a long distance in jungle at night for
ine purposes. It was dark and she could
go along distance away from her tent. In
circumstances a woman when alone can
go beyond 100 paces away from tent. She
d await the apportunity of darkness of
t and remain within a stone's throw
her tent. She being the wife of the
phet who was the great commander of the
ces could never remain alone without att-
ents, slaves or guards. She might have been
the Prophet during night and might have
him about her going out and he could not
ch without her. If in her absence soldiers
pared for their journey and packed up
ir luggages the rattling noise of their
paration might have reached her doing her
to nature and she could hurriedly come
to accompany them or she could call them

oudly to wait for her. Such occassions were
ct unknown to her. The story of falling down
er necklace somewhere in dark is also not
convincing. Usually all women remove their
ornaments when they go in bed and they use
to keep them in safe places when they go to
sleep. If she had it on her body at night even
it could not fall down in jungle. And if it
fell and she came to know about it in her
tent, she could inform others so that it
could be searched out by them with the help
of torches before their departure. It was not
a stolen property with her that which aught
to have been kept secret from others. Necklace
is a thing which is recorded important and
valuable piece of ornament by everyman. If
she went out alone to search it, in darkness,
she could hear the rattling and chattering of
preparations and also bubbling and barking of
camels in such times and could hurriedly come
back to inform her atteudents about her mis-
sing ornament knowingly that if she miss them
she could be left alone in the desert which
was not a safe place. This story is not accep-
table to me.

Such and more are many critisisms on this story which mentioned by the commenta-tors in support of the revelation of this verse tak

verse taking support of the traditionalists who gathered, collected and complied the traditions in book forms during the period of some 3 to 5 hundred years after the death of the Holy Prophet.

RESULT

Leaving aside this story we find a storke of generality in full sense in this verse. It says that those who bring accusation against someone are mostly the nearers of the accused, and they are those who know the accused very well and, due to some reasons, they turn against him and with some how or other reasons they cannot got

against him openly, but are always in search of chances to attack upon him by jealous malice. They must suffer a punishment.

(Daud's Commentry on Al-Quran, Sura-Noor Chapter the "LIGHT" by MOHAMMAD DAUD M.A. LLB.)

ترجمہ : حقیقی تبصرہ :

یہ واقعہ تقریباً تمام مفسرین نے لکھا۔ بیان کیا اور اس واقعہ پر انحصار کیا ہے لیکن میں اس پر ایمان نہیں رکھتا اور مجھے اس پر اعتراض ہے۔ یہ ایک سچا واقعہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ والا واقعہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد تیسری صدی کے جھوٹے یہودیوں کا من گھڑت ہے۔ جو حضرت عائشہؓ کی ایمان کی پختگی، وفاداری، کیریکٹر اور عفت و طہارت کے بارے میں شکوک پیدا کرنا چاہتے تھے۔ میری رائے میں اس آیت میں جو حکم دیا گیا ہے اس کی عمومی نوعیت ضائع ہو جاتی ہے۔ جب ہم اس کہانی پر یقین کرلیں۔ تو یہ اپنا اثر اور لفاظ کھو دیتی ہے۔ اس کے نزول کے تھوڑا ہی عرصہ بعد جبکہ بہتان تراشوں کو سزا دی گئی۔

حضرت عائشہؓ جو نوجوان خاتون تھیں جنگ باز نہ تھیں اور نہ ہی مسلم فوجی خاتون کہ وہ جنگی مقاصد کے لئے سپاہیوں کے لشکر کی ہمراہی کرتیں۔ اگر وہ پیغمبر علیہ السلام کی خاطر گئیں۔ تب اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ کے ایام میں میدان جنگ میں بھی آپؐ شہوت کو ضبط نہ کر سکتے تھے۔ جبکہ آپؐ کی عمر ۶۰ سال تھی۔ ایک بے ہودہ اور مضحکہ خیز بات ہے۔ اور یہ آپؐ پر بہت بڑا الزام ہے۔ صرف اس بنا پر ہی کہانی قابل یقین نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اگر وہ فوج کے ہمراہ تھیں خواہ پردہ میں تھیں تو فوجی اور ان کے خدام اتنے لاپرواہ نہ ہو سکتے تھے کہ انہیں جنگل میں تنہا رات کے وقت چھوڑ جائیں۔ اور ان کا ہودہ ان کے بغیر اٹھا لیں اور اونٹ کی پشت پر باندھ دیں یا ان کا گھوڑا بغیر سوار کے چلا دیں وہ اس قدر نالائق نہیں تھے کہ وہ یہ پتہ نہ چلا سکے کہ ان کی جائے نشست خالی ہے خواہ کتنی ہی دبلی پتلی ہو اور اٹھانے میں آسان نہیں۔ لیکن پھر بھی کچھ

نہ کچھ آپ کا وزن تھا۔ اور پتہ کرایا جا سکتا تھا کہ آیا آپؓ اپنی نشست پر بیٹھی ہیں یا نہیں
میں کہتا ہوں کہ یہ کہنا کہ آپ رفع حاجت کے لئے اپنے خیمے سے دور چلی
گئیں قابل یقین نہیں۔ آپ مرد نہ تھیں جو مضبوط دل والا ہو آپ جنگل میں لمبے فاصلے
پر رات کے وقت رفع حاجت کے لئے نہ جا سکتی تھیں۔ تاریکی کی وجہ سے
اپنے خیمے سے زیادہ فاصلے پر نہیں جا سکتی تھیں۔ ایسے حالات میں ایک عورت
جبکہ وہ تنہا ہو اپنے خیمے سے سو قدم سے زیادہ دور نہیں جا سکتی
رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے خیمے سے تھوڑے فاصلہ پر جا سکتی
تھیں۔ وہ پیغمبرؐ کی زوجہ ہونے کی وجہ سے جو کہ اپنی فوجوں کے عظیم سپہ سالار
بھی تھے۔ خدام، غلام یا لونڈیوں کے بغیر تنہا کبھی نہ رہ سکتی تھیں۔ رات کے
وقت وہ پیغمبرؐ کے پاس ہوں گی اور انہوں نے اپنے باہر جانے کا ذکر کیا ہو گا۔
اور اس صورت میں پیغمبرؐ آپ کی غیر حاضری میں روانہ نہ ہو سکتے تھے۔ اگر حضرت
عائشہؓ کی غیر حاضری میں فوج نے سفر کی تیاری شروع کی اور اپنا سامان باندھا تو اس
کی تیاریوں کا شور و غوغا آپ کو دوران رفع حاجت سنائی دے جاتا اور آپ
جلدی سے واپس آ سکتی تھیں اور ان کے ہمراہ ہو جاتیں یا آپ اونچی آواز سے
ان کو اپنا انتظار کرنے کے لئے کہہ سکتی تھیں۔ ایسے مواقع سے آپ ناواقف
نہ تھیں۔ تاریکی میں آپؓ کے گلے کے ہار کے گرنے کی کہانی بھی قابل یقین نہیں ہے
عام طور پر تمام عورتیں سونے کے لئے جاتے وقت اپنے زیورات اتار دیتی ہیں
اور انہیں محفوظ جگہ پر رکھ دیتی ہیں۔ اگر رات کے وقت بھی انہوں نے پہن رکھا تھا تو
پھر بھی یہ جنگل میں نہ گر سکتا تھا۔ اور اگر گرا ہی تھا اور آپؓ کو پتہ چل گیا تو وہ
دوسروں کو مطلع کر سکتی تھیں تاکہ اسے تلاش کیا جا سکے۔ روانگی سے پہلے
مشعلوں کی مدد سے تلاش کر سکتے تھے۔ یہ آپؓ کے پاس چوری کا مال نہ تھا
کہ آپؓ اسے دوسروں سے چوری رکھتیں۔ گلے کا ہار ایک ایسی چیز ہے جس کو
ہر کوئی اہم اور قیمتی زیور خیال کرتا ہے۔ اگر آپؓ اس کی تلاش میں ہی اکیلے
اندھیرے میں باہر گئیں تو وہ روانگی کی تیاریوں کا شور و غل اور اونٹوں کے
بلبلانے کی آوازیں سن سکتی تھیں اور جلدی میں آ کر اپنے خدام کو اپنے زیور کے

گم ہونے کے متعلق بتا سکتی تھیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ اگر وہ وہاں ہی جنگل میں رہ گئیں تو وہ ایک محفوظ جگہ نہ تھی۔ یہ کہانی مجھے تسلیم نہیں ہے۔

نقادوں نے جو یہ کہانی اس آیت کے نزول کی تائید میں بعض محدثین سے استفادہ کر کے جنہوں نے مقدس پیغمبرؐ کے تین سے پانچ سو سال بعد کے عرصہ میں حدیثیں اکٹھی کر کے کہانی کی صورت میں مرتب کی ہیں ان کے متعلق میرے اعتراضات ایسے ہی ہیں جو اوپر میں نے بیان کیے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بڑھ کر۔

نتیجتاً اس کہانی سے قطع نظر ہر اس آیت میں عمومیت کا تاثر اس کے مکمل معنی میں پایا جاتا ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ جو لوگ کسی پر الزام زناشی کرتے ہیں وہ عام طور پر ہر الزام علیہ کے قریبی ہوتے ہیں اور وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو الزام علیہ کو اچھی طرح جانتے ہیں اور بعض وجوہات کی بنا پر وہ الزام علیہ کے خلاف ہو جاتے ہیں اور کسی نہ کسی وجہ سے وہ اس کی کھلم کھلا مخالفت نہیں کر سکتے۔ لیکن وہ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ حسد و کینہ کی بنا پر اس پر ایسے الزامات لگائیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کو لازماً سزا ملنی چاہیئے۔

شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار
لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار

اِفک کے متعلّق خاتمہ بحث

قرآن مجید میں ارشاد ہے : لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ یعنی کیوں نہ جس وقت سنا تم نے اس کو گمان کیا مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے ساتھ اپنے کے اچھا اور کیوں نہ کہا انہوں نے یہ طوفان ہے ظاہر۔ کیوں نہ لائے اوپر اس کے چار شاہد پس جب وہ نہ لائے شاہدوں کو پس یہ لوگ نزدیک اللہ کے وہی ہیں جھوٹے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ قُلْتُمْ مَا یَکُوْنُ لَنَا اَنْ نَّتَکَلَّمَ بِھٰذَا اور کیوں نہ جس وقت سنا تم نے اس کو کہا تم نے نہیں لائق ہم کو کہ بولیں یہ بات پاکی ہے تجھ کو یہ بہتان ہے بڑا۔ نصیحت کرتا ہے تم کو اللہ اس سے کہ پھر کرو تم ایسا کام کبھی اگر ہو تم ایمان والے۔

اب ذرا ٹھنڈے دل سے حضرت صادق و مصدوق کے منصب رسالت کو سامنے لاتے ہوئے۔ ان آیات پر غور کیجئے ع کسے کہ محرم باد صباست مے داند اس ارشاد کے مخاطب اول کی ذات قدسیہ کو بعض حاملین جبہ و دستار عالم ماکان و مایکون جانتے ہیں اور جو ایسا نہیں جانتے وہ بھی وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ اور مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ کا جامہ در بر کئے ہوئے جانتے اور مانتے ہیں۔ گویا نیم اس مقام پر سب کے سب الا ماشاء اللہ غثاء السبیل کی طرح بہے چلے جا رہے ہیں۔ کم و بیش ایک مہینہ اس ذات صادق و مصدوق کو جس حالت میں مبتلا پیش کر رہے ہیں۔ افک کو واقعاتی صورت میں تسلیم کرنے کے بعد لولا اذ سمعتموہ کا صریحاً نقض ہے۔ اور "افک" کو ایک قانونی دفعہ کی صورت میں جب آپ سامنے لائینگے تو خاتم المعصومینؐ کا مقام اپنی جگہ پر لاریب دوازدہ مطہراتؓ کی ذوات مطہرہ اپنے منصب پر قائم اور ہمارا ایمان علی حالہٖ قائم و دائم۔ اگر ہم آیت مذکورہ کو ایک قانونی دفعہ سمجھتے ہوئے ان کا ترجمہ فعل مضارع میں کرتے جیسا کہ کئی دوسرے مقام پر لکھا جا چکا ہے۔ تو اس قدر جھگڑے ہی پیدا نہ ہوتے۔

چوتھا باب

اھل البیت

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿۳۴﴾ [1]

اور اپنے گھروں میں (عزت ووقار) سے بیٹھی رہو اور قدیم جاہلیت کا سا بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ نکلا کرو اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (برابر) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اے اہل بیت سوائے اس کے نہیں ہے کہ خدا یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دور کرے اور تم کو ایسا پاک کرے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔ اور تمہارے گھروں میں خدا کی آیتیں اور حکمت کی باتیں جو پڑھی جاتی ہیں۔ انہیں یاد رکھو بے شک خدائے تعالیٰ بڑا باریک بین (اور) خبردار ہے (ترجمہ مقبول احمد)

در اصل یہ خطاب اٹھائیسویں آیت سے لے کر چونتیسویں آیت تک ہے۔ اور یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ سے شروع ہو کر لطیفاً خبیراً پر ختم ہوتا ہے۔ مودودی صاحب آیت تطہیر کے متعلق کہتے ہیں۔ جس سیاق وسباق میں یہ آیت وارد ہوئی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں مراد اہل البیت سے نبی علیہ السلام کی بیویاں ہیں (تفہیم القرآن جلد ۴ صفحہ ۷۲)

اٹھائیسویں آیت میں جمع مونث حاضر کے کُنْتُنَّ۔ تُرِدْنَ۔ فَتَعَالَيْنَ۔ اُمَتِّعْكُنَّ۔ اُسَرِّحْكُنَّ پانچ صیغے ہیں۔

انتیسویں آیت میں جمع مونث حاضر کے کُنْتُنَّ۔ تردن۔ منکن تین صیغے ہیں۔

---

[1] آل اور اہل کی مزید تحقیق کے لئے راقم کی تالیف عترت رسولؐ کا مطالعہ کیجیے۔

تیسویں آیت براہ راست یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ یعنی اے نبی کی بیویو! سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں منکن جمع مونث حاضر اور لہا واحد مونث ضمیر ہے۔
اکتیسویں آیت میں جمع مونث حاضر کا ایک صیغہ منکن اور واحد غائب مونث کے نؤتہا، اجرھا اور لہا تین صیغے ہیں۔
اور بتیسویں آیت سے چونتیسویں آیت تک جمع مونث حاضر کے بارہ صیغے ہیں۔ گویا ان سات آیتوں میں چھبیس صیغے جمع مونث حاضر کے ہیں اور دو بار یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ کے الفاظ سے واضح فرمایا گیا کہ یہ تخاطب صرف اور صرف نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات سے ہے اس میں کسی دوسرے کی شمولیت نہیں۔
اس مقام پر جن لوگوں کا یہ ادعا ہے کہ انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت کے کلمات سیدنا علیؓ، سیدہ فاطمہؓ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں نازل ہوئے ہیں وہ بوجوہ محل نظر ہے۔
۱۔ یہ کلمات چونتیسویں آیت کا ایک ٹکڑا ہیں نہ کہ پوری آیت۔ آیت وَقَرْنَ سے شروع ہوتی ہے۔ لفظ قَرْنَ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ باقی آیات کی طرح یہ کلمات بھی نبی علیہ السلام کی ازواج مطہراتؓ کی شان میں نازل ہوئے ہیں۔
۲۔ آیات مذکور الصدر میں اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کی ازواج مطہراتؓ سے خطاب فرما رہا ہے۔ اور تمام امور ۔۔ کی وضاحت کے بعد فرماتا ہے کہ تمہیں یہ تمام پند و نصائح اس لئے دی جا رہی ہیں کہ تم دنیا کی دیگر عورتوں کی طرح نہیں بلکہ مکمل و اکمل طور پر مطہرہ ہو۔
فنی لحاظ سے یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ کے کلمات مقدس میں قرآن نے جس فصاحت و بلاغت کو سمو کر پیش کیا ہے یہاں اس پر غور کرنا بھی ضروری ہے۔
قرآن کریم میں جن مقامات پر بھی اللہ تعالےٰ کے ارادوں کا ذکر آیا ہے انہیں انسانی ارادوں کی طرح سمجھنا مفہوم قرآن کی روح کے منافی ہے۔ انسانی ارادے بندھتے ہیں، ٹوٹتے ہیں، صحیح بھی ہوتے ہیں اور غلط بھی، بعض قابل عمل ہوتے ہیں اور بعض محض شاعرانہ تک بندی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ارادے اس کے وہ اٹل فیصلے ہوتے ہیں جو عالم امر سے اس کے ذاتی منشیت

کے تحت سرزد ہو چکے ہیں۔ اور یہ تمام کائنات انہیں کے مطابق سرگرم عمل ہے۔

اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَن یَقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْن کسی کام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کا اس کا واقع ہو جانا ہے۔

دوسرا لفظ لِیُذْھِبَ قابل توجہ ہے۔ لِ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مختلف معنوں میں آیا ہے۔ یہاں لِ سبب ظاہر کرنے کے لئے "تاکہ" کے معنوں میں آیا ہے۔ اس لحاظ سے یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت لیطھرکم تطھیرا کا مفہوم یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اکمل ترین طہارت کا مقام حاصل ہو چکا تھا۔

دوسرا لفظ اہل البیت ہے گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ سورہ احزاب کی ان سات آیات میں ذکر اور تخاطب صرف نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات سے ہے۔

اہل البیت کا لفظ قرآن مجید میں صرف تین بار آیا ہے ایک مقام تو یہی سورہ احزاب کی تینتیسویں آیت ہے اور دوسرا مقام سورہ ہود کی آیت نمبر ۷۳ ہے۔ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں پہنچتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ہم (حضرت) لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ آگے قرآنی الفاظ میں سنیئے:

وَامْرَاَتُہٗ قَآئِمَۃٌ فَضَحِکَتْ فَبَشَّرْنٰھَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ یٰوَیْلَتٰٓی ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ﴿۷۳﴾

اور ان کی بیوی کھڑی ہوئی تھی پس ہنسی پس بشارت دی ہم نے اس کو ساتھ اسحٰق کے اور پیچھے سے اس کے یعقوب کی ٥ کہا (ابراہیم کی بیوی نے) اے وائے مجھ کو کیا میں جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا بوڑھا ہے تحقیق یہ بات ہے تعجب کی ٥ کہا انہوں نے (یعنی فرشتوں نے) کیا تعجب کرتی ہے تو حکم خدا کے سے رحمت ہے اللہ کی اور برکتیں اس کی اوپر تمہارے اے گھر والی! تحقیق وہ تعریف کیا گیا بزرگ ہے ٥

تیسرے مقام پر سورۃ القصص کی بارہویں آیت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُوْنَهٗ ۔ پس کہا ایک کہنے والی نے کیا دلالت کروں میں تم کو اوپر ایک گھر والی کے کہ پالیں اس کو واسطے تمہارے ۔

چند نکات :

۱ ۔ حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی بشارت دی جاتی ہے اس پر حضرت ابراہیم ع کی بیوی جو صرف ایک ہیں حیرانی کا اظہار کرتی ہیں۔ بشارت صرف ایک بیوی کو دی جاتی ہے مگر جمع مذکر حاضر کے کلمات علیکم اہل البیت سے انہیں مخاطب کیا جاتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آیت تطہیر میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کلمات نبی علیہ السلام کی ازواج مطہراتؓ کی شان میں نہیں بلکہ سیدنا علیؓ اور ان کے گھر والوں کے لئے ہیں۔

۲ ۔ اہل البیت کا لفظ صرف اور صرف افراد خانہ کے لئے ہے جیسا کہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور واقعہ حضرت موسیٰ ع میں بیان ہو چکا ہے۔

۳ ۔ نبی علیہ السلام کی زندگی میں اہل بیت صرف ازواج النبیؐ کو کہا جاتا تھا ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کی ہجرت کا مشہور واقعہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں آپ اپنی ہجرت کے واقعہ کو ان کلمات میں فخریہ بیان فرمایا کرتی تھیں کہ میں نہیں جانتی کہ اہل بیت میں سے کسی نے وہ مصیبتیں اٹھائی ہوں جو اسلام کی خاطر مجھے جھیلنا پڑیں ۔ (اسد الغابہ صفحہ ۵۸۹)

اس مقام پر السید طاہر المکی ایک بڑا عجیب نکتہ پیش کرتے ہیں کہ نماز کی آخری رکعت میں ہم دو درود شریف پڑھتے ہیں جو ہو بہو یکساں ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ پہلے درود میں صلاۃ (رحمت) کا لفظ ہے اور دوسرے درود میں برکت کا لفظ ہے۔

یعنی پہلے درود میں اگر صَلِّ کی جگہ بَارِکْ اور صَلَّيْتَ کی جگہ بَارَكْتَ کا لفظ لگا دیں تو دوسرا درود بن جاتا ہے

۱ ۔ درود شریف میں محمدؐ و آلِ محمدؐ پر جو درود بھیجا گیا ہے وہ خاص طور پر

صلاۃ (رحمت) و برکت کے دو لفظوں کے ساتھ کیوں بھیجی گئی۔
۲۔ اس میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کو ابراہیمؑ و آل ابراہیمؑ سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے
۳۔ قرآن مجید کی کس آیت سے درود شریف کے یہ الفاظ لئے گئے ہیں۔
آگے چل کر لکھتے ہیں:

قَالُوْا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَہْلَ الْبَیْتِ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا درود نقل فرمایا ہے۔ جو انہوں نے ابراہیمؑ اور اہل بیت ابراہیمؑ (حضرت ابراہیمؑ کی گھر والی) پر بھیجا۔ ہم مسلمان بھی درود شریف اپنے محبوب پیغمبر محمد صلے اللہ علیہ وسلم اہل بیت محمدؐ (آنحضرتؐ کی ازواج مطہراتؓ) پر بھیجتے ہیں۔ پہلے درود میں صلاۃ ہے جو رحمت کا مترادف اور ہم معنی ہے جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے۔ اُولٰٓئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ وَرَحْمَۃٌ اور دوسرے میں برکت۔

فرشتوں کا آخری جملہ انہ حمید مجید اور ہمارا اِنَّکَ حمید مجید ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ بلا شبہ حضورؐ نے اپنی ازواج مطہراتؓ کو آل محمدؐ فرمایا ہے جیسا کہ مَاشَبِعَ آلُ محمدؐ والی حدیث بخاری میں ہے۔ اور اگر آل سے مراد رشتہ دار ہیں تو آل ابراہیمؑ میں یہودی اور عیسائی بھی ہیں اور آل محمدؐ میں ابولہب جیسا طاغوت اعظم بھی۔ اسی بوالعجبی پہ حیرت ظاہر کرتے ہوئے امام حمیری نے کہا تھا ؎

لو لم یکن الہ الا قرابتہ
صلے المصلے علے الطاغی ابی لہب

(ملخص حقیقی اہل بیت رسول صفحہ ۲۰ تا ۲۴)

یہاں امام حمیری نے ابولہب کا ذکر کر کے بات ختم کر دی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آل سے مراد وہ لوگ ہیں جو فاطمی کہلاتے ہیں تو ابوالزفت بن محمد بن الافطس جسے شراب نوشی کے جرم میں حد ماری گئی، حسن بن جیبوا حسنی جس نے نبوت

کا دعوے کیا تربد اور ابراہیم بن موسیٰ (الکاظم) جیسے سفاک اسماعیل بن یوسف جیسے کعبہ کا دفنی خزانہ لوٹنے والے اور مسجد نبوی میں لوگوں کو نماز پڑھنے سے روکنے والے، محمد بن حسن جیسے مسجد نبوی میں بیٹھ کر شراب پینے والے، محمد الاکبر بن جعفر جیسے کعبہ کے ستونوں سے سونا اتار کر اپنے ہمراہیوں میں تقسیم کرنے والے اور قاضی مکہ کے لڑکے کو اغوا کر کے لواطت کا ارتکاب کرنے والے محمد و علی ابنان حسین بن جعفر جیسے مسجد نبوی اور مسجد حرام میں قتل عام کرنے[1] والے بھی اس آل میں آتے ہیں اور ان پہ درود بھیجنے والوں کا درود نامعلوم کون سا ہے اور اس تصور کے حامل نامعلوم کس اسلام کے مدعی ہیں۔

آل محمد سے مراد صرف نبی علیہم السلام کی ازواج مطہرات ہیں اور وہی مستحق صلاۃ و برکات ہیں - اور ان پہ صلاۃ بھیجنا ہی ہمارے لئے موجب فلاح و نجات ہے نا کہ شرابیوں، ڈاکوؤں، قاتلوں، لوطیوں اور سارقوں پر درود بھیجنا۔ فافہموا و تدبروا

آیت تطہیر کے لفظ "رجس" کا مطلب اور مفہوم سمجھنے کی بھی کوشش نہیں کی گئی یہ لفظ قرآن مجید میں "ر ج س" کی شکل میں آٹھ بار رجساً اور رجسھم کی صورت میں ایک ایک بار آیا ہے۔ وقع علیکم من ربکم رجس و غضب کے مقام میں عقوبت، عذاب اور بلا کے معنوں میں آیا۔ باقی مقامات پہ ناپاکی اور پلیدی کے معنوں میں بیان کیا گیا ہے۔ شیعیت کا یہ دعوے کہ آیت تطہیر علی رض، فاطمہ رض اور حسنین رض کی شان میں نازل ہوئی بوجوہ بالکل غلط ہے۔

۱ - ان تمام آیات میں خطاب ازواج مطہرات رض سے ہے اور انما یرید اللہ الخ آیت نہیں بلکہ آیت کا ایک ٹکڑا ہے۔

۲ - شیعیت کے نزدیک سیدنا علی رض، فاطمہ رض اور حسنین رض معصوم ہیں۔ معصوم پہلے ہی مطہر ہوتا ہے۔ مطہر کو مطہر بنانا یعنی چہ؟

اہل سنت نے اس مقام پر رجس کے معنی سمجھنے کی کوشش نہیں کی

---

[1] اس قسم کے بدکردار فاطمیوں کے تفصیلی حالات کے لئے میری تالیف عترت رسول صلعم اور حقیقت مذہب شیعہ کا مطالعہ کیجئے۔

الرّجس کے معنی سخت آواز، کسی بہت بڑی اور مخلوط قسم کی مخلوط چیزوں کی آواز جیسے فوج یا سیلاب کا شور یا بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک، التباس، شک، تردد اور اضطراب وغیرہ کے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی ازواج مطہراتؓ میں اللہ تعالےٰ اور نبی علیہ السلام کے نزدیک ناپسندیدہ چیز کون سی تھی جسے دُور کیا گیا۔

ازواج مطہراتؓ کی ذوات قدسیہ کے متعلق ناپاکی یا پلیدی کا تصوّر بھی گناہِ عظیم ہے۔ وہ علم الٰہی میں روز الست سے مطہرہ اور پاکیزہ تھیں انہیں نبی علیہ السلام کا ہمدم، دمساز اور ہمسفر ہونے کا شرف حاصل ہونا تھا تو پھر پلیدی وغیرہ کی آلائش لاحول ولا قوۃ۔ یہ باتیں اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ ان کلمات کے معنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے اضطرابات، التباسات یا وہ موانع جو تمہاری صحیح نشو ونما کے راستہ میں حائل ہوں انہیں دور کر دیا جائے وہ اضطرابات یا التباسات کیا تھے؟ غنیمت اور فے کا مال آتا ہے مگر باہر ہی باہر فقراء و مساکین میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اور کاشانہ نبویؐ کے چولھے ٹھنڈے پڑے رہتے ہیں۔ در فس علیٰ ہذا

آلِ محمدؐ و آلِ ابراہیمؑ باندانہ دگر۔

ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بادشاہِ مصر نے شاہی خاندان کی ایک خاتون سیدہ ہاجرہؓ پیش کی جن کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ نبی علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ اسی طرح نبی علیہ السلام کی خدمت میں اس وقت کے مصری بادشاہ نے ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہ رضؓ کو بھیجا جن کے بطن سے نبی علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے ایک بیٹا دیا اور نبی علیہ السلام نے اسی سابقہ تعلق کی بنا پر اپنے بیٹے کا نام ابراہیمؑ رکھا۔

سبائیت کا مروڑ:

ان حقائق و شواہد کے علی الرغم ایک عیار مکار کی عیاری و مکاری اور پھر دیدہ دلیری

دیکھئے کہ اتین الزکوٰۃ واطعن اللہ ورسولہ پر جا کر آیت ختم کر دیتا ہے اور انما یرید اللہ الخ نصف آیت ہی چھوڑ دیتا ہے

لیعنی وفات عائشہ رض کا شیعہ مؤلف اپنی تالیف کے صفحہ ۲۴ پر یا ایہا النبی سے شروع کرتا ہے اور واطعن اللہ ورسولہ پر ختم کر دیتا ہے۔ لیعنی آدھی آیت چھوڑ دیتا ہے۔ صرف اس لئے کہ یہاں نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے ذکر کے ضمن سے انما یرید اللہ کو نکال دے اور پھر لطف یہ ہے صرف پانچ پوری اور چھٹی نصف آیت میں دس سے زیادہ لفظ غلط لکھتا ہے

یٰایہا النبی قل لازواجک ان کنتن تردون الحیوٰۃ الدنیا وزینتہا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحًا جمیلاً وان کنتن تردن اللہ و رسولہ والدار الاٰخرۃ فان اللہ اعد للمحصنٰت منکن اجراً عظیمًا ینساء النبی من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لہا العذاب ضعفین وکان ذالک علی اللہ یسیرا ومن یقنت منکن للہ ورسولہ و تعمل صالحا نؤتہا اجرہا مرتین واعتدنا لہا اجراً کریمًا ینساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولاً معروفا وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی واقمن الصلوٰۃ واتین

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ الاحزاب

وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۝ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

[1] مشہور شیعہ مترجم مولوی مقبول فاحشۃ مبینۃ کے متعلق اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں لکھتا ہے ازواج نبیہ کی جنگ

اُمہات المؤمنینؓ فضل و شرف کے لحاظ سے دُنیا بھر کی تمام عورتوں سے افضل ہیں

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

اے نبی کی عورتو! اگر تم پرہیزگاری کرو تو تم اور عورتوں کی مانند نہیں ہو پس دبی زبان سے باتیں نہ کیا کرو کہ وہ شخص جس کے دل میں روگ ہے۔ کسی طرح کا لالچ کرے اور نیک (یعنی شک سے بچی ہوئی) باتیں کیا کرو۔ (ترجمہ مقبول احمد)

اَلنِّسَاء میں جنس انوثیت کا ہر فرد شامل ہے اور دنیا بھر کی کوئی عورت اس سے باہر نہیں۔ اور لفظ احد نے اسے نفی بدرجہ اتم تک پہنچا دیا ہے۔ نفی میں احد کے استعمال نے کسی استثنار کا موقع باقی نہیں رہنے دیا۔ ولم یکن لہ کفواً احد پر غور کیجئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حوّاؑ سے لے کر سیدہ زینبؓ بنت رسول اللہ تک جنہیں آنحضرتؐ نے ہی افضل بناتی کے خطاب سے مفتخر فرمایا اور رقیۃ الزہرا صلوٰت اللہ علیہا اور سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک کوئی بھی شرف و فضل میں اجہات المومنینؓ کے مقام و مرتبہ کی حامل نہیں یعنی ازواج مطہراتؓ نبی علیہ السلام کی اولاد سے بھی افضل ہیں۔

ملتِ جعفریہ کا سب سے بڑا مفسر طبرسی کہتا ہے۔

ثم اظہر سبحانہ فضیلتھن علی سائر النسوان بقولہ یٰنساء النبی لستن کاحد من النساء۔ یعنی اللہ تعالےٰ دنیا کی تمام خواتین پر لستن کاحد من النساء فرما کر ازواج مطہراتؓ کی قطعی فضیلت کا اظہار فرما دیا ہے۔

(مجمع البیان ج ۸ صفحہ ۳۵۵ مطبوعہ تہران)

ایک اور شیعہ مفسر طوسی لکھتا ہے:

انما قال کاحد ولم یقل کواحدۃ لان نفی عام للمذکر والمونث

والواحد والجماعة لا يشبهكن احد من النساء فی جلالة القدر وعظم المنزلة لمکانکن من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

اللہ تعالٰے نے لستن کاحدٍ من النساءِ میں احد کا لفظ فرمایا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے ہر ہر فرد شامل ہو جاتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی کی بیویو تمہیں رسول اللہ سے جو تعلق ہے اس کی بناپر دنیا کی کوئی خاتون جلالت قدر اور منزلت کی بلندی میں نہ تمہارے مشابہ ہوئی ہے۔ نہ ہو سکتی ہے۔ (تفسیر البیان ج ۸ صفحہ ۳۳۸ مطبوعہ نجف ۱۹۶۳)

وفات عائشہؓ کا مولف وقرن فی بیوتکن کی لفظی و معنوی تحریفات کے بعد اذا اسر النبی کی آیات کے متعلق تعض پھیلانے سے پہلے یوں ویا کھیان کرتا ہے۔ اللہ تعالٰی کہیں بعض ازواج النبیؐ کے ناگفتہ بہ حالات کو ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے وائجیں طرف لف وفات عائشہؓ کی قرآن دانی کا عکس ملاحظہ کیجیے

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ عَسٰى رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝	واذا اسرّ النبی الی بعض ازواجه حدیثا فلما نبأت به اظهره الله علیه عرف بعضه واعرض عن بعض فلما نبأها قالت من انبأك هذا قال نبأنی العلیم الخبیر ان تتوبا الی الله فقد صغت قلوبکما وان تظاهرا علیه فان الله هو مولٰه وجبریل وصالح المؤمنین والملائکة بعد ذالك ظهیرا عسٰی ربه ان طلقکن ان یبدله ازواجا خیرا منکن مسلمت مومنات قانتاتٍ تائباتٍ عابداتٍ صالحات ثیبٰت وابکارا۔
معلوم نہیں اس کو ان آیات میں ازواج مطہراتؓ کے متعلق کونسی بات ناگفتہ بہ نظر آئی اور لطف یہ کہ ان تین آیات میں گیارہ لفظ غلط لکھتا ہے۔	(پ ۲۸ - ۶ تحریم)

تسوید ارا سرمایۂ ایمان علی

پانچواں باب

تحریم تخییر اور ایلا

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ② وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ③ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ④

اے پیغمبر کیوں حرام کرتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لئے جائز ٹھہرائی۔ اپنی بیویوں کی رضا جوئی میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ① اللہ نے فرض کر دیا ہے تم لوگوں کے لئے تمہاری (خلاف شرع) قسموں کا کھولنا اور اللہ ہی تمہاری پناہ ہے اور وہ علم والا اور حکمت والا ہے ② اور جب پیغمبر نے اپنی کسی بیوی سے راز کی کوئی بات کہی پھر جب انہوں نے وہ افشا کر دی اور پیغمبر کو اللہ نے اس سے باخبر کر دیا۔ کچھ بات پیغمبر نے جتا دی اور کچھ ٹال دی۔ پھر جب پیغمبر نے اپنی بیوی کو اس کی خبر دی، بولیں، کس نے آپ کو خبر کی اس کی؟ کہا مجھ کو خبر دی خداوند علیم وخبیر نے ③ اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہ اقرب ہے کیونکہ تمہارے دل تو مائل ہو ہی چکے ہیں اور اگر اس کے خلاف ایکا کرو گی تو اللہ اس کا حامی ہے اور جبریل اور نیکوکار مسلمان اور مزید برآں فرشتے بھی اس کے مددگار ہیں (مولانا فراہی)

اے نبی، تم کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے؟

(کیا اس لئے کہ) تم اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہو۔ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے ① اللہ نے تم لوگوں کے لئے اپنی قسموں کی پابندی سے نکلنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہی علیم و حکیم ہے ② اور یہ معاملہ بھی قابل توجہ ہے کہ) نبی نے ایک بات اپنی ایک بیوی سے راز میں کہی تھی۔ پھر جب اس بیوی نے (کسی اور پر) وہ راز ظاہر کر دیا اور اللہ نے نبی کو اس (افشائے راز) کی اطلاع دے دی تو نبی نے اس پر کسی حد تک (اس بیوی کو) خبردار کیا اور کسی حد تک اس سے درگذر کیا۔ پھر جب نبی نے اسے (افشائے راز کی) یہ بات بتائی تو اس نے پوچھا آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟ نبیؐ نے کہا مجھے اس نے خبر دی جو سب کچھ جانتا ہے اور خوب باخبر ہے ③ اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرتی ہو (تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے) کیونکہ تمہارے دل سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔ اور اگر نبی نبیؐ کے مقابلہ میں تم نے باہم جتھہ بندی کی تو جان رکھو کہ اللہ اس کا مولیٰ ہے۔ اور اس کے بعد جبریلؑ اور تمام صالح اہل ایمان اور سب ملائکہ اس کے ساتھی اور مددگار ہیں ④ (سید مودودی)

اے نبی جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے حلال قرار دیا ہے تم اُسے کیوں حرام کرتے ہو؟ کیا تم اپنی بیبیوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے ① خدائے تعالیٰ نے تمہارے لئے (کفارہ سے) تمہاری قسموں کا توڑ دینا مقرر فرما دیا ہے اور اللہ تمہارا مالک ہے اور وہ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے ② اور جس وقت نبی نے اپنی کسی زوجہ سے ایک بات بطور راز کے کہی اور اس نے اس راز سے کسی اور کو آگاہ کر دیا اور اللہ نے پیغمبرؐ پر یہ معاملہ کھول دیا تو نبیؐ نے کچھ حصہ تو اس کو جتلایا اور کچھ حصہ سے چشم پوشی کی پھر جس وقت نبیؐ نے اس (عورت) کو اس سے مطلع کیا تو وہ کہنے لگی کہ آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟ فرمایا مجھ کو بڑے جاننے والے (اور) بڑے خبردار نے خبر دی ③ اگر تم دونوں خدا کے حضور میں توبہ کر لو (تو بہتر ہے) پس تم دونوں کے دل حق سے ضرور منحرف ہو گئے ہیں اور اگر تم دونوں ہمارے رسولؐ کے برخلاف ایک دوسرے کی پشت پناہ ہو تو اللہ اور جبریل اور صالح المومنین

اس کے مددگار ہیں اور بعد اس کے کل فرشتے اس کی پشت پر ہیں۔

(مقبول احمد شیعہ)

میں نے صرف تین تراجم نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ چونکہ اہل سنت کے علمی حلقوں میں اول الذکر دو ترجمے اور اہل تشیع کے ہاں مقبول کا ترجمہ سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ باقی جن اصحاب کے ترجمے اس وقت متداول ہیں ان میں بھی بنیادی طور پر وہی جھول موجود ہے جو ان میں ہے۔

ان آیات کا ترجمہ لکھتے وقت اس بات کا لحاظ اولین مقام رکھتا ہے کہ ایک طرف ذکر ہے رحمۃ اللعالمینؐ اور خاتم المعصومینؐ کا اور دوسری طرف ذکر ہے وازواجہٗ امھتھم اور ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہٖ ابداً کا ؎

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

میں کہتا ہوں جنید و بایزید کا بھی عزت بخاری نے محض تکلف برتا ہے۔ یہاں تو فرشتوں کی دم بخود حاضری کا ذکر کیجئے۔

مگر ان آیات کی تفاسیر اور تراجم میں حلال و حرام کے الفاظ کی جس طرح پیہم تکرار کی گئی ہے ان سے حضور خاتم المعصومینؐ و ازواجہٗ امھاتہم کی ذوات منزہ و مطہرہ و مقدسہ کے متعلق قارئین پر اس قسم کے فکری لمحات طاری ہو جاتے ہیں کہ واقعی حضور خاتم المعصومینؐ نے کسی حلال چیز کو اپنی ذات پر محض اپنی ازواجؓ کی خوشنودی کے لئے حرام قرار دے لیا تھا جبکہ قرآن کے واضح ارشادات میں ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال و ھذا حرام الخ وغیرہ موجود ہے۔ مگر نہایت سادگی سے ایک طرف حضور خاتم المعصومینؐ کی عصمت کو داغدار کیا گیا۔ اور دوسری طرف ازواج مطہراتؓ کی طہارت کو مجروح کیا گیا۔

ان آیات کا ترجمہ کرتے وقت موقع و محل کا خیال نہیں رکھا گیا۔ خاصکر تحرم، ایمان، تتوبا، احل، صغت اور مولی کے الفاظ واقعات کی مناسبت سے تشنۂ معنی رہے ہیں جو قارئین کو مطمئن کرنے کے بجائے چند ایک الجھنوں میں ڈالنے کا موجب بنتے چلے آرہے ہیں۔

تحرم کا مادہ ح ر م ہے۔ حریماً و حرماناً کسی شے کو روک لینا، اس شے کو اس تک پہنچنے نہ دینا وغیرہ کے ہیں اور اس کے بنیادی معنی روک دینے یا ممانعت کر دینے کے ہیں (ابن فارس) الحرام تمام وہ چیزیں جن کی ممانعت کر دی گئی ہو یا جن کے کرنے سے روک دیا ہو۔

اَحَلَّ کا مادہ ح ل ل ہے۔ جس کے معنی ہیں گرہ کھولنا۔ واحلل عقدۃً من لسانی، حل المکان، حل الاحمال پر غور کیجئے۔
یَحِلُّ کے معنی وجوب کے ہیں اور یَحُلُّ کے معنی نازل ہونے یا اترنے کے ہیں (تاج، راغب وغیرہ)

اس لحاظ سے موقع و محل کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترجمہ یوں موزوں تھا۔
اے نبیؐ! آپ کیوں اس چیز سے رک گئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے جائز قرار دی تھی
یہاں مقبول کے ترجمہ کا ذکر بوجوہ قابل نظر اندازی ہے۔ حلال و حرام کی اصطلاحات عام ذہنوں میں ایک خاص مفہوم رکھتی ہیں۔ اور جب ہم اس آیت کا ترجمہ مروج طریق سے لوگوں کے سامنے پیش کریں گے تو ان کے ذہنوں میں اس قسم کے تاثرات پیدا ہوں گے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا واقعی کسی حلال چیز کو اپنے لئے حرام قرار دیا تھا۔

جب حلت و حرمت کی بساط مروج حلال و حرام کی اصطلاحات کی زمین پر بچھائی گئی تو پھر اس کے لئے مزید تاویلات کے دریچے وا کرنے پڑے اور یہاں تک کہنا پڑا کہ اللہ نے جو اشیاء حلال قرار دی ہیں۔ نبی بھی انہیں حرام نہیں کر سکتا۔ دیکھیے بات کیا تھی اور کھینچ تان کر کہاں پہنچا دی گئی۔
بات صرف اس قدر تھی کہ نبی علیہ السلام نے اپنی بعض ازواج رضؓ کی خوشنودی کے لئے کوئی شے جو ہو سکتا ہے ان ازواجؓ کو ناپسند ہو آپؐ نے بھی اس کا استعمال ترک کر دیا ہو۔ مگر یارانِ سرِ پُل اسے کہاں لے دوڑے۔

دوسری آیت میں ایمان کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مادہ ی م ن ہے الیمین دائیں ہاتھ کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کا مفہوم سمجھنے کے لئے ما ملکت ایمانکم، من شاطی الوادِ الایمن کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا

ضروری ہے کہ عرب قسم کھاتے وقت دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر مارتے تھے۔ اس لحاظ سے ایمان کے معنی صرف قسم کے ہی نہیں بلکہ عقدت ایمانکم کی روشنی میں مستحکم عہد و پیمان کے بھی ہیں۔

لہذا آیت کا مفہوم یوں ہوگا کہ اللہ نے تمہارے لئے اپنے وعدوں کی پابندی سے نکلنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ مروّج تراجم سے قرآن کے قاری تو یہ سمجھتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ایک حلال چیز کو اپنی ذات کے لئے حرام قرار دینے کی قسم کھائی تھی۔ اسی لئے اس آیت کی تفسیر میں وہ کرنے کھارے تلاش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کہ کس قسم کی قسم پر کس قدر کفارہ ہے۔ مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ نبی علیہ السلام نے اس موقع پر کیا کفارہ ادا کیا تھا۔

حلال و حرام کے ان اصطلاحی معانی کے بعد عصمتِ انبیاءؑ سے چھینٹے دُور کرنے کے لئے جن مفروضات میں پناہ ڈھونڈی جا رہی ہے ان میں سے اہم ترین یہ ہے کہ نبی علیہ السلام چونکہ نہایت ہی نظیف الطبع تھے اور آپؐ کو بدبودار چیزوں سے نفرت تھی اس لئے ازواج مطہراتؓ کے کہنے پہ آپؐ نے مغافیر والا شہد چھوڑ دیا۔ یہ منسوب الی الصحابہ قول کسی کورن طبع خبیث النفس کی اختراع ہے۔ جو ازواج مطہراتؓ کی ذوات مطہرہ کو کسی نہ کسی طرح بدنام کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ نبی علیہ السلام خود نظیف الطبع تھے۔

تو آپ کو مغافیر والا شہد استعمال کرتے ہوئے احساس نہ ہوا اور احساس دلایا تو ازواج مطہراتؓ میں سے کسی نے۔ اور آپ نے ان کے کہنے پر اس کا استعمال اپنے لئے "حرام" قرار دیا۔ اس کا مطلب تو یوں اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ازواج مطہراتؓ میں سے وہ ذات مطہرہ زیادہ نظیف الطبع تھیں۔ جنہیں مغافیر والے شہد کی بو ناگوار گزری اور انہیں نبی علیہ السلام کی شفقت و رحمت کی پیہم نوازشوں کی کیفیات کے تجربات نے یہ جرأت دلائی۔ مگر یاران سرِ پُل ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ کے مصداق اسے دوسرے معنوں میں لے اُڑے۔

اصل بات جو ان دو آیات سے مترشح ہوتی ہے وہ صرف اس قدر تھی کہ نبی علیہ السلام نے کوئی چیز استعمال فرمائی۔ ازواج مطہراتؓ میں سے کسی ایک زوجہ مطہرہؓ

یا ایک سے زیادہ کو وہ چیز نبی علیہ السلام کی ذات کے لئے پسند نہ تھی انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپؐ اس چیز کا استعمال نہ فرمائیں اور آپؐ نے اس کا استعمال کرنا ترک فرما دیا۔ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔

مگر چھینٹے اڑاتے ۔ مطلوب تھے ازواج مطہراتؓ کے دامانِ طہارت پر اب نبی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس بھی زد میں آتی رہے تو پرواہ نہیں۔ یہاں تو

جبریل کہ آمد ز لبس خالق بیروں
شد پیش محمدؐ مقصود علیؓ بود

پر ایمان تھا۔ مگر سیدھے سادے مسلمان بھی اس لپیٹ میں آ گئے ؎

گفتی چہ شد قاعدہ مہر و محبت؟
رسم کہنے بود بعہدِ تو برافتاد!

مروّج تراجم میں بے احتیاطی نے جو راستے ہموار کئے اب ان کے ازالہ کی کوششیں شروع ہوئیں اور پھر اس پر تاویلات کی عمارتیں اٹھائی گئیں۔ یعنی

۱۔ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے حدود مقرر کرنے کے اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کو ہیں۔

۲۔ عام انسانی معاشرہ سے انبیاءؑ کا مقام بہت بلند ہے اور اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کڑی نگرانی رکھی جاتی ہے۔

۳۔ انبیاءؑ کو معمولی معمولی باتوں پر بھی ٹوک دیا جاتا ہے اور ان کی اصلاح کی جاتی ہے

پھر آگے چل کر ان خود ساختہ تنقیحات پر ائمہ اربعہؒ کے مقلدین الگ الگ فقہی استنباط کے مباحث سے امت کے اذہان کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔

ذرا اور آگے بڑھیے۔ تحریم کا محل استعمال نہ سمجھنے سے بعض نے کہا کہ

۱۔ تحریم قسم سے نہیں ہے۔

۲۔ ایک گروہ نے کہا کہ کسی چیز کو حرام کر لینا بجائے خود قسم تو نہیں مگر بیوی کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

۳۔ ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ تحریم بجائے خود قسم ہے۔

غرضیکہ معمولی سی بات کو طول دے کر خوب خوب ذہنی درزشوں کی طرح ڈالی گئی۔

یہ سب کچھ تو کہا گیا مگر یہ کسی کو آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ بات کیا تھی جس پر "حرام و حلال" کی بحث کو اتنا طول دیا گیا۔

ایک گروہ نے کہا کہ نبی علیہ السلام نے مختلف بادشاہوں کو جو خطوط لکھے تھے ان میں سے ایک خط حاکم مصر کو لکھا تھا۔ جسے عرب مقوقس کہتے تھے۔ وہ اسلام تو نہ لایا۔ مگر اس نے نبی علیہ السلام کے سفیر حاطبؓ بن ابی بلتعہ کی بڑی عزت کی اور انہیں رخصت کرتے وقت مصر کی دو نہایت خوبصورت لڑکیاں نبی علیہ السلام کی خدمت میں بھیجیں۔ جن کے نام سیرین اور ماریہ تھے۔ سیدنا حاطبؓ نے راستہ میں ان پر اسلام پیش کیا۔ اور وہ ایمان لے آئیں۔ نبی علیہ السلام نے سیرین سیدنا حسان بن ثابتؓ کی ملک یمین میں دے دی۔ اور سیدہ ماریہ رضؓ کو اپنے حرم میں داخل فرمالیا۔ انہیں کے بطن سے ذی الحجہ ۸ ہجری میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ بہت خوب صورت تھیں۔ چنانچہ سیدہ صدیقہ رضؓ کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ آپؓ نے فرمایا مجھے کسی عورت کا آنا اتنا ناگوار نہ ہوا جتنا ماریہؓ کا آنا ناگوار گزرا۔

ان کے متعلق متعدد طریقوں سے جو قصہ روایات کے ذریعہ آگے چلا وہ یوں ہے کہ ایک روز خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت حفصہؓ طاہرہ کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ آپ گھر پر موجود نہ تھیں۔ اچانک ام المومنین سیدہ ماریہ طاہرہؓ وہاں جا نکلیں اور تخلیہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہیں۔ ام المومنین سیدہ حفصہؓ طاہرہ نے آنحضرتؐ سے شکایت کی۔ اس پر آپؐ نے ان کو راضی کرنے کے لئے ماریہؓ کو اپنے نفس پر حرام کر لیا۔

یہ روایت جتنے طریقوں سے بھی نقل ہوتی آ رہی ہے زیادہ تر تابعین سے مرسلاً نقل ہے۔ بعض طرق میں سیدنا فاروق اعظمؓ سیدنا ابن عباسؓ اور سیدنا ابوہریرہؓ کا نام بھی لیا جاتا ہے مگر صحاح ستہ میں اس داستان کا کوئی سراغ نہیں۔

۱۔ سب سے پہلے قابل توجہ بات یہ ہے کہ ازواج مطہراتؓ کے حجرات ساتھ ساتھ تھے اور پھر مسجد نبوی سے فارغ ہو کر نبی علیہ السلام کا اکثر یہ معمول تھا کہ چند لمحات کے لئے ہر زوجہ مطہرہؓ کے ہاں تشریف لے جاتے۔ اور جہاں آپؐ کی شب باشی کی باری ہوتی وہاں کچھ وقت کیلئے

سب جمع ہو جاتیں۔ آپ کا سیدہ حفصہ طاہرہ رضؓ کے حجرہ میں اکیلے قیام فرما ہونا محل نظر ہے۔

۲۔ آنحضرت صلعم سیدہ حفصہ رضؓ کے حجرہ میں تشریف فرما ہوتے ہیں مگر ان کا وہاں موجود نہ ہونا قابل تسلیم نہیں۔ اگر اس روز ان کی باری تھی تو ان کا وہاں موجود ہونا ضروری تھا۔ اگر ان کی باری نہیں تھی تو تب بھی حجرات مقدسہ کی صورت یہ تھی کہ ان میں سے کسی حجرہ میں آپؐ کا تشریف لیجانا اور کسی زوجہ مطہرہ رضؓ کا آپؐ کو حجرہ میں داخل ہوتے ہوئے نہ دیکھنا ایک حیران کن امر ہے۔

۳۔ ام المومنین ماریہ طاہرہ ہی کیوں ام المومنین حفصہ رضؓ طاہرہ کے حجرہ میں تشریف لے گئیں۔ اور پھر نہ کسی نے آنحضرت صلعم کو وہاں داخل ہوتے دیکھا اور نہ ام المومنین ماریہ رضؓ طاہرہ کو۔

۴۔ سب سے حیران کن امر یہ ہے کہ حضور خاتم المعصومینؐ ام المومنین ماریہ طاہرہ رضؓ کو دیکھتے ہیں اور بے قرار ہو کر ان سے دن کے وقت ہی خلوت فرما لیتے ہیں۔ یہاں اس بات کو بھی یاد رکھئیے کہ حجرات مقدسہ کے دروازوں میں کواڑ نہ تھے بلکہ کمبل یا ٹاٹ کے پردے ہوتے تھے ایسی حالت میں آنحضرت صلعم کے متعلق ایسا تصوّر بھی جسم میں کپکپی طاری کر دیتا ہے اور پھر وہ عدل بین الازواج کے متعلق کیا کہا جائے گا۔

۵۔ ام المومنین سیدہ حفصہ رضؓ طاہرہ جلیل القدر باپ کی جلیل القدر بیٹی تھیں۔ امانت دار قرآن اہلبیت پاک سیدہ حفصہ طاہرہ رضؓ کی ذات اقدس پر یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ کہ وہ اس بات کی شاکی ہوتیں۔ ازواج مطہرات رضؓ تو نبی علیہ السلام پر پروانہ وار نثار رہتی تھیں۔ اپنے محبوب کے اشارہ ابرو کو ہفت اقلیم کی دولت سمجھتی تھیں۔ انہیں امہات المومنین رضؓ کا شرف حاصل ہونے کی وجہ ہی یہی تھی کہ وہ ہر قسم کے خبائث سے پاک تھیں۔ پھر حفصہ طاہرہ رضؓ تو ایک جلیل القدر باپ کی جلیل القدر بیٹی تھیں۔

۶۔ اور سب سے اہم یہ کہ نبی علیہ السلام نے اتنی سی بات پر اپنے ایک حرم کو

اپنے نفس پر حرام کر لیا۔ ایسا لکھتے وقت لکھنے والوں کے ہاتھ کیوں نہ کانپے، جسم پر لرزہ کیوں نہ طاری ہوا۔ دل پہلو میں پھڑک کیوں نہ اٹھا۔ اس قسم کی منسوب الی الصحابہؓ روایات نے ایک ایک تیر سے کئی کئی شکار کئے ہیں۔ حضور رحمۃ للعالمینؐ کی عائلی زندگی کا نقشہ کس گستاخانہ اور منافقانہ انداز میں کھینچا جا رہا ہے۔ اور نبی علیہ السلام کو اس قدر مغلوب الشہوت بنا کر پیش کیا جا رہا ہے کہ انھوں نے ایک ایسے مقام پر جہاں دوسروں کے لئے آنے جانے کی کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی تھی یوں تخلیہ فرمایا۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین

اس قسم کے منسوب الی الصحابہؓ اقوال کے خالق وہی یہود و مجوس کے گٹھ جوڑ کی تخلیق مخلوق تھی ؎

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی

جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بو لہبی

اب میں ان روایات کے مآخذ کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ مشہور شیعہ مولوی مقبول جسے اپنی دریدہ دہنی کی وجہ سے حکومت ہند نے جیل کی سیر کرائی تھی۔ سورہ تحریم کی پہلی دو آیتوں کے متعلق اپنے حاشیہ میں لکھتا ہے۔

"تفسیر قمی میں ہے کہ سبب نزول اس سورۃ کا یہ ہوا کہ جناب رسول خداؐ ایک دن حفصہؓ کے گھر میں تھے۔ اور ماریہ قبطیہؓ آپ کی خدمت کر رہی تھی اور حفصہؓ کسی کام کو گئی تھی۔ آنحضرتؐ نے ماریہؓ سے ہم بستری کی۔ حفصہؓ کو اس کی خبر ہوئی تو بہت جھنجلائی۔ اور جناب رسول خداؐ کے روبرو کہا کہ یا رسول اللہؐ میرے ہی دن میں میرے ہی گھر میں اور میرے ہی بستر پر۔ آنحضرتؐ کو حیا آئی اور اس سے فرمایا کہ بس کر میں ماریہؓ کو آئندہ سے اپنے نفس پر حرام کرتا ہوں۔ اس سے اس کے بعد کبھی ہم بستری نہ کروں گا۔"

اس کے بعد اسی روایت کا باقی حصہ تفسیری چوتھی آیت سے متعلق ہے وہ اپنے مقام پر بیان کیا جائے گا۔ اہل سنت کے جن مفسرین قرآن اور شارحین حدیث نے لم تحرم کے متعلق ام المؤمنین ماریہؓ طاہرہ کی ذات مطہرہ کے متعلق جو موشگافیاں کی ہیں وہ سراسر رفض کی ترجمان ہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ضال ومضل گروہ کے اس ترجمان کو ام المؤمنین ماریہؓ قبطیہ کی وکالت اور طرفداری کی کیوں سوجھی؟ حالانکہ ان فاسقین، مضلین اور لا ادریین کے نزدیک سوائے خدیجۃ الکبریٰ تمام منافقہ تھیں اور پھر نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد جب سوائے تین کے تمام مرتد ہو گئے تو سیدہ ماریہؓ ان کی زبان سے کیسے بچ گئیں۔

قارئین کو شاید معلوم ہو گا کہ یہود کا اولین مسکن اور مرتد بوم مصر تھا اور سیدہ ماریہؓ مصری تھیں۔ اور اس کے بعد قاتلین سیدنا ذوالنورینؓ میں مصریوں کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ان کے روحانی گرو ابن سبا کو سب سے زیادہ کامیابی مصر سے ہی حاصل ہوئی تھی۔ یہ مصر ہی تھا جہاں فاطمیین نے کئی صدیوں تک مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو سیدہ ماریہؓ سے محبت نہیں بلکہ سیدہ موصوفہ کی آڑ میں صدیقہ کائناتؓ کی ذات مطہرہ پر غبار نکالنا مقصود تھا۔

الغرض سورۃ التحریم کی پہلی دو آیات کے ترجمے اور تفسیر سے جس طرح مسلمانوں کو "شاد کام" کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ اسے علمی تخیل کی بلند پروازی کہہ لیجئے یا ذہانت وفطانت کا اظہار یا شرارت ــــــ مگر حقیقت کے ساتھ اس کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔ کیا خوب انداز ہے کہ پہلے جی بھر کر سنگباری کر کے زخمی کر لیجئے اور پھر ہمدردانہ انداز میں اس پر مرہم لگانا شروع کر دیجئے۔

فیضی احسنت ازیں عشق کہ دوراں امروز
گرم دارد ز تو ھنگامہ رسوائی را

سورہ التحریم کی پہلی دو آیات کا ترجمہ مارماڈیوک پکتھال نے یوں شستہ زبان میں کیا ہے

O PROPHET! WHY BANNEST THOU THAT WHICH ALLAH HATH MADE LAWFUL FOR THEE, SEEKING TO PLEASE THAT WIVES?

اس مقام پر مرحوم مارماڈیوک پکتھال لِمَ تُحَرِّمُ کا ترجمہ WHY BANNEST کے الفاظ میں کرتے ہیں مگر جب انما حرم علیکم المیتۃ کا ترجمہ لکھتے ہیں۔ تو BANNEST کی بجائے FORBIDDEN کے لفظ سے کرتے ہیں چنانچہ ملاحظہ ہو اِنما حرم علیکم المیتۃ کا ترجمہ — HE HATH FORBIDDEN YOU

ہمارے مروجہ تراجم میں لم تحرم اور انما حرم علیکم المیتۃ کا ترجمہ لفظ حرام سے کیا جاتا ہے یہی وہ بنیادی غلطی ہے جس نے ہر دور میں لم تحرم کے ضمن میں نئی نئی تاویلات کے دریچے وا کئے۔ ایک نو مسلم انگریز نے تو لم تحرم اور حرم علیکم۔ المیتۃ کا مفہوم سمجھ لیا مگر ہم تیرہ سو سال میں سے

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی

علمی مذاق رکھنے والے اصحاب ہی BANNEST اور FORBIDDEN کا فرق سمجھ سکتے ہیں کہ حقیقی حرام اور سورۃ التحریم کے لم تحرم کے درمیان فی الواقع کس قدر بُعد ہے۔

سورۃ التحریم کی پہلی آیت کا صحیح مفہوم مولانا فتح محمد جالندھری مرحوم نے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

اے پیغمبر جو چیز خدا نے تمہارے لئے جائز قرار دی ہے تم اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو۔ کیا اس سے اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

سید سلیمان ندوی اپنی تالیف سیرت عائشہؓ میں لکھتے ہیں:

آیت دوم کی تفسیر میں ہمارے بعض مفسرین نے غلطیاں کی ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق دوسری آیت کا ترجمہ یوں ہوگا:

اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو (تو یہ نہایت ضروری ہے) کیونکہ تمہارے دل کج ہو گئے ہیں اور اگر اس پیغمبر کا کرو تو خدا اس کا (پیغمبر کا) آقا ہے۔

خط زدہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ جملہ شرطیہ ہے اور اس کی جزا محاورہ عرب کے مطابق محذوف ہے ہم نے وہ جزائے محذوف لا بأس (کوئی ایسی مشکل بات نہیں) قرار دی ہے۔ مفسرین کے مطابق وہ فھو واجب (یہ ضروری ہے) ہوگی۔ کلام عرب پر جن کو عبور ہے وہ تسلیم کریں گے کہ "ان" کے بعد جزاء محذوف ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد فقد کے ساتھ اس کی جزا کی علت بیان کر دیجاتی ہے۔ تو ہمیشہ لا باس (کچھ مضائقہ نہیں) لا حرج (کچھ حرج نہیں) لا ضیر (کچھ نقصان نہیں) فھو ھین (یہ تو معمولی بات ہے) وغیرہ الفاظ بطور جزا کے مراد ہوتے ہیں۔ سید صاحب نے اس مقام پر قرآن مجید سے اس قسم کے چند شواہد بھی پیش کئے ہیں۔

پھر لکھتے ہیں صغت کا ترجمہ زاغت یعنی کج ہونا بھی صحیح نہیں حضرت عائشہؓ اور دیگر امہات المومنینؓ نعوذ باللہ اس سے بالاتر ہیں کہ ان کے دل کج اور گمراہ ہوں اُردو میں دو مفہوم ہیں کسی چیز سے بچنے ہٹنا اور کسی چیز کی طرف جھکنا یا مائل ہونا۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ آیت کے محذوفات کو اگر ذکر کر دیں تو یہ عبارت ہوگی

اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو (تو تمہارے لئے یہ آسان ہے) کیونکہ تمہارے دل رجوع الی اللہ کی طرف مائل ہو ہی چکے ہیں۔ سیرت عائشہؓ ۹۳

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی حلال چیز کو اپنی ذات کے لئے حرام قرار نہیں دیا تھا۔ بلکہ اس چیز کے استعمال سے پرہیز کرنے کے متعلق فرمایا تھا۔ یہ حلال و حرام کے اصطلاحی سینو لئے در اصل رفض کے بل سے نکل کر یہاں گھسے ہیں۔ اس قسم کی روایات نقل کرنے والے اپنے ان اکابرین کے متعلق ہم اس مقام پر ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رءوف رحیم پڑھتے ہوئے یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان آیات کا مفہوم سمجھنے میں بہت بڑے تسامح اور ذہول کا شکار ہو کر رہ گئے۔

سورہ تحریم کی تیسری چوتھی آیات میں تتوبا۔ صغت اور مولیٰ کے الفاظ توجہ طلب

ہیں۔ ان الفاظ پر غور کرنے سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جن ارباب علم و فضل نے ان چار آیات کو ایک ہی واقعہ قرار دیا ہے وہ کسی طور بھی قابل اعتنا نہیں۔ اِذْ کا لفظ جہاں استعمال ہوتا ہے وہاں سے ایک دوسرا واقعہ شروع ہوتا ہے۔ آگے چل کر اس بات کی وضاحت کی جائے گی کہ ان ہر دو واقعات کو ایک واقعہ سمجھنے والوں نے صریحاً رفض کے کارخانہ میں تیار شدہ میٹریل سے اپنی عمارت کی بنیادیں رکھی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ نبی علیہ السلام کی حیاتِ مقدسہ میں صحابہ کرامؓ ان آیاتِ مقدسہ کے شانِ نزول یا ان آیات سے متعلق واقعات کو جانتے بھی نہ تھے۔ میرے اس خیال کی تائید میں اس روایت پر غور کیجئے۔ جو مسند احمد، بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی میں عبداللہؓ بن عباس رض سے روایت کی گئی ہے۔

فرماتے ہیں۔ میں ایک مدت سے اس فکر میں تھا کہ حضرت عمرؓ سے پوچھوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے وہ کون سی دو بیویاں تھیں جنہوں نے حضورؐ کے مقابلہ میں جتھہ بندی کر لی تھی۔ اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما۔ لیکن ان کی ہیبت کی وجہ سے میری ہمت نہ پڑتی تھی۔ آخر ایک مرتبہ وہ حج کے لئے تشریف لے گئے اور میں ان کے ساتھ گیا۔ واپسی پر راستہ میں ایک جگہ ان کو وضو کراتے ہوئے مجھے موقع مل گیا۔ اور میں نے یہ سوال پوچھ لیا۔ انہوں نے جواب دیا وہ عائشہؓ اور حفصہؓ تھیں۔ اس کے آگے روایت لمبی ہے۔ میں یہاں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سورہ تحریم کا زمانہ نزول ۷ یا ۸ ہجری ہے اگر فاروق اعظمؓ اپنی خلافت کے دوسرے سال یعنی ۱۴ ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو گویا سورہ تحریم کے نزول کے زمانہ سے فاروق اعظمؓ کے حج کے زمانہ تک کم از کم چھ سال کی مدت بنتی ہے۔ اور اگر حضرت ابن عباسؓ نے ۱۴ ھ کے بجائے بعد کے کسی حج کے سفر میں یہ بات دریافت کی ہو تو اس انتظار میں نا معلوم انہیں کتنے سال گزارنے پڑے ہوں گے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہؓ بن عباسؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو جو صرف صحابی ہی نہیں بلکہ نبی علیہ السلام کے محبوب چچا کے بیٹے تھے اور

جنہیں آج دنیائے اسلام حبر الامت کے لقب سے پکارتی ہے اور جنہیں جلوت وخلوت میں دربار رسالت میں حاضری کا شرف حاصل تھا انہیں بھی اس افسانہ کا علم نہ تھا۔ پھر بدیگراں راچہ رسد۔

آج پہلی دوسری آیات کا ترجمہ جن حلال وحرام کے معروف معنوں میں کیا جاتا ہے۔ یا دوسری آیات کا ترجمہ جس طرح آج ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے اگر صحابہ کرامؓ اس تاثر سے آگاہ ہوتے تو قیامت کا منظر پیدا ہو جاتا۔

تتوبا۔ صغت۔ مولیٰ

تتوبا کا مادہ تَابَ، تَوْباً، توبۃً۔ متاباً ہے۔ اس کے معنی ہیں واپس آجانا۔ جس طرح بندوں کے متعلق ان اللہ یحب التوّابین ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے انہٗ کان توّاباً آیا ہے۔ مروّج تراجم میں توبہ اور استغفار کا فرق ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

تاب عنہ اور منہٗ کا مفہوم ہے اپنی غلطی کا احساس ہونے کے بعد صحیح روش اختیار کرنا۔

صغتِ کا مادہ ص غ و ہے اور صغوا یصغوا وصغی کے معنی ہیں مائل ہونا ولتصغیٰ الیہ افئدۃ تاکہ ان کے دل ان کی طرف مائل رہیں۔

مولیٰ کا مادہ و ل ی ہے جس کے معنی ہیں کسی کے قریب ہونا یا نزدیک ہونا۔ (ابن فارس) قرب کے اعتبار سے مولی دوست یا مددگار کو کہتے ہیں۔

ذلک بان اللہ مولی الذین امنوا وان الکافرین لا مولیٰ لھم یعنی فرمانبردار بندوں کا مددگار دوست اور رفیق اللہ ہے۔ مگر اس کے نافرمانوں کا کوئی مددگار، دوست یا رفیق نہیں۔ یوم لا یغنی مولیً عن مولیً شیئاً۔ یعنی قیامت کے دن کوئی دوست کسی کے کام نہیں آئے گا۔

چوتھی آیت کے ترجمہ کے مندرجہ ذیل فقرات

اگر تم خدا کے آگے توبہ کرو

تمہارے دل کج ہو گئے

تم ایکا کرو گی یا جتھہ بندی کرو گی

اللہ اس کا مولیٰ ہے۔

ذہنوں میں بجائے طمانیت یا تسکین کے بے اطمینانی اور اضطراب کی کیفیت پیدا کرنے کے موجب ہوئے ہیں۔ بات کسی عام شخصیت کی نہیں بلکہ نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات رضی کی ہے۔ قرآنی الفاظ کا ان کی شان میں اس گستاخانہ انداز سے ترجمہ، کم از کم ایک کامل الایمان انسان کی قوت سماعت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اگر اس آیت کا مفہوم ان الفاظ میں ادا کیا جاتا۔

"اگر تم دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور میں رجوع کرو تو بہتر ہے کیونکہ تمہارے دل (اس راز کو ظاہر کرنے پر) (HERTS DESIRED) مائل ہو گئے ہیں۔ اگر تم پیغمبر پر ایک دوسرے کی اعانت کرو گی تو اللہ تعالیٰ، جبریل، تمام صالح مومنین اور سب فرشتے اس کے مددگار ہیں"۔

تو وہ تمام بادل خود بخود چھٹ جاتے جنہوں نے ایک طرف عصمت رسالت کو غبار آلود کیا اور دوسری طرف نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات رضی کی عفت و طہارت کو دھندلانے کی صورت پیدا کر دی اور پھر اس تذبذب و اضطراب کی دھندلاہٹ کو دور کرنے کے لئے ٹامک ٹوئیے مارنا شروع کر دیئے۔

امام فراہی کتنے ایمان افروز انداز میں رقمطراز ہیں "پس اس آیت کی تاویل یہ ہو گی کہ اگر تم پیغمبر کی رضا جوئی کے لئے خدا سے توبہ کرو جس طرح پیغمبر تمہاری دلداری فرماتا ہے تو یہی بات تم سے متوقع ہے کیونکہ تمہارے دل تو اس کی طرف مائل ہی ہیں۔ یہ ایک بالکل واضح اور صاف تاویل ہے جس میں کسی نہ کسی قسم کا اشکال ہے نہ کوئی شائبہ تکلف ہے۔ پھر نہیں معلوم کیسے جھوٹی روایات پر بھروسہ کر کے (جو حضرت ابن عباس رضی کی طرف منسوب کی جاتی ہے حالانکہ ان کا دامن ان سے پاک ہے) لوگوں نے لفظ کے ٹھیک معنی اور کلام کے صحیح مدعا سے اعراض کیوں جائز سمجھا"۔

(تفاسیر فراہی صفحہ ۱۷۹)

امام فراہی کا اشارہ غالباً انہیں روایات کی طرف ہے جو کسی دوسرے مقام پر اس ضمن میں بیان کی گئی ہیں کہ تیرہ چودہ ہجری تک مسلمانوں کو ان باتوں کا علم تک نہ تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی نے فاروق اعظم رضی سے دریافت کی تھیں۔ یاران طریقت نے

پہلے تو قرآنی الفاظ میں تحریف کی راہیں تلاش کیں مگر جب انہیں بند پایا۔ تو معنوی تحریفات کے انبار لگا دیئے۔

نقد صغت قلوبکما کی تشریح علامہ آلوسی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

مالت عن الواجب من موافقتہ صلے اللہ علیہ وسلم یحب ما یحبہ و کراھتہ ما یکرہ الی مخالفتہ یعنی تم پر واجب تو یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی پسندیدگی کو اپنی پسندیدگی اور آپ کی ناپسندیدگی کو ناپسند کرتے ہیں آنحضرت کی موافقت کرو مگر تمہارے دل اس معاملہ میں آنحضرتؐ کی موافقت سے ہٹ گئے ہیں۔

وان تظاھرا علیہ "تظاھرا" کی تشریح مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ان الفاظ میں کرتے ہیں اگر تم دونوں اسی طرح کی کارروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ وہ بات کیا تھی اور ازواج مطہرات رضؓ میں سے وہ دو کونسی بیویاں تھیں اور ان دو سے کونسی ایسی عظیم حرکت سرزد ہوئی تھی جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا۔

پہلی دو باتوں کا کھوج لگانا جن کا ذکر قرآن میں ہے نہ صحیح احادیث میں بلکہ عبداللہؓ بن عباسؓ متواتر چھ سال تک اس کھوج میں رہے تب کہیں جا کر فاروق اعظمؓ سے ان کے نام معلوم ہو سکے مگر بات علمؓ پھر بھی نہ ہو سکا۔ اس کے باوجود بعد میں آنے والوں نے اپنی تمام علمی کاوشیں ان دو باتوں پر ہی صرف کرنے کو دین کی عظیم خدمت سمجھا۔ حالانکہ ابن عباسؓ والی روایت بھی بقول امام رازیؒ صحیح نہیں۔

بات اہم تھی یا معمولی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس لئے قرآن میں فرمایا کہ معاملہ ایک طرف نبی اکرمؐ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے متعلق تھا اور نبی اکرمؐ کی ذات تمام نسل انسانی کے لئے مخزن ہدایت تھی۔ دوسری طرف اس کا تعلق ازواج مطہراتؓ کی ذوات قدسیہ سے تعلق رکھتا تھا اور ازواج مطہراتؓ کی ذوات قدسیہ تمام صنف اناث کے لئے شمع ہدایت تھیں۔

ان کی زندگیوں کا ایک ایک گوشہ نسل انسانی کے سامنے پیش کرکے یہ بتانا مقصود تھا کہ آنے والی نسلوں کے لئے جیسا کہ بعد میں آنے والے یہود و مجوس

گھڑ جوڑ کے آماس نے دریدہ دہنی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ مزعومہ مفروضہ اور من گھڑت اتہامات کا منہ بند کیا جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کاشانہ نبوت سے متعلق معمولی معمولی باتوں کو یوں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے تو جو باتیں آج یہ بدباطن ان کی ذواتِ قدسیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر صورت ایسی ہی ہوتی تو معاملہ کتنا اہم ہوتا۔

اے گستاخانِ ناموسِ رسالت! اے خروس دشمنالان زمانہ! اے عف عف کنندگان بر عصمت وعفاف ذوات مطہراتؓ! تم اپنی ذاتوں کو جہنم سے بچانے کی کوشش کرو۔ جن باتوں کو اللہ تعالیٰ نے بیان نہیں کیا۔ جن کے متعلق نبیؐ نے کچھ نہیں فرمایا۔ جن کے متعلق صحابہ کرامؓ خاموش رہے تم ان باتوں کے کھوج میں کیوں ہلکان ہوئے جا رہے ہو۔ یہ وہ پاک باز ہستیاں ہیں جن کی زندگی کی ہر کروٹ خود اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کے سامنے الم نشرح کر کے رکھ دی ہے۔

اے دزدانِ قافلہ نبوت! اے سارقانِ محل ہائے عفاف رسالت! اگر تمہارے دلوں میں پشہ بھر بھی ایمان یا حیا کی رمق ہوتی تو تم یوں ژاژخائی نہ کرتے چونکہ اللہ تعالیٰ خود ہی خانوادۂ نبوت، حقیقی اہل بیتِ رسالت کی عصمت عفت اور طہارت کا ضامن تھا۔ اس لئے انہی بدباطنوں کے کریہہ آلود ذہن ہائے متعفن سے کیا پتہ کی بات اگلوا دی۔

مولوی مقبول کی زبان سے تفسیر قمی کی آدھی روایت صفحات گذشتہ میں بیان ہو چکی ہے۔ باقی سنیئے:۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ طاہرہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

> تجھ سے میں ایک راز کی بات کہتا ہوں اگر تو نے اس سے کسی کو آگاہ کر دیا تو تجھ پر اللہ کی بھی لعنت ہو گی اور کل فرشتوں کی بھی اور کل آدمیوں کی بھی۔ حفصہؓ نے کہا۔ بہت اچھا فرمایئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکرؓ خلیفہ بن بیٹھے گا اور پھر اس

کے بعد تیرا باوا۔ حفصہؓ نے کہا من انباک ھذا۔ فرمایا۔ نبانی العلیم الخبیر (حاشیہ قرآن مترجم مولوی مقبول)

ان دو آیات کے نزول سے کتنی عظیم حقیقت کا انکشاف اللہ تعالٰی نے ان بدباطن لوگوں کی زبان سے ہی کرا دیا۔ جنہوں نے آگے چل کر خلیفہ بلافصل کی بانگی سے ایک عالم کو پریشان کرنا تھا۔

سورہ تحریم کی تیسری چوتھی آیت کی اس سے صحیح تر تشریح کوئی نہیں۔ اب ایک سوال یہاں یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اتنی بات پر اس ارشاد کا فان اللہ ھو مولٰہ الخ میں کیا راز ہے۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم معلم دین بھی تھے اور معلم اخلاق بھی، حامل وحی بھی تھے اور ابلاغ رسالت کے ذمہ دار بھی۔ صدر مملکت بھی تھے اور وزیر اعظم بھی، وزیر داخلہ بھی تھے اور وزیر خارجہ بھی، لاتعداد مہمانوں اور وفود کے میزبان بھی تھے اور دارالعلوم صفہ کے معلم اعلیٰ بھی، افواج کے کمانڈر بھی تھے اور غازیوں کے امام بھی۔ اپنے کنبہ کے سربراہ اور کفیل بھی تھے اور یتیموں کے غمگسار بھی، ضعیفوں کے ملجا، بیواؤں کے آسرا، مساکین و تہی دستوں کے ہمدرد و دستگیر بھی۔ ایک طرف تبلیغی وفود بھیجے جا رہے ہیں اور دوسری طرف جہاد کے لئے فوجی کالم، ایک طرف منافقین اندرونی طور پر ریشہ دوانیوں میں مشغول ہیں اور دوسری طرف قریش مکہ۔ شب بیداری کا یہ عالم ہے کہ پیہم کئی راتیں نوافل کی نذر ہو جاتی ہیں۔ روزے شروع کرتے ہیں تو افطار کا خیال ہی نہیں، پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں۔ غرضیکہ تمام دنیا جہان کی کونسی ذمہ داری ہے جس کا بوجھ آپؐ کے کندھوں پر نہیں۔ ان حالات میں آپؐ ایک بیوی سے کہتے ہیں کہ میرے بعد ابوبکرؓ صدیق خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد تمہارے والد فاروق اعظمؓ۔ مگر مصلحت وقت کے لحاظ سے فرماتے ہیں۔ کہ کسی سے ذکر نہ کرنا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی پیش نظر ہو کہ کہیں بات دشمنوں کے کانوں تک نہ جا پہنچے اور وہ کسی طریقہ سے ابوبکر صدیقؓ یا فاروق اعظمؓ کو چشم زخم پہنچانے پر قادر ہو جائیں۔ مگر ام المومنین سیدہ حفصہؓ طاہرہ نے اس خیال سے صدیقہ کائناتؓ کو خوشخبری کے طور پر کہدیا ہو کہ نبی علیہ السلام کے بعد تمہارے والد

ان کے جانشین ہوں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو ان کی اتنی بات بھی پسند نہ آئی۔ ایک اِنِ اسلامی سٹیٹ کو کماحقہٗ استقلال حاصل نہیں کر دہ ہر سازش کی سرکوبی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے اور دوسری طرف اما تندار یہ راز کی حفاظت سے کھول جانے والی ہستی نبیؐ کی بیوی ہیں۔ پھر قرآن میں ذکر کیوں نہ ہوتا۔

یہ ہے مختصر سی تشریح سورہ التحریم کی پہلی چار آیات کی جس امہات المومنینؓ کے فضائل و مناقب کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ جیسا رفض کے ذہنی سند اس کے بھوکوں کے نعض سے مخبوط الحواس ذہنوں کی قلمکاریوں کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

یہ تصویر کا داخلی رُخ تھا۔ خارجی رُخ بھی دیکھیئے۔ مدینۃ النبیؐ معلوم دنیا کی دو عظیم الشان حکومتوں ایران و روم کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا شہر کے اندر منافقین کی ایک اچھی خاصی منظم تعداد موجود تھی۔ صرف ایک واقعہ سے اندازہ کیجئے۔ غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے والوں میں سے حضرت کعبؓ بن مالک سے مسلمانوں نے جب بائیکاٹ کیا تو خبر غسانی بادشاہ تک پہنچ گئی۔ اور اس نے فوراً حضرت کعبؓ کو ورغلانے کے لئے اپنا ایک جاسوس بھیج دیا۔ حالانکہ حضرت کعبؓ کوئی اہم شخصیت نہ تھے بلکہ عام مسلمانوں کے طبقہ میں سے تھے۔ اس ایک واقعہ سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف بلکہ یوں سمجھئے کہ نبی علیہ السلام کے خلاف کس قدر منظم طور پر جاسوسی ہوتی تھی۔ غزوہ خندق کے دوران سیدہ صفیہؓ نے ایک یہودی کو اس کی ایسی ہی حرکت پر خیمے کی چوب سے مار ڈالا تھا۔

عرصہ دراز تک کاشانۂ نبوتؐ پر صحابہ کرامؓ پہرہ دیتے رہے۔ یہاں تک کہ واللہ یعصمک من الناس کا نزول ہوا۔ یعنی نبی علیہ السلام کی ذات اقدس کو مکہ کی نسبت مدینہ میں زیادہ حفاظتی انتظامات کرنا پڑے تھے۔ مکہ میں تو آپؐ کے خاندان والے اپنی نسلی عصبیت کی وجہ سے کافر ہونے کے باوجود آپ کے ساتھ شعب بنو ہاشم میں چلے گئے تھے۔ وہ اگر دشمن تھے تو خود تھے کسی دوسرے کو آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ تھی مگر یہاں صورت ہی دوسری تھی۔ مہاجر صحابہؓ خود بے بس تھے، انصار یہود کے محتاج تھے یعنی سوائے چند ایک کے کوئی قد آور شخصیت نہ تھی۔ مدینہ کا رئیس اعظم جس کے لئے تاج تیار ہو چکا تھا منافق اعظم تھا جس

کے جلو میں منافقین کا اچھا خاصہ گروہ موجود تھا۔ اب آگے آنحضرتؐ کی زندگی کا تیسرا رُخ دیکھیے۔

تو خود حدیث مفصّل بداں ازیں مجمل

حضور خاتم المعصومینؐ کی مدنی زندگی کے تقریباً ۹ ہجری سال بنتے ہیں جن کے تقریباً ۳۱۶۸ = ۹×۳۵۲ دن ہوتے ہیں۔ ان میں سے ۶۰ دن غزوہ تبوک کے تیس دن غزوہ خندق کے ان میں خندق کی کھدائی کے دن ملا لیجئے تو انہیں بھی ۶۰ دن شمار کیجئے۔ ۲۰ دن صلح حدیبیہ اور ۳۰ دن حجۃ الوداع کے ۳۰ دن ایلا کے باقی تقریباً ۳۰۰۰ دن رہ جاتے ہیں۔ ان دنوں کے حالات کی تفصیل دیکھئے۔

غزوات	سرایا
یعنی وہ جنگیں جن میں حضور نے خود بحیثیت سپہ سالار لشکر حصہ لیا۔	وہ جنگیں جو صحابہ کرامؓ کی سالاری میں ہوئیں۔
پہلی ہجری	سیف البحر رمضان میں، رابغ شوال میں، مرار ذی قعدہ میں سرایا : ۳
۲ھ غزوہ ودان یا ابواء صفر میں، غزوہ بواط ربیع الاول میں۔ غزوہ بدر اولیٰ ربیع الاول میں، ذوالعشیرہ جمادی الآخر میں، بدر الکبریٰ رمضان میں، بنو قینقاع شوال میں، غزوہ السویق ذی الحجہ میں، قرقرۃ الکدر محرم میں۔ غزوات = ۸	نخلہ رجب میں، سریا عمیر بن عدی الخطمی رمضان میں، عالم بن عمر انصاری شوال میں، غالب بن عبداللہ محرم میں۔ سرایا = ۵

	غزوات	سرایا
۲ ہجری -	ذی امر ربیع الاول میں، اور شوال میں حمراء الاسد غزوات ۳	محمد بن مسلمہ ربیع الاول، قردہ جمادی الآخر، قطن جمادی الآخر سرایا : ۳
۴ھ	بنو نضیر ربیع الاول میں، بدر الآخری ذی قعدہ میں غزوات : ۲	ابو سلمہ محرم میں، عبداللہ بن انیس محرم میں، رجیع صفر میں، بیر معونہ صفر میں، عمرو بن امیہ ضمری ربیع الاول میں سرایا : ۵
۵ھ	دومۃ الجندل ربیع الاول میں، بنو مصطلق شعبان میں - احزاب شوال میں - غزوات : ۴	عبداللہ بن عتیق ذی قعدہ میں سرایا : ۱
۶ھ	غزوہ بنو لحیان ربیع الاول، ذی قرد ربیع الآخر - حدیبیہ ذی قعد. غزوات ۳	قرظہ محرم میں، عکاشہ بن محصن ربیع الآخر میں - ذو القصہ ربیع الآخر - بنو ثعلبہ ربیع الآخر - بنو ثعلبہ ربیع الآخر، جموم ربیع الآخر، طرف یا طرق جمادی الآخر وادی القری رجب، دومۃ الجندل شعبان، فدک شعبان، ام قرفہ رمضان، عبداللہ بن رواحہ شوال، عرنیین شوال، عمرو بن امیہ شوال میں سرایا : ۱۳

	غزوات	سرایا
۷ھ	خیبر محرم میں، وادی القریٰ محرم میں ذات الرقاع محرم میں غزوات : ۳	جیس اور قدید صفر میں، حسمی جمادی الآخر، تردیہ بنو کلاب، منقعہ اور خربہ رمضان میں، بنی مرّہ اور بشیر بن سعد شوال میں، ابوالعوجا ذوالحج میں۔ سرایا : ۱۰
۸ھ	فتح مکہ رمضان میں طائف اور حنین شوال میں غزوات : ۳	ذات الطلح اور ذات عرق ربیع الاوّل میں، موتہ جمادی الاوّل، ذات السلاسل جمادی الآخر، سیف البحر رجب، محارب شعبان، سریا خالد، سریا عمرو بن العاص سعد الشہلی رمضان میں، خالد بن ولید شوال میں۔ سرایا : ۱۰
۹ ہجری		عیینہ بن حصین محرم، قطبہ بن عامر صفر، ضحاک بن سفیان اور عبداللہ بن حذافہ ربیع الاوّل، بنو طے اور دومۃ الجندل سرایا : ۶

گویا حضور خاتم المعصومین نے تقریباً ۲۶ غزوات کی خود کمانڈ فرمائی اور ۵۶ سرایا کے لئے لشکر بھیجے۔ ایک معمولی سے معمولی مدافعانہ کارروائی کے لئے کس قدر وسائل عمل میں لائے جاتے ہیں اس کا اندازہ انہیں لوگوں کو ہو سکتا ہے جنہیں اس قسم کی ذمہ داریوں سے واسطہ پڑا ہو۔ مگر یہاں ہر پانچ

ہفتے میں ایک غزوہ یا سریا کا انتظام ہو رہا ہے۔ اور اس حالت میں کہ مالی وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پھر جزیرہ نما کے گوشے گوشے سے طالبانِ حق کی آمد ان کی دلجوئی ان کو تبلیغ اور ان کی مہمانداری سے عہدہ برآئی۔

کس قدر مشکلات کے انبار در انبار ہیں۔ صرف چند وفود کا نام سن لیجیے۔ دوس۔ صدا۔ ثقیف۔ عبدالقیس۔ بنی حنیفہ۔ طے۔ اشعریین۔ ازد، فروا خذامی۔ ہمدان۔ طارق بن عبداللہ۔ تجیب۔ بنو سعد ہذیم۔ بنو اسعد۔ وفد بہرا، عذرا، خولان۔ محارب، غسان بنی الحارث۔ عنس۔ غامد، بنی خزارہ۔ سلامان۔ نجران اور وفد نخع۔ ان وفود میں عرب کے مالدار ترین افراد بھی ہوتے تھے اور مفلس و نادار بھی۔ ان کی رہائش، خوراک، تالیفِ قلب کیلئے نبی علیہ السلام کو کن کن مراحل سے گذرنا پڑا ہوگا۔ پھر آگے بڑھیے مسجد نبوی کی تعمیر، مسجد قبا کی تعمیر اور ان کے ساتھ ابتدائی سطور کو ملا کر پڑھیے۔ آج ہمارے علماء و خطبا جس طرح نبی علیہ السلام کی سیرت ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اس کا نقشہ کچھ اس قسم کا ہوتا ہے جیسے آجکل کے پیر و مشائخ اپنے آستانوں پر براجمان نظر آتے ہیں مرید آ رہے ہیں نذر و نیاز کی بھرمار ہے ہر طرح چین ہی چین ہے اسی قسم کے تصورات و تخیلات نے اس قسم کی روایات کو تخلیق کیا ہے کہ نبی علیہ السلام میں تیس مردوں کی طاقت تھی اور وہ بیک وقت تمام حجرات میں تشریف لے جاتے تھے مگر ان کی نظریں اس طرف نہیں گئیں کہ آپ میں تیس نہیں بلکہ ہزار مردوں کی طاقت بھی ہوتی تو کیا مگر وہ طاقت کیا اسی وقت آپ پر نازل ہوئی جب عمر شریف چون پچپن سال سے آگے گزر گئی اور جوانی کے ایام صرف ایک بیوی کے ساتھ گذار دیئے اسی قسم کی روایات نے آگے چل کر اس قسم کے الفاظ کی تخلیق کے کارنامے انجام دیئے کہ یا رسول اللہ میری ہی باری میں میرے ہی بستر پر ہے

اتنی قلیل مدت میں اتنی عظیم اہم اور مشکلات سے بھرپور ذمہ داریوں سے عہدہ برآئی اور عبادات و ریاضت اور عائلی فرائض کی انجام دہی کی کیفیات سے متاثر ہو کر ایک سائل کے جواب میں صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا نے حضور خاتم المعصومین کو قرآن کی مجسم تصویر اور تفسیر فرمایا تھا مگر بغض و کینہ سے ملوث خبث آلود عجمی ذہنیتوں نے اس زبدۃ کائنات کے اذکار جلیلہ میں حجرہ نبیہ جیسی کسی فاحشہ کا ذکر بھی داخل کر دیا۔ اور بخاری جیسے نابغہ دوران بھی اپنی سادگی کی وجہ سے اصح الکتاب کو داغدار کرنے سے اپنا دامن نہ بچا سکے۔ یہ در اصل سورہ التحریم کی ابتدائی آیات کا رخ امہات المومنین کی طرف گھمانے کے حربوں میں سے ایک حربہ تھا حضرت صادق و

مصنفین تریپن چوّن سال تک تو نیم مجرّدانہ زندگی گذارتے ہیں اور بقول عجمی ذہنیت کے جونہی اس عمر سے تجاوز فرماتے ہیں بس جہاں کوئی خوبصورت عورت نظر آئی اپنے حرم میں داخل فرمادیا اور حجرات میں گھومنا شروع کردیا۔ ان لوگوں نے حضورؐ کی مصروفیات مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل کر کے رکھ دیں جن کی وجہ سے وہ حقائق بھی غضِ نظر کی بھینٹ چڑھ گئے یعنی جن کو صنفِ اناث کیلئے امہات المومنینؓ کی ذواتِ قدسیہ کی صورتوں میں نسلِ انسانی کیلئے مشعلِ راہ بننا تھا ان کے متعلق تفقیر بہ تفصیل بیکار ہیں۔ ان کے ذریعے امت کی رہنمائی ہو۔ ان کی سیرتوں کے اذکار سے امت کی بیٹیاں اپنی سیرتوں کو جلا دیں۔ غواص فطرت، قرآن مجسم رحمت عالم سے بڑھکر ھُنَّ لباس لکم کے حقائق سے کون واقف ہو سکتا تھا۔ نبیؐ نے "وہ لباس" اپنی قامتِ نبوت و رسالت کے عین مطابق پائے اور انہیں شرفِ زوجیت سے ممتاز فرمایا۔

ازواج مطہراتؓ کی یہ فراست ایمانی اور عشقِ نبیؐ کے مظاہرے تھے کہ انہوں نے چاہا آپ یہ استعمال نہ فرمائیں۔ اور ان کے باہمی محبت و خلوص، یگانگی اور یکتا کی یہ تعبیر تھی کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا اور نبی علیہ السلام کا راز دار جانتی تھیں۔ اور اگر ان کا وہ افشائے راز جو ان کی ذاتوں تک ہی محدود رہا اور وہ راز خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اگر ابوبکر صدیقؓ یا عمر فاروقؓ کی خلافتوں کا راز افشا بھی ہو گیا اور مقامی منافقین کے ذریعے یہ راز قیصر و کسریٰ کے درباروں تک بھی پہنچگیا تو کوئی غم نہیں۔ میں خود، میرے فرشتے، جبرئیل اور تمہارے سچے پیروکار پوری طرح تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ ہے سورہ التحریم کی پہلی چار آیات کا مفہوم!

ایلاء

ان ہی ایام میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ اتفاقاً اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے۔ پہلوئے مبارک میں ایک درخت کی جڑ سے خراش آگئی (ابوداؤد امامتہ من صلی قاعداً) ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ کے پاؤں پر چوٹ آئی تھی۔ حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے متصل ایک بالاخانہ تھا (ایضاً) جو گویا ان

گھروں کا توشہ خانہ تھا (صحیح مسلم باب الایلاء) آنحضرتؐ نے یہیں قیام فرمایا۔ اور عہد کیا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہراتؓ سے نہیں ملیں گے۔ منافقین نے مشہور کر دیا کہ آپؐ نے بیویوں کو طلاق دے دی۔ صحابہؓ مسجد میں جمع ہو گئے۔ گھر گھر ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ازواج مطہراتؓ رو رہی تھیں۔ صحابہؓ میں سے کسی نے خود آپ سے واقعہ کی تحقیق کی جرأت نہ کی۔ (سیرت عائشہ صفحہ ۹۴-۹۵)

بات اس قدر تھی کہ نبی علیہ السلام کو چوٹ آئی تو آپ نے (جیسا کہ عام دستور ہے کہ کسی قسم کی چوٹ لگنے پر مریض کو آرام کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے) بالاخانہ پر چوٹ کا اثر زائل ہونے کا ارادہ فرمایا۔ اس سے آگے ہر سیرت نگار نے لکھا ہے کہ منافقین نے مشہور کر دیا کہ آپؐ نے بیویوں کو طلاق دیدی ہے۔ مگر منافقین کی اس حرکت کے باوجود جسے سب نے سمجھا اور جسے سب جانتے تھے "گھر گھر میں ہنگامہ برپا ہونے" کی تک کہاں سے آگئی۔ پھر بیان کیا جاتا ہے کہ صحابہؓ میں سے کسی نے پوچھنے کی جرأت نہ کی پھر اسی سانس میں یہ بھی کہہ دیا گیا کہ حضرت عمرؓ نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ ارشاد ہوا نہیں۔

اس سیدھی سی بات پر بھی ذہنی ورزشوں کے دنگل بنا کر لئے گئے چنانچہ بیان کیا گیا کہ فتح خیبر کے بعد ازواج مطہراتؓ کے لئے غلہ اور کھجوروں کی مقدار مقرر کر دی گئی۔ پھر ازواج مطہراتؓ کی فیاضی اور کشادہ دستی نے انہیں تنگ دست کر دیا۔ انہوں نے مال و دولت کی فراوانی دیکھ کر آپ سے مصارف میں اضافہ کی خواہش کی۔ تو نبی علیہ السلام نے بالاخانہ پر خلوت اختیار فرمائی۔ بات کیا تھی اور کیا بنا دی گئی۔ چنانچہ

صدیقہ کائناتؓ فرماتی ہیں کہ میں ایک ایک روز گنتی تھی ۲۹ روز ہوئے تو آپ بالاخانہ سے اُتر آئے اور سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپؐ نے ایک مہینہ کا وعدہ فرمایا تھا ابھی تو ۲۹ دن ہی ہوئے ہیں۔ ارشاد فرمایا مہینہ کبھی ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔

اس روایت سے متعدد امور مستنبط ہوتے ہیں

۱- سب سے پہلے صدیقہ کائنات رضؓ کے ہاں رونق افروز ہوئے یعنی تمام ازدواج مطہراتؓ میں سے آپؐ کو حضرت صدیقہؓ سے زیادہ محبت تھی۔

۲- حضرت صدیقہ کائناتؓ دین کی معمولی معمولی جزویات پر بھی گہری نظر رکھتی تھیں۔ فوراً عرض کی آپؐ نے مہینہ بھر کے لئے فرمایا تھا۔ مگر ۲۹ دن کے بعد تشریف لے آئے۔

۳- اگر حضرت صادق و مصدوقؐ ازدواج مطہراتؓ سے ناراض ہو کر خلوت نشین ہوئے تھے تو ناراضگی کی صورت میں آپؐ کا یہ فرمانا کہ میں مہینہ بھر کے لئے تم سے الگ ہو رہا ہوں، سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔

اصل بات یہی تھی کہ آپؐ کو چوٹ آئی اور آپؐ آرام کے لئے بالاخانہ پر تشریف لے گئے۔ آگے ہمارے سیرت نگار منافقین کے پروپیگنڈے کو لے اڑے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ ازدواج مطہراتؓ کی سیرتوں کو داغدار کر کے پیش کیا جائے۔

یہ ہیں اصل حقائق تحریم، تخییر اور ایلا کے جن کو نہ سمجھنے کے پس منظر میں سینکڑوں وضعی احادیث یعنی منسوب الی الرسولؐ روایات اور منسوب الی الصحابہؓ اقوال کے خالقین کا ہاتھ تھا۔ جو فاروق اعظمؓ، ذوالنورینؓ اور ابوترابؓ کو شہید کرنے کے بعد صحابہ کرامؓ کی عدالت بلکہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے منکر، باغی اور طاغی تھے۔ جو دنیا میں ایک بار پھر ود، سواع یعوق یغوث اور نسر کا پنجتنی تصور چودہ چھتروں اور بارہ دیوتوں کی اہرمنی حکومت کا احیاء چاہتے تھے۔ جیسا کہ فاطمیین مصر اور نوابان اودھ کی تاریخیں پڑھنے والوں کی نظروں سے اوجھل نہیں۔

بغض علیؓ سے = بغض رسولؐ سے بغض خدا سے

جنگِ جمل

ایک مورخ کا فرض ہے کہ وہ اپنے وجدان کی روشنی میں واقعات کی تحقیق کر کے انہیں بیان کرے۔ اس حقیقت سے انکار کسی کے بس کا روگ نہیں۔ واگر سیدنا علیؓ مدینۃ النبیؐ کی نسبت کوفہ کو ترجیح نہ دیتے تو جنگِ جمل کا المیہ پیش آتا، نہ جنگِ صفین میں مسلمان ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے کے مرتکب ہوتے اور نہ خوارج کا ظہور ہوتا اور سب سے اہم یہ کہ، نہ سیدنا علیؓ کو ان کے اپنے پروردہ کوفہ کی مسجد میں خاک وخون میں تڑپا کر شہید کرتے۔ ذرا آگے بڑھیئے اور دیکھیئے کہ نہ ہی وہ سیدنا حسنؓ کو زخمی کر کے مذل المومنین کے الفاظ سے مخاطب کرتے اور نہ ہی کوفہ میں ایسا گروہ پیدا ہوتا جو سیدنا حسینؓ کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر حادثۂ کربلا کا سبب بنتا —— اور سب سے اہم ترین بات یہ کہ آج سبائیت کی جس قدر شکلیں ہمارے سامنے موجود ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی صفحۂ ہستی پر موجود نہ ہوتی۔ مگر صدیقۂ کائناتؓ کے سفر بصرہ کے پیچھے کئی عوامل تھے۔ جن میں سے ایک عامل یہ تھا کہ حدیبیہ کے مقام پر خونِ عثمانؓ کے قصاص کے متعلق بیعت ہو چکی تھی اور اب اس کی تکمیل کا وقت تھا۔

اور دوسرا یہ کہ سیدنا علیؓ کے سامنے حقیقت حال پیش کرنا مطلوب تھی۔ کہ آپ مدینہ واپس تشریف لے جائیں اور قاتلین عثمانؓ کی سرپرستی سے دستبردار ہو کر انہیں سیدنا ذوالنورینؓ کے ولی الدم کے حوالے کر دیں کیونکہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد اس فرض سے عہدہ برآئی کی ذمہ داری صدیقۂ کائناتؓ کے ذمہ تھی۔

مگر سبائیت کی ہشیاری اور پرکاری نے تاریخی واقعات کو اس طرح مسخ کر کے پیش کیا کہ آج مکار سبائیوں کے ساتھ فلسفہ تاریخ سے بے خبر سنی مورخ بھی انہیں کی سی الاپتے چلے جا رہے ہیں۔

جنگِ جمل کے متعلق صدیقۂ کائنات رضاور سیدنا علی رض کے مواقف

سیدہ صدیقۂ کائنات رض کا موقف :

ما ابالی ان تقع السماء علی الارض قتل واللہ مظلوماً وانا طالبۃ بدمہ

مجھے ہرگز کوئی خطر نہیں (یعنی میں اس معاملہ میں کسی سے نہیں ڈرتی) یہاں تک کہ آسمان بھی زمین پر گر جائے اللہ کی قسم قتل کئے گئے (یعنی حضرت عثمان اور وہ نہایت) مظلوم تھے (اس وجہ سے) میں ان کے خون کی طالب ہوں

ان کلمات کی فصاحت و بلاغت جو صدیقۂ کائنات رض کا ہی حصّہ تھا سے قطعِ نظر، اپنے مفروضہ و مزعومہ نظریات سے خالی الذہن ہو کر غور کرنے سے یہ حقائق واشگاف طور پر سامنے آتے ہیں۔ کہ سیدنا ذوالنورین رض کی مظلومانہ، بے کسانہ اور بے دردانہ شہادت کے قصاص کے لئے بحیثیت اُم المؤمنین رض ہونے کے شہید کی ولی الدّم آپ رض ہی تھیں۔ اور اس صورت میں اس فرض سے عہدہ برائی کی ذمہ داری دوگنی ہو گئی تھی۔ جب سیدنا ذوالنورین رض کے پسماندگان میں سے کوئی بھی اس پوزیشن میں نہ تھا۔ اور قاتلین عثمان رض نے خلافت کا تاج سیدنا علی رض کے فرقِ انور کی زینت بنا کر ان کے کمیپ کا تمام انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ ان حالات میں " صدیقۂ کائنات رض " کی ذات مطہر پر یہ اعتراض کہ آپ نے سیدنا علی رض کے خلاف جنگ کیوں لڑی صریحاً سبائیت کی ترجمانی ہے۔

ایک حق گو اس مقام پر یہ اعتراض کر سکتا ہے۔ حالانکہ یہ اعتراض نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ سیدنا علی رض نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو کیوں دار الخلافت بنایا؟ قاتلین سیدنا ذوالنورین رض کو پناہ کیوں دی؟ پناہ ہی نہیں دی بلکہ اُنہی کے کہنے سے منصب خلافت قبول کیا اور پھر ان کی سرپرستی کی کوفہ سے صدیقۂ کائنات رض کے

مقابلہ کے لئے عازمِ بصرہ کیوں ہوئے اور اپنی ماں (ام المؤمنینؓ) سے مقابلہ کیوں کیا؟

سیدنا علیؓ کا موقف :

جنگِ جمل کے متعلق حضرت علیؓ کا موقف کیا تھا۔ اسے سمجھنے کے لئے آپ کی پہلی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالنی ضروری ہے۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے وقت آپ کی عمر تیس سال سے کم تھی۔ آپ کی پرورش نبی علیہ السلام کے زیرِ سایہ ہوئی، پھر آنحضرتؐ کی دامادی کے شرف سے مشرف ہوئے۔ ان حالات میں آپ کو نہ ہی خود کفالت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا موقع ملا اور نہ ہی عملی زندگی کے تجربات سے واسطہ پڑا۔ چند ایک لڑائیوں میں جنگ آزمائی کا موقع ملا۔ جن میں آپ نے اسلامی شجاعت کے جوہر دکھائے مگر سر پر آنحضرتؐ کی قیادت کا علم تھا۔

آنحضرتؐ کی وفات سے لے کر سیدنا ذوالنورینؓ کی شہادت تک کا طویل دور جس میں اسلامی افواج نے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے ڈانڈے ملا کر رکھ دیئے آپ نے ایک دن کے لئے بھی مدینہ سے باہر نکلنے کی زحمت گوارہ نہ فرمائی۔ خلفائے ثلاثہؓ کو آپ کی ہر طرح خاطر مطلوب تھی۔ انہوں نے آپ کو کسی جہاد میں شامل ہونے کا حکم نہ دیا۔ اور آپ نے بطورِ خود اس معاملہ میں اپنے آپ کو پیش نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ چون پچپن سال کی عمر تک آپ کو عملی زندگی سے واسطہ نہ پڑا۔ بلکہ یہاں لشکر کشی کی ترغیب حکم ملنے کے باوجود آپ نے انکار کر دیا
غنیمت سے بے حساب مال آپ کو گھر بیٹھے مل جاتا تھا۔ حرم آباد تھا۔ اولاد موجود تھی۔ آٹھ دس گاؤں بطورِ جاگیر خلفائے ثلاثہ کی طرف سے عنایت ہوئے تھے۔ گویا آپ ایک بے فکرے شہزادے کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔ کبھی کبھار دینی امور میں اپنی خوشی سے حصہ لے لیتے تھے۔ مگر امورِ جہانبانی یا سیاستِ مدنی یا دنیوی نشیب و فراز میں مغز ماری کی ضرورت ہی کبھی محسوس نہ کی تھی۔

کہ اچانک سیدنا ذوالنورینؓ کے المیہ نے تمام عالمِ اسلام میں ایک زلزلہ پیدا کر کے رکھ دیا۔ تین دن تک مدینہ میں قیامت کا منظر رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ

بلوائی اس قسم کے احساسات تلے دبنے لگے کہ اب کیا ہوگا ؟ انہیں صاف نظر آ رہا تھا کہ ہمارے بچاؤ کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ علیؓ طلحہؓ اور زبیرؓ تینوں کا درمیان سے کانٹا نکال دیا جائے۔

حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کی فراست تمام اسلامی آفاق کو احاطہ کئے ہوئے تھی۔ سیدنا علیؓ کا ماضی ان کے سامنے تھا۔ انہیں صاف نظر آ رہا تھا کہ آپؓ ان حالات میں عالم اسلام کی ڈگمگاتی نیا کے کھیون ہار ثابت نہیں ہو سکیں گے۔ صحابہؓ چاہتے تھے کہ شوریٰ فیصلہ کرے۔ انہیں بلوائیوں کا فیصلہ منظور نہ تھا مگر بلوائیوں نے ان کی نہ چلنے دی۔

سیدنا علیؓ خلیفہ بن گئے اور بظاہر مدینہ میں امن کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ مگر بلوائی ابھی تک دندناتے پھر رہے تھے۔ حضرات طلحہؓ اور زبیرؓ نے اس بحران سے نکلنے کے لئے ایک راہ نکالی۔ آگے طبری کی زبان سے سنیئے :

بیعت کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ ہم دونوں کو کوفہ و بصرہ کا امیر بنا دیجئے۔ حضرت علیؓ نے کہا تم دونوں میرے پاس رہو کہ تم دونوں سے اس بوجھ کے اٹھانے میں ہم مدد لیں گے۔ کیونکہ تم دونوں کی جدائی میں وحشت محسوس کروں گا (طبری جلد ۵ صفحہ ۱۵۵ ترجمہ)

یعنی حضرت علیؓ ان دونوں کو اپنے سے الگ نہیں ہونے دیتے تھے اب یہی دونوں حضرت علیؓ سے دوسری درخواست کرتے ہیں

استاذن طلحة والزبير علياً فی العمرة فاذن لهما فلحقا بمكة (صفحہ ۱۶۳) حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ سے عمرہ کے لئے اجازت طلب کی تو انہوں نے اجازت دے دی اور وہ مکہ پہنچ گئے۔

یہاں دو صورتیں سامنے آتی ہیں :

۱۔ حضرت علیؓ، حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کو بصرہ و کوفہ کی امارت نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس لئے یہ کہا کہ میں تمہارے بغیر وحشت محسوس کرتا ہوں مگر جب انہوں نے عمرہ کی اجازت طلب کی تو انہیں اجازت دیدی۔ اس صورت میں یہ عذر پیش نہ کیا کہ میں تمہارے بغیر

وحشت محسوس کروں گا۔ بظاہر اس سے یہ نظر آتا ہے کہ حضرت علیؓ انہیں کوئی عہدہ نہیں دینا چاہتے تھے اور ان سے اپنے آپ کو الگ رکھ کر من مانی کرنا چاہتے تھے۔

۲۔ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کو کوفہ و بصرہ کی امارتیں اس لئے تفویض نہ کیں کہ ان شہروں کے چیدہ لوگ مدینہ میں موجود تھے۔ اگر وہ کوفہ و بصرہ کی امارتوں پر متمکن ہو کر اپنے اپنے مستقر پر پہنچ بھی جاتے تو جس طرح مدینہ میں حضرت علیؓ کی خلافت برائے نام تھی ان کی امارتیں بھی برائے نام ہوتیں اور وہ بلوائیوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کر سکتے۔ اس کی بہتر صورت یہ تھی کہ ہر دو اصحاب مکہ چلے جائیں اور وہاں سے طاقت بہم پہنچا کر بصرہ پر قبضہ کر لیں۔ مدینہ کو بلوائیوں سے خالی کرانے کے لئے علی رضؓ مدینہ سے نکلیں۔ اس طرح بلوائیوں کا وجود ختم کیا جا سکے گا۔ یعنی بصرہ میں طلحہؓ و زبیرؓ ایک طاقتور ... ل کی حیثیت میں موجود ہوں گے۔ وہاں علیؓ ان سے جا ملیں گے اور یہ تباہی کے بادل چھٹ جائیں گے۔

یہاں تک تو پروگرام کے مطابق صحیح انداز میں کام کرنے کی ابتدا کر دی گئی۔ مگر سیدنا علی رضؓ جب مدینہ میں اکیلے رہ گئے اور اپنے آپ کو بلوائیوں میں گھرے ہوئے پایا تو تمام پروگرام نسیاً منسیا ہو کر رہ گیا۔ مشہور مجوسی عیار مالک اشتر پورے طور پر تمام امور پر حاوی تھا۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ اس کے متعلق یہ کہنے پر مجبور ہو گئے

کان اشتر لی کما کنت لرسول اللہ	اشتر میرے لئے ایسا ہے جیسا میں رسول اللہ کے لئے تھا۔

(شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۱۸۵)

حضرت علی رضؓ کا موقف شروع میں تو بلوائیوں کا قلع قمع تھا مگر آگے چل کر "کان اشتر لی" کے سراب کی نذر ہو گیا۔ جنگ جمل کے دوران جو کلمات بلوائیوں کے متعلق حضرت علی رضؓ کی زبان سے نکلتے رہے یا اس کے بعد جنگ صفین کے دوران آپ جو کچھ فرماتے رہے ان سے بھی حقائق مترشح ہوتے ہیں کہ آپ قاتلین عثمان رضؓ سے سخت بیزار تھے ۔

صدیقۂ کائناتؓ پر اعتراض

فریق مخالف یہاں ایک اور اعتراض کر سکتا ہے کہ صدیقۂ کائناتؓ نے مکہ کیوں چھوڑا اور بصرہ کیوں تشریف لے گئیں؟ اس کا آسان جواب تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سیدنا علیؓ نے مدینہ کیوں چھوڑا۔ مگر صحیح حقائق و شواہد کی موجودگی میں اس قسم کے جوابات کی ضرورت نہیں۔

صدیقۂ کائناتؓ کعبہ اور جوارِ کعبہ کے احترام کو داغدار نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ اور پھر قاتلین سیدنا ذوالنورینؓ سب کے سب سیدنا علیؓ کے کیمپ میں تھے۔ اور سیدنا علیؓ انہیں لے کر کوفہ روانہ ہو چکے تھے۔ حضور ممدوحہؓ نے اس ارادہ سے بصرہ کا سفر اختیار کیا تھا کہ سیدنا علیؓ کو سمجھائیں کہ قاتلین سیدنا ذوالنورینؓ کی سرپرستی سے دست بردار ہو کر واپس مدینہ لوٹ چلیں۔ اور مدینہ کی مرکزیت کو یوں پامال نہ کریں! اور سب سے اہم یہ کہ وہ باغیوں کے ایک کیمپ پر قبضہ کر کے ان کی بغاوت کو ختم کرنا چاہتی تھیں۔

صدیقۂ کائناتؓ کے ہمراہیوں کا موقف

فقال بعض من کان معها بل تقدمین فیراک المسلمون فیصلح الله عزوجل ذات بینهم۔

سیدہ صدیقۂ کائناتؓ کے ساتھیوں میں سے بعض نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ آگے بڑھیں تاکہ مسلمان آپ کو دیکھیں تو خدا ان کے درمیان صلح کرا دے

(مسند جلد ۶ صفحہ ۵۲)

حاصل کلام: جنگ جمل کے متعلق سیدہ صدیقۂ کائناتؓ اور ان کے ساتھیوں کا موقف نیز سیدنا علیؓ اور ان کے ساتھیوں کا موقف دیکھنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سیدہ صدیقہؓ کا اقدام سراسر مبنی برحق اور تعمیری تھا۔ مگر ابتداء میں سیدنا علیؓ کا جو موقف تھا وہ آگے چل کر سبائی منصوبوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔ آپ کی تمام فراست بے قراری کی نذر ہو گئی۔ اور اس بے قراری کی حالت میں جو کچھ آپ سے سرزد ہوا وہ امت کے لئے سراسر ایک تخریبی عمل بن کر رہ گیا۔

لعض بزعم خولیش ابرار نے جو دراصل روح اسلام اور تاریخ اسلام سے نا آشنا ہیں۔ صدیقۂ کائنات رض کے سفر بصرہ کے ضمن میں رفض کے بغض باطنی کی تائید میں "وقرن فی بیوتکن" سے استشہاد کی سعی نامشکور کا تکلف کیا ہے حالانکہ اس کلام الٰہی کو اس موقع پر پیش کرنا صریحاً قرآن کی معنوی تحریف ہے۔ آیت کے ان الفاظ کے بعد ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ کے کلمات اس بات پر دلالت کرتے کہ وہ "تبرج جاہلیت" میلے ٹھیلے بت پرستی کی عیدیں اور دورِ جہالت کے مذہبی شعار کی ادائیگی تھی۔ صدیقۂ کائنات رض کا سفر بصرہ سراسر ایک دینی فریضہ کی ادائیگی تھا۔

صدیقۂ کائنات کا اقدام خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے عزم بصرہ کو مبنی بر حق سمجھتے ہوئے ہی مکہ سے روانہ ہوئی تھیں۔ اور ان کے ہمرکاب اکبار صحابہ کرام رض کا ایک کثیر گروہ تھا۔ یہ بات مسلمات کا درجہ رکھتی ہے۔ کہ اس وقت علم اسرار الدین میں "صدیقۂ کائنات رض" کے مرتبہ و مقام کا کوئی آدمی نہ تھا اور ان سے بڑھکر دینی اسرار و رموز کا علم کسی اور کو حاصل نہ تھا۔

بار بار ایک بات کی تکرار اکثر ذہنوں کیلئے ناگواری کا موجب بنتی ہے مگر یہ کہے بغیر آگے نہیں بڑھا جا سکتا کہ اس وقت "صدیقۂ کائنات رض" کے موقف کے خلاف جو لٹریچر ہمارے ہاں شائع و مروّج ہے وہ تمام کا تمام یہود و مجوس کے گھڑ جوڑ کا تیار کردہ ہے۔ مگر ہمارے بزدل دانشور، مصلحت پرست مولوی ان حقائق کو نہ سمجھ سکے ہیں اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

ابن حزم کہتے ہیں :

"واجتمعت عائشہ رض بکبار الصحابۃ، وتداومت اسوٰی معھم فیما ینبغی عملہ وقد عرف القراء ما کانوا علیہ من نزاھۃ وفرار من الولایۃ و ترفع عن شھوات النفس، فراؤا ان یسیروا مع عائشہ الی العراق لیتفقھوا مع امیر المومنین علی الاقتصاص من السبائین الذین اشترکوا فی دم عثمان و اوجب الاسلام علیھم الحد فیہ ولم یکن یخطر علی بال عائشہ وکل الذین کانوا معھا وفی مقدمتھم طلحۃ والزبیر المشھود لھما

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رض نے کبار صحابہ رض کی جماعت سے اتفاق کیا اور ان کی رائے ان کے موافق ہو گئی طرز کار جو مناسب تھا علمائے وقت نے فتنے سے الگ تھلگ رہنا پسند کر لیا اور حکمرانی و سرداری سے فرار کو سمجھا۔ اور انہوں نے یہ بھی محسوس فرمایا کہ موجودہ حالات میں الگ تھلگ رہنے

من النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالجنۃ انہم سائرون لیحاربوا علیاً۔

اس وقت اگر صدیقہ کائنات رضؓ گھر میں بیٹھی رہتیں تو قاتلین سیدنا ذوالنورین رضؓ سے قصاص لینا تو درکنار، وہ قاتل سیدنا علی رضؓ کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر تمام عالم اسلام کو راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دیتے۔ یہ بات محض شاعرانہ قسم کی تعلّی یا لفاظی ہی نہیں بلکہ نصف النہار کی طرح ایک حقیقت ہے۔ بصرہ میں ان لوگوں کے منہ میں پہلی لگام دی گئی۔ صفین کے مقام پر دوسری اور جب یہ لوگ گرگٹ کی طرح رنگ بدل کر سیدنا علی رضؓ سے الگ ہو گئے تو نہروان کے مقام پر تیسری بار سیدنا علی رضؓ نے انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔ قاتلین عثمان رضؓ کے پیرو گنتی کے چند لوگ نہ تھے بلکہ وہ اسلام دشمن عظیم تحریک تھی۔ اس تحریک نے آج تک ہزاروں رنگ بدلے ہیں۔ اور ہزاروں صورتوں میں مختلف مقامات پر نمودار ہوئی مگر ان سب کا بنیادی عقیدہ صرف اور صرف اسلام دشمنی ہے۔ اور اسلام دشمنی کے لئے نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات رضؓ اور آپؐ کے جان نثار ساتھیوں کی مفروضہ برائیاں بیان کر کے ہی اسلام دشمنی کا زہر پھیلایا جا سکتا تھا۔

وقرن فی بیوتکن سے غلط استدلال کا جواب

اُمہات المومنین رضؓ اور صحابیات رضؓ کی جہاد میں شرکت

۱۔ صلح حدیبیہ کے سفر میں ام المومنین ام سلمہ رضؓ آپؐ کے ہمراہ تھیں۔ یہ واقعہ تمام کتب احادیث میں موجود ہے کہ صلحنامہ مرتب ہونے کے بعد جب حضور خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ رضؓ کو قربانیاں کرنے کا ارشاد فرمایا تو تعمیل ارشاد کے لئے کوئی تیار نہ ہوا۔ چونکہ صلحنامہ کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں اس لئے وہ دل برداشتہ تھے۔ نبی علیہ السلام نے حضرت ام سلمہ رضؓ سے ذکر فرمایا تو آپ نے عرض کی کہ آپ کسی سے کچھ نہ فرمایئے۔ باہر نکل کر اپنی قربانی دیجئے چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا اور تمام صحابہ رضؓ نے دیکھ کر اپنی قربانیاں کیں۔

(بخاری ج ۱ صفحہ ۳۸۰)

اس واقعہ پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ نبی علیہ السلام کا یہ سفر

(بقیہ ترجمہ صفحہ ۱۳۵ کے بعد ساتھیوں سے ...)

کسی غزوہ کا سفر نہیں تھا۔ بلکہ خانہ کعبہ کی زیارت کا سفر تھا۔ اس لئے اُم المومنین ام سلمہؓ یا دیگر ازواج مطہراتؓ کو ساتھ لیا تھا۔ مگر اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ نبی علیہ السلام کے پیش نظر یہ پہلو بھی تھا کہ کفار مکہ آسانی سے مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور ہو سکتا ہے کہ لڑائی کی صورت پیدا ہو جائے۔

۲۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ سیدنا ذوالنورینؓ کے لیے جبکہ وہ بھوک پیاس سے محصور تھے۔ ایک خچر پر سوار ہو کر اپنے غلام کو ساتھ لیکر ان کے مکان کی طرف چلیں۔ اشتر نخعی نے خچر کے منہ پر مارنا شروع کیا تو خچر بدک گیا۔ اور آپ گرتے گرتے بچیں (اصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۷) ام المومنین اُم حبیبہؓ کو خوب معلوم تھا کہ بلوائی مجھ سے ضرور الجھیں گے مگر آپ گھر سے نکلیں۔

سیدہ زینبؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کا سفر زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ کیا۔ پہلی بار جب مکہ سے نکلیں تو ہبار بن اسود نے نیزہ مار کر آپ کو زخمی کر دیا اور آپ کا حمل ساقط ہو گیا۔ مگر دوسری مرتبہ کامیاب ہو گئیں۔ (زرقانی صفحہ ۲۲۳ جلد ۳ سیرت ابن ہشام ۲۳۱ طبری ایضاً)

صحابیات کے کارہائے نمایاں

۱۔ سیدہ اسماءؓ ہجرت کے بعد مدنی زندگی میں تین فرسنگ کے فاصلہ سے اپنے اونٹ اور گھوڑے کے چارے کے لئے کھجور کی گٹھلیاں لایا کرتی تھیں۔ سعیدؓ بن عاص کے زمانہ میں جب مدینہ میں چوریاں بڑھ گئیں۔ تو آپؓ سرہانے خنجر رکھ کر سویا کرتی تھیں۔ لوگوں کے پوچھنے پر فرمایا۔ کہ جب کوئی چور آیا اور اس نے مجھ پر حملہ کیا تو میں اس سے اس کا پیٹ چاک کر دونگی۔ (طبقات ابن سعد۔ طبری)

حضرت اسماءؓ نے ہی نبی علیہ السلام کو مرض موت میں دوا پلائی تھی۔ شاید آپ طبیب بھی تھیں (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۵۱ طبقات ابن سعد)

۲۔ سیدہ فاطمہؓ بنت نبی علیہ السلام کا مشکوں میں پانی بھر کر لانا متعدد کتب میں موجود ہے اور غزوۂ احد میں آپ کی موجودگی پر یہ واقعہ دلالت کرتا

ہے کہ آپ نے ہی کپڑا جلا کر نبی علیہ السلام کے زخم میں بھرا اور اس پر پٹی باندھی جس سے خون رُکا۔

۳۔ فاروقِ اعظمؓ کی شہادت کے بعد سیدہ فاطمہؓ بنت قیس کے گھر میں مجلس شوریٰ منعقد ہوتی تھی چونکہ آپ بڑی عقیل، فہیم، ذی علم اور صائب الرائے تھیں اس لئے خلافت کے بارہ میں ان سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا۔ یاد رہے کہ سیدہ فاطمہؓ بنت قیس سے خلافت کے بارہ میں مشورہ لینے والے اجل صحابہ کرامؓ تھے۔

(اسد الغابہ صفحہ ۵۲۷، استیعاب صفحہ ۷۷۴، درمنثور ۳۶۵)

۴۔ سیدہ خنساءؓ بنت عمرو۔ آپ ارثی العرب کے خطاب سے مشہور تھیں۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت ۱۶ھ میں قادسیہ کا معرکہ لڑا گیا۔ آپؓ معہ اپنے چاروں بیٹوں کے اس جنگ میں شریک تھیں۔ جنگ سے پہلی رات اپنے بیٹوں کو جمع کر کے کہا تم اپنے باپ کے سچے فرزند ہو نہ میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو ذلیل و رسوا کیا تھا۔ تمہارا حسب ونسب بے داغ ہے جب تم دیکھو کہ لڑائی جوش پر آ گئی ہے۔ تو اس میں گھس پڑو اور بے دریغ لڑو۔ آخر چاروں شہید ہو گئے۔ جب سیدہ خنساءؓ کو اپنے بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی۔ تو اللہ کا شکر ادا کیا۔ (اسد الغابہ ۴۴۲۔ استیعاب ۷۴۵)

۵۔ سیدہ صفیہؓ بنت عبد المطلب یعنی نبی اکرمؐ کی سگی پھوپھی۔ غزوہ خندق کے موقع پر جب نبی علیہ السلام نے امہات المومنینؓ اور دوسری خواتین کو قلعہ یا اُطم میں جس کا دوسرا نام فارع تھا ٹھہرایا اور سیدنا حسانؓ کو ان کے پاس چھوڑا۔ ایک یہودی قلعہ کے دروازہ تک پہنچ گیا۔ آپ نے حضرت حسانؓ کو کہا اس کی خبر لو۔ مگر وہ جرأت نہ کر سکے۔ آپؓ نے خود خیمہ کی چوب سے اسے ڈھیر کر دیا۔ (اصابہ ج ۲۔ صفحہ ۷۲۱)

سیدہ صفیہؓ جنگ اُحد میں بھی شریک تھیں۔ جب بعض مسلمان نبی علیہ السلام کی شہادت کی خبر سُنکر دل برداشتہ ہو کر لڑائی سے منہ پھیرنے لگے

تو آپ نیزہ لیکر انہیں بار بار کر جنگ کی طرف دھکیلنے لگیں۔ سیدنا حمزہؓ کی نعش کا مثلہ کیا گیا تھا۔ نبی علیہ السلام نے چاہا کہ سیدہ صفیہؓ اپنے بھائی کی نعش نہ دیکھیں۔ آپ نے آنحضرتؐ کا یہ حکم سُن کر کہا۔ میں نہ روؤں گی نہ چلاؤں گی صرف دیکھ کر لوٹ آؤں گی۔ (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۹۲)

آپ شاعرہ بھی تھیں۔ نبی علیہ السلام کے کفیل تایا زبیر بن عبد المطلب کا بڑا پُر درد مرثیہ لکھا۔

۶۔ حضرت اُم ایمنؓ۔ غزوہ احد اور غزوۂ خیبر میں شریک تھیں۔ غزوہ اُحد میں آپ نے دیگر صحابیاتؓ کے ساتھ زخمیوں کی تیمارداری اور پانی پلانے کی خدمات انجام دیں۔ (طبقات ج ۸ صفحہ ۱۲۸)

۷۔ سیدہ اسماء بنت یزیدؓ۔ عورتوں کی طرف سے اپنے حقوق کے مطالبہ کے لئے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ۱۵ھ کے معرکۂ یرموک میں شامل تھیں۔ اور اپنے خیمہ کی چوب سے نو رومیوں کو ہلاک کیا۔ (صحابہؓ ج ۸ صفحہ ۱۳)۔

۸۔ سیدہ ام عمارہؓ۔ بیعت عقبیٰ اولیٰ اور بیعت عقبیٰ ثانیہ میں موجود تھیں اس دفعہ سیدہ ام منیعؓ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۹۲۹)
احد کے معرکہ میں شامل تھیں۔ پانی بھر بھر کر لائیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔ جب نبی علیہ السلام کی طرف بے تحاشہ تیر آنے شروع ہوئے تو سیدہ ام عمارہؓ بالکل سینہ سپر ہو کر سامنے آگئیں۔ اور نیزہ، تلوار اور ڈھال سے کافروں کے حربے روکنے لگیں۔ کئی سواروں کے گھوڑوں کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ سوار گرتا تو وہ اپنے بیٹے عبد اللہؓ کی ہمراہی میں اُسے قتل کر دیتیں (طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۳۰۲)

غزوہ احد میں صدیقہ کائناتؓ اور سیدہ فاطمہؓ بھی موجود تھیں۔
نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ غزوہ احد میں میں ام عمارہؓ کو برابر اپنے دائیں بائیں لڑتے دیکھتا تھا۔ جب ابن قمیہ کے وار سے نبی علیہ السلام کے رخسار مبارک زخمی ہو گئے تو سیدہ ام عمارہؓ نے اس پر وار کیا مگر وہ

زرہ پہنے ہوئے تھا۔ بچ گیا۔ اس نے پلٹ کر آپ کے کندھے پر تلوار ماری آپؓ شدید زخمی ہو گئیں (سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۸۴) نبی علیہ السلام نے خود پٹی بندھوائی۔ پھر چند بہادروں کا نام لے کر فرمایا واللہ آج ام عمارہؓ کا کارنامہ ان کے کارناموں سے بڑھ کر ہے۔ (طبقات ج ۲ صفحہ ۳۰۲)۔

سیدہ ام عمارہؓ کا بیٹا عبداللہؓ جب زخمی ہو گیا تو اس کے زخموں پر پٹی باندھ کر کہا جاؤ بیٹا پھر لڑو۔ یہ سنکر نبی علیہ السلام نے فرمایا من یطیق ما تطیقین یا ام عمارہ اے ام عمارہ جتنی تجھ میں ہمت ہے اتنی کس میں ہو گی۔ (ایضاً) اکثر ارباب سیر نے لکھا ہے کہ سیدہ ام عمارہؓ جنگ احد کے علاوہ حدیبیہ، خیبر، حنین کی لڑائیوں میں بھی شامل تھیں۔ ابن سعد کا بیان ہے:

شهدت احداً والحديبية وخيبر وعمرة القضية وحنيناً و يوم اليمامه۔ یعنی آپ نے احد، حدیبیہ، خیبر، عمرۃ القضا، حنین، جنگ یمامہ دیکھی تھی (طبقات)۔

جنگ یمامہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد مسیلمہ کے دعوائے نبوت پر سیدنا خالدؓ کی قیادت میں لڑی گئی۔ مسیلمہ نے سیدہ ام سلیمؓ کا بیٹا شہید کر دیا تھا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو آپؓ صفیں چیرتی ہوئی مسیلمہ کے سر پر جا پہنچیں۔ اتنے میں دو تلواریں مسیلمہ پر پڑیں۔ اور وہ کٹ کر گھوڑے سے گر پڑا۔ غور سے دیکھا تو عبداللہؓ کو کھڑے پایا۔ پوچھا کس کی تلوار سے واصل جہنم ہوا۔ عبداللہؓ نے کہا۔ ایک تلوار میری پڑی اور دوسری وحشی کی۔ آپ کا ایک ہاتھ کٹ چکا تھا۔ مگر اس کے بعد بہت عرصہ تک زندہ رہیں۔

۹۔ سیدہ ام حرامؓ بنت ملحان۔ بحری جہاد کے متعلق مشہور بشارت انہیں کی ذات سے متعلق ہے۔ ۲۷ھ میں بزمانہ سیدنا ذوالنورینؓ سیدنا امیر معاویہؓ نے جزیرہ قبرص پر حملہ کرنے کے لیے لشکر بھیجا۔ آپؓ اپنے شوہر حضرت عبادہؓ بن صامت کے ہمراہ اس جہاد میں شریک تھیں۔ فتح قبرص کے بعد واپسی پر سواری سے گر کر شہید ہوئیں (اسد الغابہ ج ۵ صفحہ ۵۷۵) بخاری کے علاوہ متعدد احادیث میں یہ واقعہ دہرایا گیا ہے۔

۱۰- سیدہ اُمّ ورقہؓ بنت عبداللہ۔ غزوہ بدر میں شامل ہونے کی اجازت نہ ملی۔ نبی علیہ السلام نے ان کو عورتوں کا امام بنایا تھا۔ (اصابہ) نبی علیہ السلام کی اجازت سے ایک موذن بھی مقرر تھا۔ اور وہ اذان دیتا تھا اور یہ امامت کرتی تھیں۔

۱۱- ام عطیہؓ بنت حارث۔ نام نسیبہ تھا۔ نبی علیہ السلام کے ساتھ سات غزوں میں شریک ہوئیں۔ ہر غزوہ میں کھانا پکانے، سامان کی حفاظت کرنے، مریضوں کی تیمارداری کرنے اور مجروحوں کی مرہم پٹی کرنے کی شاندار خدمات انجام دیں۔
(طبقات جلد ۸ صفحہ ۳۳۴ مسلم ج ۲ صفحہ ۱۰۵)

۱۲- ربیع بنت معوّذ بن عفراءؓ۔ بیعت رضوان میں شریک تھیں (اسد الغابہ ج ۲ ص ۴۵۱) جہاد میں اکثر شریک ہوئیں اور نبی علیہ السلام کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ ایسے موقعوں پر بڑی تندہی سے کام کرتی تھیں۔ مجاہدین کو پانی پلاتیں۔ ان کی خدمت کرتیں۔ اور مجروحوں کو مدینہ لے جاتی تھیں۔ (اصابہ ج ۲ صفحہ ۷۵) عفراءؓ کے بیٹوں نے ابوجہل کو قتل کیا تھا۔

۱۳- ام سلیمؓ۔ صحیح مسلم میں ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغزو بام سلیم ونسوۃ من الانصار معہ اذا غزا فیسقین الماء و یداوین الجرحی۔ نبی اکرمؐ۔ سیدہ ام سلیم اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں ساتھ رکھتے تھے۔ جب آپ جنگ میں مشغول ہوتے تو یہ پانی پلاتیں۔ اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ (جلد ۲ صفحہ ۲۳۲)

جنگ احد کے متعلق حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ ام المومنینؓ اور سیدہ اُمّ سلیم کو پائنچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتے اور زخمیوں کو پانی پلاتے دیکھا۔ جب مشک خالی ہو جاتی تو پھر بھر کر لاتی تھیں (ایضاً)

معرکہ خیبر ۷ھ میں بھی آپ نبی اکرمؐ کے ساتھ تھیں۔ آپ نے ہی ام المومنین سیدہ صفیہؓ کو دلہن بنایا تھا۔ جنگ حنین میں بھی باوجود حاملہ ہونے کے خنجر لئے ہوئے موجود تھیں (طبقات)

۱۴- ام کلثومؓ بنت عقبہ۔ صلح حدیبیہ کے بعد اکیلے ہجرت کی۔

۱۵- ام حکیمؓ بنت حارث۔ دوسرا نکاح خالدؓ بن سعید بن العاص سے ہوا مسلمان جب ایک جہاد کے لئے مرج الصفر میں پہنچے رسم عروسی ادا ہوئی۔ صبح ولیمہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ رومیوں کا لشکر پہنچ گیا اور خالدؓ بن سعید شہید ہو گئے۔ ام حکیمؓ اگرچہ عروس تھیں مگر ٹھاٹھا باندھ کر ایک خیمہ کی چوب اکھاڑ لی۔ اور سات کافروں کو ہلاک کیا۔

(استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۹۰)

میجر جنرل اے آئی اکرم نے اپنی تالیف SWORD OF ALLAH میں سیدنا خالدؓ بن الولید کے حالات زندگی اور ان کی فتوحات لکھی ہیں۔ کتاب کے ماخذ ہیں۔ سیرۃ النبیؐ ابن ہشام، مغازی رسول اللہ، فتوح الشام واقدی۔ طبقات الکبریٰ ابن سعد، المعارف ابن قتیبہ، تاریخ یعقوبی اور البلدان یعقوبی، فتوح البلدان بلاذری۔ اخبار الطوال دینوری، طبری مروج الذہب، تنبیہ والاشراف مسعودی، الاغانی اصفہانی، معجم البلدان یاقوت، کتاب الخراج ابو یوسف

مذکور الصدر تمام واقعات کا اپنی تالیف میں مولف نے تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

صرف دو واقعات مولف کی زبان سے سن لیجئے۔ جنگ احد کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

16- With the group were also present two women who had busied themselves with carrying water to the Muslims and had now joined the Prophet

SWORD OF ALLAH

DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE

BY GIBBON. (Page 36).

بسم اللہ الرحمن الرحیم علی علیہ السلام

17 - Khalid nearly fell off his horse when he heard the reply of the masked rider for it was the voice of a girl!

O Commander I only turn away from you out of modesty. You are the glorious commander, and I am of those who stay behind the veil. I fight like this because my heart is on fire(P.360)

اسی جنگ میں سیدہ خولہؓ کے بھائی ضرار بن الازور کو عیسائیوں نے گرفتار کر لیا۔ اور سیدنا خالدؓ نے انہیں آزاد کرانے کے لئے جن مجاہدوں کا انتخاب کیا۔ ان میں خولہؓ بھی تھیں۔ چنانچہ وہ اپنے بھائی کو چھڑا لائیں۔

اگرچہ یہ درست ہے کہ عورت کی طبعی حالت کسی حد تک فرائض امامت کی عہدہ برآئی سے قاصر ہے مگر اس قسم کی تصریحات تک دینی شواہد راہنمائی کرتے سے بھی قاصر ہیں کہ جنس لطیف ہونے کے جرم میں اسے چار دیواری کے اندر قید کر دیا جائے۔ یہ قطعاً غلط استناد ہے کہ کسی مسلمان عورت کو کسی حالت میں بھی پبلک کی سیاسی زندگی یا فوجی زندگی سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ پوری ملت آتش فتنہ و فساد کی لپیٹ میں آ جائے۔ اور پھر حالات اس مقام تک پہنچ چکے ہوں کہ کوئی دوسرا اس فتنہ کی آگ کو بجھانے کے لئے آگے نہ بڑھے۔ بلکہ جو افراد اس قسم کی اہلیت کے حامل ہوں وہ خود کسی عورت کی رہنمائی میں کام کرنے کیلئے تیار ہوں۔

امام مالکؒ، طبری اور ایک روایت میں امام ابو حنیفہؒ اور بعض دوسرے ائمہ اس بات کے قائل ہیں کہ عورت کو امامت اور قضا کے مناصب تفویض کیے جا سکتے ہیں (فتح الباری و قسطلانی باب کتاب رسول اللہ الی کسریٰ)

سیدنا فاروق اعظمؓ نے ایسے امور میں متشدد ہونے کے باوجود ایک بازار کا انتظام شفا عدویہ کے سپرد فرمایا (کتاب اسماء الرجال فی ذکر شفا عدویہ)

صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا خود عورتوں کے درمیان کھڑے ہو کر ان کو نماز پڑھاتی تھیں۔

(طبقات ابن سعد جز نسا صفحہ ۳۶۰) مگر صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے ان کے اس عمل پر گرفت نہ کی۔

ہمارے بعض علماء کو اس موضوع پر بڑا تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے عورت اور مرد کے فطری وظائف کی آڑ میں اس قسم کی دل شگاف تصریحات سے غض بصر کرتے ہوئے وقرن فی بیوتکن تک ہی اپنی علمیت کو محدود کر کے رکھ دیا اور ولا تبرجن تبرج الجاهلية کو بالکل نظرانداز کر دیا۔ مفہوم تو یہ تھا کہ گھروں میں قرار پکڑو۔ اور دورِ جاہلیت کی طرح گھروں سے باہر نہ نکلو۔ جس طرح آج کل میک اپ کئے سڑکوں پہ ماری ماری پھرتی ہیں۔ دورِ جاہلیت کی قید نے مسئلہ حل کر دیا۔ جاہلیت کے دور میں کعبہ کا ننگے بدن طواف، عکاظ کے میلے میں کھلے بندوں مرثیہ خوانی وغیرہ سب شامل تھے۔ ورنہ جیسا کہ ہم مفصل لکھ چکے ہیں کہ نبی علیہ السلام خود اپنے ساتھ غزوات میں عورتوں کو لے جاتے تھے۔

دراصل اس موضوع پر کھینچا تانی کی اصل وجہ "صدیقہ کائنات" کو رفض کی ہمنوائی میں خطاء اجتہادی کی لم تراش کر سیدنا علیؓ کے موقف کو مبنی بر حق ثابت کرنا ہے۔ اور الامامۃ والسیاسۃ کے رافضی مولف کے ان کلمات کی ترجمانی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اور یہ نہ سوچا کہ ہم متاعِ ایمان کو ہی خیرباد کہنے کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔

۱ الامامۃ والسیاسۃ کا رافضی مولف سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی زبان سے یہ الفاظ کہلواتا ہے۔

ان بیت عائشۃ خیر لها من هودجها — حضرت عائشہؓ کا گھر ان کے ہودج سے بہتر تھا۔ (صفحہ ۵۶)

۲۔ سیدنا علیؓ کی زبان سے صدیقہ کائناتؓ کی طرف ان الفاظ میں ایک خط نقل کیا گیا ہے:

امّا بعد فانّک خرجتِ ما فیه لله ورسوله الخ آپ اللہ اور رسول کی حمیت میں ایک ایسا مطالبہ لے کر اٹھی ہیں جس کی ذمہ داری سے آپ

اللہ اور رسولؐ کی طرف سے سبکدوشی نہیں۔ عورتوں کو جنگ اور مردوں کے معاملات میں پڑنے سے کیا تعلق؟ آپ عثمانؓ کے خون کا مطالبہ لے کر اٹھی ہیں۔ حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ کو اس آزمائش میں مبتلا کیا اور اس غلطی پر آمادہ کیا ہے انہوں نے عثمانؓ کے قاتلوں سے بڑی برائی آپ کے ساتھ کی ہے آپ دوسروں کے ابھارنے سے غصے میں آگئی ہیں اور دوسروں کی انگیخت سے آپ میں اشتعال پیدا ہو گیا ہے اللہ سے خوف کیجیے اور گھر کو لوٹ جائیے[۱] (صفحہ ۲۴)

---

[۱] ماہنامہ میثاق مارچ ۱۹۷۶ء میں مولانا امین احسن اصلاحی کا مقالہ بعنوان "نظریۂ مساوات مرد و زن شریعت کی کسوٹی پر" صفحہ ۵ تا ۲۶ شائع ہوا ہے۔ اس مقالہ کے باقی مباحث سے قطع نظر "صدیقہ کائناتؓ" کے متعلق اصلاحی صاحب کو صرف تسامح یا ذہول ہی نہیں ہوا بلکہ موصوف نے بغض بھرے کام لیتے ہوئے الامامۃ والسیاسۃ کی اسی وضعی روایت کی آڑ میں رفض کی وکالت کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

اصلاحی صاحب نے صفحہ ۲۳ پر پہلے صدیقہ کائناتؓ کے متعلق یہ وضعی روایت نقل کی ہے۔ ان بیت عائشہ خیر لہا من هودجها پھر اسی صفحہ پر آگے چل کر اپنے خود ساختہ موقف کی تائید میں الامامۃ والسیاسۃ کی مذکورہ روایت کا سہارا لیا ہے۔ یہ تحقیق مسلّمات کا درجہ رکھتی ہے کہ الامامۃ والسیاسۃ کسی غالی رافضی کی تالیف ہے۔ جو اس نے اہل سنت کے ہاں نقب لگانے کے لئے اپنے روحانی اب وجد کی تقلید میں ابن قتیبہ کے نام سے منسوب کی ہے ابن قتیبہ کے متعلق یہ بات پایۂ تحقیق تک پہنچ چکی ہے کہ وہ کبھی مصر نہیں گئے۔ مگر مذکورہ تالیف میں مصر کے دو علماء سے اکثر روائتیں قلمبند کی گئی ہیں۔ اصلاحی صاحب بصد شوق اپنے نظریہ کی تائید میں رطب و یابس کے انبار فراہم کرتے چلے جاتے کر جس بات کے متعلق ان کے تاریخی معلومات ہی رفض کے تاریخی سرمایہ کے رہین منت ہوں۔ اسے نظر انداز کر دیتے۔

اگر اصلاحی صاحب اسی وضعی منسوب الی العلی مکتوب کے بین السطور میں ذرا بالغ نظری سے غور کرنے کی زحمت گوارہ فرماتے تو انہیں صاف نظر آتا کہ حضرت علیؓ ہرگز ہرگز اپنی ماں کی شان میں غصہ، انگیخت اور اشتعال جیسے سوقیانہ الفاظ استعمال نہیں کر سکتے تھے۔

الامامۃ والسیاسۃ کے رافضی مولف کے اس خط کے بین السطور سے جو بغض ٹپک رہا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے کلمات سیدنا علیؓ کی زبان سے نہیں نکلے۔

۱۔ اگر صدیقہ کائناتؓ خونِ عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ لے کر نہ اٹھتیں۔ تو سیدنا علیؓ یہ نشاندہی فرما دیتے کہ یہ مطالبہ لے کر کون اٹھتا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کے مجوسی قاتل کی گردن اڑانے کے جرم میں عبیداللہؓ بن عمرؓ کو قتل کرنے پر آپ نے جس بے صبری کا اظہار کیا اور پھر اپنی برائے نام خلافت میں بارہ سال بعد سب سے

(بقیہ حاشیہ) اور پھر سبائی ٹکسال سے نکلے ہوئے اس مکتوب کا یہ فقرہ کہ "آپ عثمان کے خون کا مطالبہ لے کر اٹھی ہیں" اس تمام عمارت کو ہی پیوندِ خاک کرنے کے لئے کافی ہے۔

مودودی صاحب بھی کسی زمانہ میں فرماتے تھے کہ عورت کو ووٹ دینے کا بھی حق نہیں مگر بہت جلدی یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ ایک عورت کو صدر مملکت بنانے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دیں اور پھر قومی اتحاد کی تحریک کے دوران "صدیقہ کائناتؓ" کے اسوۂ حسنہ میں ہی بڑے بڑے مسند نشینانِ محراب و منبر کی پردہ نشینانِ سرِ عفات باہر نکل آئیں۔

اصلاحی صاحب کے ذہن سے عجیب عجیب اختراعات کا ظہور ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کی ازواج مطہراتؓ اور صحابہ کرامؓ میں سے بعض کے متعلق آپ کا ذہن صاف نہیں۔

صرف حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آپ کے خیالات پیش کئے جاتے ہیں۔

چنانچہ لکھتے ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں رجم کا سب سے زیادہ مشہور واقعہ ماعز (رضی اللہ عنہ) کے رجم کا ہے اس شخص کے بارے میں کتابوں میں جو روایات ملتی ہیں۔ ان میں نہایت عجیب قسم کا تناقض ہے بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ (ماعز) بڑا بھلا مانس تھا۔ اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نہایت بدخصلت گنڈا تھا۔ میری رہنمائی کے لئے یہ بات کافی ہے کہ نبی صلے اللہ وسلم نے اس کو رجم کی سزا دلوائی اس وجہ سے میں ان روایات کو ترجیح دیتا ہوں جن سے اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بنا پر یہ (ماعزؓ) مستحق رجم ٹھہرا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کسی غزوہ کے لئے نکلتے تو یہ پیچھے سے دبک کر بیٹھ رہتا۔ اور مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر شریف بہو بیٹیوں کا تعاقب کرتا۔ بعض روایات سے اس تعاقب کی نوعیت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس طرح تعاقب کرتا جس طرح بکرا بکریوں کا تعاقب کرتا ہے۔ بعض روایات

پہلا جو حکم جاری فرمایا وہ عبید اللہ بن عمرؓ کی گرفتاری کا تھا۔ ادھر تو آپ کی للّٰہیت پورے عروج پر نظر آرہی ہے۔ مگر نبیؐ کا دوسرا داماد اور محسنِ اسلام چالیس پچاس دن بھوکا پیاسا محصور ہے اور اسے مسجد میں بھی آنے سے روک دیا جاتا ہے۔ یہاں آپ کی للّٰہیت اس سے ہزارویں مقام پر بھی نظر نہیں آتی۔ اور پھر شہادتِ عثمانؓ کے بعد آپ بالکل قاتلینِ عثمانؓ کے ہو کر رہ گئے۔ انہی لوگوں نے آپ کو آڑ کے طور پر استعمال کرنے کے لئے خلیفہ منتخب کیا۔ انہی کے ایماء سے آپ نے "تمدلا یجاوزونک" سے آنکھیں موند کر مدینہ چھوڑا اور کوفہ کو مستقر خلافت بنایا۔

(بقیہ حاشیہ) میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ کہ یہ عورتوں کے پیچھے یَنِبُّ نَبِیبَ التَّیْسِ (سانڈ بکرے کی طرح آواز بو۔ بو کر کے عورتوں کا پیچھا کرتا۔ اصل کتاب میں یہ ترجمہ نہیں ہے)۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی شرارتوں کی خبر ملتی رہی۔ لیکن چونکہ کسی صریح قانون کی گرفت میں یہ نہیں آیا تھا۔ اس وجہ سے آپؐ نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ بالآخر یہ قانون کی گرفت میں آگیا۔ آپؐ نے اس کو بلا کر نہایت تیکھے انداز میں پوچھ گچھ کی۔ وہ تاڑ گیا کہ اب بات چھپانے سے نہیں چھپ سکتی۔ اس وجہ سے اس نے جرم کا اقرار کر لیا۔ جب اقرار کر لیا تو آپ نے اس کے رجم کا حکم دے دیا۔ اس کے رجم کے بعد لوگوں کا عام تاثر جو روایات سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ تھا کہ بہت سے لوگوں نے یہ کہا۔ کہ اس شخص کی شامت نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ یہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔" اگرچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے رجم کے بعد اس کے بارے میں کفِ لسان کی ہدایت فرمائی۔ لیکن عام تاثر لوگوں کا یہی تھا۔ تدبرِ قرآن جلد ۴ ص ۵۰۵-۵۰۶

اس حوالہ میں توسین میں الفاظ میرے اپنے ہیں۔

تاثرات۔ حضرت ماعزؓ کے متعلق یہ الفاظ ۱۔ نہایت بدخصلت گنڈا۔

۲۔ جنگ کے ایام میں چھپ کر بیٹھ رہتا۔ اور موقعہ ملنے پر گناہ کی گھات لگاتا۔

۳۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کی شرارتوں کی رپورٹ ملتی رہتی۔

۴۔ وہ خود حاضرِ عدالت ہونے سے کتراتا رہا۔ جب قطعی حالات کھل گئے تو پھر کہیں حاضرِ عدالت ہوا اور اقرار کر لیا۔

۵۔ لوگوں کا تاثر اس کے متعلق اچھا نہ تھا۔

ان حالات میں صدیقۂ کائنات رضی اللہ عنہا نے جو کچھ کیا وہی حق تھا۔ آپ کو جنگ جمل میں شکست ہوئی یا لڑائی برابر رہی یا آپ کامیاب ہو جاتیں نتیجہ تینوں صورتوں میں ایک ہی نکلتا۔ ذرا اصل حقیقت کی طرف رجوع کیجئے۔ جنگ جمل دراصل ان "مجوس و یہود" کے خون آشام جبڑوں میں آہنی لگام تھی۔ اگر "صدیقۂ کائنات رضی اللہ عنہا" مبنی برحق موقف اختیار فرما کر یہ جرأت نہ فرماتیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے وہ لشکری جن کی باگ ڈور عبد اللہ بن سبا کے چیلوں اور اشتر نخعی کے ہاتھوں میں تھی وہ مادر پدر آزاد گروہ جو دو مہینے مدینۃ النبی کی گلیوں میں دندناتا رہا اور قطع نظر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود کچھ نہ کر سکے ———— عالم اسلام کے لئے ایک عظیم المیہ ثابت ہوتا۔

(بقیہ حاشیہ) صحیح روایات میں اس کا چھپ جانا جنگ میں شمولیت سے کترانا۔ اور لوگوں کی عزتوں سے کھیلنے کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔ یہ محض اتفاقی بشری لغزش اور خطا تھی مگر اس کی نیک نفسی اور پاک طینتی دیکھیے کہ گناہ کر چکنے کے بعد وہ خود ہی متاسف ہوا۔ اور اپنے آپ کو از خود قانون کے حوالے کر دیا۔

مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق اس قسم کی رائے۔ اور اس کے بین السطور سے جو تاثرات ابھرتے ہیں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عفت اور صالحیت کو انتہائی مجروح اور ناقابل اعتبار ٹھیراتی ہے۔ کاش کہ اصلاحی صاحب کی نظر سے صحیح مسلم کی یہ روایت گذری ہوتی۔

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ماعز رضی اللہ عنہ بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے پاک کیجئے۔ پس فرمایا نبی علیہ السلام نے افسوس ہے تجھ پر پس لوٹ جا اور استغفار کر اللہ تعالیٰ سے اور رجوع کر طرف اس کی۔ کہا راوی نے کہ ماعز رضی اللہ عنہ تھوڑی دور گیا اور پھر لوٹ آیا۔ اور پھر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے پاک کیجئے۔ پھر نبی علیہ السلام نے اسی طرح فرمایا۔ یہاں تک کہ چار بار ایسا ہوا۔ فرمایا نبی علیہ السلام نے اس کو تجھے بیچ کس چیز کے پاک کروں۔ کہا ماعز رضی اللہ عنہ نے زنا سے۔ فرمایا نبی علیہ السلام نے کیا اس کو جنون ہے پس خبر دیئے گئے آپ نہیں اس کو جنون۔ پھر فرمایا نبی علیہ السلام نے کیا پی ہے اس نے شراب پس کھڑا ہوا ایک آدمی اور سونگھی اس نے بو اس کے منہ کی پس نہ پائی اس سے بو شراب کی۔ پھر فرمایا آپ نے کیا زنا کیا ہے تو نے کہا ہاں پس حکم

اور سیدنا علیؓ جس طرح سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے معاملہ میں بے بس محض رہے اب ان لوگوں کے سامنے جنہوں نے ان کو تاج خلافت پہنایا تھا ——— بالکل مجبور ہو کر رہ جاتے۔ میں کہتا ہوں جنگ جمل صرف عالم اسلام کے لیے ہی باعث رحمت ثابت نہ ہوئی۔ بلکہ سیدنا علیؓ پر بھی صدیقہ کائناتؓ کا احسان عظیم تھا۔ یعنی وہ سبائی اور مجوسی لوگ اسلامی قوت سے مرعوب ہو کر سیدنا علیؓ کو اپنا ملجا و ماویٰ سمجھنے پر مجبور ہو گئے۔ اگر صدیقہ کائناتؓ اس جنگ میں ان کی تخریب کارانہ سرگرمیوں کے سامنے بند نہ باندھتیں۔ تو وہ سیدنا علیؓ کا بھی ساتھ چھوڑ دیتے آخر آپؓ کی شہادت خود اس بات پر گواہ ہے۔

۲۔ اگر صدیقہ کائناتؓ خونِ عثمانؓ کا مطالبہ لے کر نہ اٹھتیں اور قاتلین عثمانؓ سیدنا علیؓ کے لشکر میں دندناتے پھرتے تو نبی علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کا غضب انہیں اس طرح اپنی گرفت میں لیتا کہ انکے مسلمان ساتھی بھی نہ بچ سکتے۔ سیدہ صدیقہؓ کا یہ فعل سیدنا علیؓ اور ان کے مسلمان لشکریوں پر احسان عظیم ہے۔

۳۔ الامامت والسیاست کے رافضی مولف نے سیدنا علیؓ کے مفروضہ خط میں جو یہ فقرات قلمبند کئے ہیں کہ

آپ دوسروں کے ابھارنے سے غصے میں آگئیں۔ یہ بہتان صرف صدیقہ کائناتؓ

(بقیہ حاشیہ) کیا آپؐ نے اس کے سنگسار کرنے کا پس سنگسار کیا گیا پس دو تین دن گزر گئے پھر آئے نبی علیہ السلام اور فرمایا کہ استغفار کرو تم واسطے ماعزؓ بن مالک کے تحقیق توبہ کی ماعزؓ نے ایسی توبہ کہ اگر تقسیم کی جائے درمیان امت کے البتہ کفایت کرے ان کو۔

یہی واقعہ معمولی سے تغیر لفظی کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ لفظ زیادہ ہیں کہ جب صحابہؓ کرام نے ماعزؓ کو رجم کرنے کے بعد نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ماعزؓ پتھروں کی ایذا سے بھاگ نکلا تھا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے اسے کیوں نہ چھوڑ دیا (ترمذی، ابن ماجہ) اور ایک روایت میں ہے کہ کیوں نہ تم نے اسے چھوڑ دیا شاید کہ وہ توبہ کرتا اور اللہ اس کی توبہ قبول کرتا۔

ابوداؤد میں یزید بن نعیم سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ہزالؓ کو فرمایا کہ اگر تو ماعزؓ کو

پر۔ نہیں باندھا گیا بلکہ سیدنا علیؓ جو حقیقت حال سے خوب واقف تھے ایسا ہرگز نہ لکھ سکتے تھے تو گویا مولف نے سیدنا علیؓ پر بھی بہتان باندھا ہے۔

"صدیقہ کائنات" کے مقام سے بے بہرہ لوگ ہی اس قسم کی بہتان تراشی کے مرتکب ہو سکتے ہیں ایسے لوگوں کو ایسے غیر ذمہ دارانہ الفاظ زبان سے نکالنے سے پہلے یہ سوچنا چاہیئے تھا کہ آیا صدیقہ کائناتؓ کی تمام زندگی میں کہیں ایک آدھ بار بھی ایسا مقام آیا ہے جس میں آپؓ نے جذبات میں بہہ کر کسی کی غلط بات کو تسلیم کیا ہو۔ صدیقہ کائناتؓ کی یہ اپنی صوابدید تھی۔ اور یہ عظیم فیصلہ تھا جو اس وقت اگر آپ نہ فرماتیں تو یقیناً تمام عالم اسلام سبائیت کے پنجوں میں تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیتا۔ آگے چل کر ان لوگوں کو مصر یا ادھر یا ایران میں جب حاکمیتیں ملیں تو ظلم کے عنوان سے وہ کون سا باب ہے جو اسلام کے خلاف انہوں نے قلمبند نہیں کیا۔ ہم قیامت تک صدیقہ کائناتؓ کے اس احسانِ عظیم سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

۴۔ عورتوں کو جنگ اور مردوں کے معاملات میں پڑنے کا کیا تعلق ؟

اس کے جواب میں میں شیعان علیؓ سے چند باتیں دریافت کرنے کی جسارت کرتا ہوں :

بقول روافض سیدنا علیؓ نبی علیہ السلام کے حکم کے مطابق سیدنا حسنؓ کو فرماتے ہیں :" اے حسنؓ میں تم کو وصیت کرتا ہوں جس طرح مجھے رسولؐ خدا نے

(بقیہ حاشیہ) اپنے کپڑے سے ڈھانکتا تو بہتر ہوتا۔ نبی علیہ السلام نے ہزالؓ کو اس لئے یہ فرمایا تھا کہ اسی کے کہنے سے حضرت ماعزؓ نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اعتراف گناہ کیا تھا۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سنگساری کے وقت ہی حضرت ماعزؓ اپنے اعتراف گناہ سے انکار کر دیتے یا ہزالؓ حضرت ماعزؓ کو خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر اعتراف زنا کا مشورہ نہ دیتے تو ان صورتوں میں بھی وہ سنگسار ہونے سے بچ جاتے۔

مگر اصلاحی صاحب نے حضرت ماعزؓ کے واقعہ پر کس قدر خود ساختہ روایات کے محل تیار کئے ہیں سیغب نبیب التیس کے الفاظ کے ساتھ مسلم میں ماعزؓ کا نام نہیں کیونکہ تخلف کے لفظ ہیں۔ پھر اصلاحی صاحب نے کیسے یہ الفاظ ماعزؓ پر چسپاں کر دیئے ہیں۔

کی ہے۔ اے فرزند! جب میں دنیا سے مفارقت کروں اور میرے اصحاب تجھ سے موافق نہ رہیں۔ اس وقت خانہ نشین رہنا۔ اور گناہوں پر رونا اور دنیا کو مقصود بزرگ نہ بنانا۔ (جلاء العیون اردو جلد اول صفحہ ۲۷۱ سطر ۱۱ تا ۱۳)

مشکوٰۃ باب مناقب عشرہ عن علیؓ حدیث ۵۸۵۳

مگر آپؓ نے سیدہ فاطمہؓ کو گدھے پر سوار کرکے گھر گھر پھرایا سا اور آپ اس حرکت سے اس قدر غمگین ہوئیں کہ حضرت سیدہؓ کی زبان سے سیدنا علیؓ کے متعلق اس ناہنجار گروہ نے یہ کلمات بھی ادا کرانے میں عار محسوس نہ کی۔

یا ابن ابی طالب اشتملت شملة الجنین وقعدت حجرة الظنین (احتجاج طبرسی)

اس کا ترجمہ حق الیقین کے مولف کی زبان سے سنیئے۔ یا ابن ابی طالب مانندِ جنین در رحم پردہ نشین شدہ ای و مثل خائنان درخانہ گریختہ۔ (صفحہ ۲۳۳)

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ہم مسلمان ایسے کلمات کے تصور سے بھی کانپ اٹھتے ہیں جو کلمات اس بدنہاد گروہ نے سیدہ فاطمہؓ کی زبان سے سیدنا علیؓ کے متعلق اپنی کتب میں درج کئے ہیں۔

اور پھر یہ بتایئے کہ سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے صحابہ کرامؓ کی تعداد کتنی تھی۔ نبی علیہ السلام تو پہلے ہی صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرکے سیدنا علیؓ کی خلافت کا فیصلہ فرما چکے تھے۔ ولا اراکم فاعلین مجھے امید ہے کہ تم علیؓ کو خلیفہ منتخب نہیں کرو گے۔ پھر نبی علیہ السلام کے ارشاد اور صحابہ کرامؓ کی مرضی کے خلاف قاتلین عثمانؓ کے کہنے سے یہ کانٹوں کا تاج سر پہ کیوں رکھا اور آپ کی خلافت امت کے لئے کس قدر باعث رحمت ہوئی۔

یعنی انارکی ہی انارکی، بدنظمی ہی بدنظمی۔

طبرسی رافضی کہتا ہے کہ حضرت علیؓ کو چالیس باوفا آدمی بھی نہ ملے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے چالیس باوفا آدمی مل جاتے تو میں ان غاصبین سے بحکم رسالت جہاد کرتا (احتجاج طبرسی صفحہ ۴۷-۴۸)

روافض غاصبین سے مراد صدیقہ کائناتؓ کے ساتھی اور سیدنا معاویہؓ کے ساتھی لیتے ہیں۔ مگر ان کے ساتھ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا تھا حقیقت میں غاصبین

سے مراد وہی سبائی گروہ تھا۔ رہا چالیس باوفا آدمیوں کا ذکر تو وہ صحابہ کرامؓ کا گروہ تھا۔ جن میں سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، سعید بن زیدؓ جو حضرت فاروقؓ کے بہنوئی تھے وغیرہ آپ کی ٹکر کے لوگ بھی تھے۔ مگر انہوں نے خانہ نشینی اختیار کر لی تھی۔

اور باقی سب صدیقہ کائناتؓ کے کیمپ میں تھے۔ اسی لئے شاہ ولی اللہ کو بھی لکھنا پڑا کہ علیؓ اپنی ذات میں خلیفہ تھے۔

اب ذرا ایک نظر سے صحیح بخاری کی ان روایات کو بھی دیکھ لیجئے:

عبدان، عبداللہ، یونس، ابن شہاب، ثعلبہ بن ابی مالک سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ نے مدینہ کی عورتوں کو کچھ چادریں تقسیم کیں تھیں۔ تو ایک نہایت عمدہ چادر بچ گئی۔ پاس بیٹھنے والوں میں سے کسی نے کہا کہ "امیرالمومنین یہ چادر آپ رسول اللہؐ کی صاحبزادی یعنی نواسی ام کلثومؓ جو علیؓ کی بیٹی ہے اور آپ کے نکاح میں ہے اُسے دے دیجئے۔"

عمرؓ نے کہا ام سلیطؓ اس سے زیادہ مستحق ہے۔ ام سلیطؓ انصاری خواتین میں سے تھیں۔ جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ عمرؓ نے کہا۔ وہ ہمارے لئے احد کے روز مشکیں بھر بھر کر لاتی تھیں۔

○ علی بن عبداللہ، مبشر بن مفضل، خالد بن ذکوان ربیع بنت معوذ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم جہاد میں رسول اللہؐ کے ہمراہ جایا کرتے تھے اور پانی پلاتے تھے اور زخمیوں کا علاج کرتے تھے اور زخمیوں اور مقتولوں کو اٹھا کر مدینہ لاتے تھے۔

جن لوگوں نے بخاری کی اس روایت کو اپنے استدلال کی سند میں پیش کیا کہ سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم جہاد کو سب سے افضل نیکی سمجھتی ہیں تو کیا ہم جہاد نہ کریں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارے لئے سب سے افضل نیکی حج مقبول ہے۔

مگر اس طرف توجہ کیوں نہ دی گئی کہ ان عورتوں کو جو نبی اکرمؐ کے ساتھ جہادی لشکر میں شامل گھروں سے نکلتی رہیں انہیں واپس گھروں میں کیوں نہ بھیج دیا۔ بات کے دونوں رُخ سامنے رکھیئے اور خواہ مخواہ ایک رُخ کی تائید میں

رطب و یابس قسم کے دلائل و نظائر کو جمع نہ کیجئے۔ بلکہ دوسرے رُخ کو بھی دیکھیئے۔ کہ عورتوں کی جہاد میں شرکت کے حق میں کس قدر تصریحات موجود ہیں۔ آپ کو صاف نظر آئے گا کہ موخر الذکر رُخ کے حق میں دلائل زیادہ قوی ہیں۔ اسی لئے مودودی صاحب تک کو اس مسئلہ میں رجوع کرنا پڑا۔

اور سچ یہ ہے کہ ان کی تمام زندگی میں صرف یہی ایک مسئلہ ایسا ہے جس سے انہوں نے رجوع کیا۔

ولو فرضنا ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ آپ نے عورتوں کو جہاد میں شامل ہونے سے منع فرمایا تھا۔ تو ان احادیث کی کیا توجیہہ ہو گی۔ جب ایک شخص نے حج کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے پوچھا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں۔ اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہؐ تو آپؐ نے فرمایا جاؤ ان کی خدمت کرو۔ اور اس روایت کا کیا مفہوم اخذ کیا جائے گا۔ جب ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا نام فلاں جہاد میں لکھ لیجئے اور میری بیوی حج کے لئے جا رہی ہے۔ فرمایا۔ لوٹ جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

اب جن کے ماں باپ زندہ ہیں وہ ان کی اجازت سے بھی حج نہ کریں اور جن کی بیویاں حج کے لئے تیار ہو چکی ہیں اور دشمن سرحدوں پر موجود ہے وہ اپنی بیویوں کو لے کر حج کے لئے روانہ ہو جائیں۔ اللہ اللہ خیر سلّا

نبی اکرمؐ کے ارشادات کی ایسی سمجھ سے اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔

اب ہم عقلی نقطہ نگاہ سے واقعہ جمل کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

فریقین ہیں صدیقہ کائناتؓ اور سیدنا علیؓ۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہر دو میں سے کس کا موقف قرین صواب ہے۔ "صدیقہ کائناتؓ" کا موقف یہ ہے کہ سیدنا علیؓ قاتلین عثمانؓ کی حمایت سے دستبردار ہو کر ان پر حد جاری کریں اور آپ اس موقف پر اس لئے ڈٹی ہوئی ہیں کہ حدیبیہ کے مقام پر تمام امت خون عثمانؓ کے قصاص پر بیعت کر چکی تھی۔ اور وہ لوگ اس بیعت سے انحراف کو بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ "صدیقہ کائناتؓ" کا اگر یہ موقف تسلیم کر لیا جاتا تو لازماً سیدنا علیؓ کی خلافت تسلیم کر لی جاتی اور صفین کا المیہ بھی اپنی موت آپ مر جاتا۔ مگر سیدنا علیؓ کو معلوم اس فتنہ پرداز گروہ نے کس طرح دھوکے دیئے کہ آپ کی نظروں سے داذا جئۃ اُمّھٰتُھُم کا تقدس بھی

ادھجل ہو کر رہ گیا۔ آخر آپ کا اس جنگ میں موقف کیا تھا؟ آپ اپنی اس بیش رفت کو دین کی کس روشنی میں لے کر اُٹھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ فتنہ کو مٹانا چاہتے تھے تو وہ کونسا فتنہ تھا جسے آپ مٹانا چاہتے تھے۔ فتنہ میں تو وہ خود گھرے ہوئے تھے اور فتنے کی وکالت میں وہ اپنی اس ماں سے اُلجھ گئے جن کے متعلق نبیؐ بارہا فرما چکے تھے کہ تم مجھے عائشہؓ کے معاملہ میں ایذا نہ دو۔

سیدنا علیؓ کے ساتھ کس قدر صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ اس بات کا کبھی کسی کے پاس کوئی جواب نہیں۔ بہتر طریقہ تو یہ تھا کہ ہم اس معاملہ میں بالکل خاموش رہتے مگر جب چند حواس باختہ لوگوں نے "سیدہ صدیقہؓ" کا موقف ہی صحیح تسلیم نہ کیا تو لا محالہ اصل صورت واضح کرنا ضروری ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ سیدہ صدیقہؓ مکہ سے بصرہ کیوں گئیں۔ مگر یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ سیدنا علیؓ مدینہ سے کوفہ کیوں گئے بیعت رضوان سے متعلق آدھی آیت تو بار بار دہرائی جاتی ہے مگر آدھی آیت فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ بالکل نظر انداز کر دی جاتی ہے آخر کیوں؟

واقعہ حواب

صدیقہ کائناتؓ کے سفر بصرہ کے متعلق ایک اور عجیب داستان تراشی گئی۔ اور پھر موقع محل کے مطابق ایک حدیث بھی تیار کر لی۔ یعنی نبی علیہ السلام نے ایک دفعہ ازواج مطہراتؓ کو مخاطب کر کے فرمایا

○ کان احدکن تنبحہا الکلاب الحواب فایاک ان تکونی یا حمیرا۔
گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے ایک پر حواب کے کتے بھونکتے ہیں۔ پس اے حمیرا (حضرت صدیقہؓ) تو وہ نہ ہونا۔

⊙ عن ام سلمۃ قالت ذکر النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام خروج امہات المومنین فضحکت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقال انظری یا حمیراء ان لا تکونی انت حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کے سامنے بعض ازواج کے خروج کا ذکر کیا گیا تو حضرت عائشہؓ ہنسنے لگیں تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے حمیرا (حضرت صدیقہؓ) تم ایسا نہ کرنا۔

اسی کذاب راوی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ جب حواب کے مقام پر پہنچیں

اور کئے بھونکنے تو آپ رض نے اس مقام کا نام دریافت فرمایا۔ آپ رض کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اس مقام کا نام حوأب ہے۔ آپ رض یہ سن کر اسی مقام پر رک گئیں اور واپسی کا ارادہ کر لیا۔ حضرت طلحہ رض اور حضرت زبیر رض نے پچاس اہل طمع سے حلفیہ گواہی دلوائی کہ اس مقام کا نام حوأب نہیں۔ چنانچہ اسلام میں یہ پہلی جھوٹی گواہی ہے

ابن جریر طبری نے اس مکذوبہ روایت پر ایک خصوصی باب باندھا ہے۔ اور ابو مخنف لوط بن یحیٰ متوفی ۱۷۰ جیسے معروف کذّاب کی اسناد ترک کر کے اپنی اسناد اس طرح لکھی ہیں :

حدثنی اسماعیل بن موسٰی الفزاری قال اخبرنا علی بن عابس الازرق قال حدثنا ابوالخطاب الهجری عن صفوان بن قبیصہ الاحمسی قال حدثنی العرنی صاحب الجمل (طبری ج ۶ صفحہ ۱۷۰)

ابن جریر طبرستان میں آمل کے مقام پر ۲۲۴ھ میں پیدا ہوا اور ۳۱۰ ہجری میں بغداد میں فوت ہوا۔ اسماعیل ۲۴۵ھ میں کوفہ میں مرا یعنی جب اسماعیل مرا اس وقت طبری کی عمر بیس اکیس سال تھی اور وہ ان دنوں ابھی آمل سے ہی نہیں نکلا تھا۔ تو اس نے کس طرح اسماعیل سے سنا۔ اسماعیل کے متعلق امام ذہبی محدث ابن عدی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ وہ غالی شیعہ تھا اور ایسا خبیث النفس تھا کہ صحابہ کرام رض پر سب و شتم کرتا تھا (میزان الاعتدال ص۱۱۱ جلد۱)

دوسرا راوی جس نے فزاری جیسے فاسق سے روایت کی ہے علی بن عابس نہیں بلکہ علی بن عباس ہے اس کے متعلق امام ذہبی کہتے ہیں۔ علی بن عباس الازرق الاسدی کوفی علاء بن مسیب اور ابن سلیم وغیرہما سے روایت کرتا ہے اور عباس نے ابن معین سے بیان کیا ہے یہ علی بن عباس لیس بشیٔ تھا۔ علامہ جوزجانی، امام نسائی اور ازدی اس کو ضعیف کہتے ہیں اور امام ابن حبان لکھتے ہیں کہ یہ ایسی فاحش خطائیں کرتا تھا کہ جن کی وجہ سے چھوڑ دینے کا مستحق قرار دیا گیا۔

تیسرا راوی ابوالخطاب الہجری ہے۔ جس کو تہذیب التہذیب میں ابن حجر نے مجہول کہا ہے۔ چوتھا راوی صفوان بن قبیصہ الاحمسی ابوالخطاب کی طرح مجہول ہے (میزان الاعتدال)

پانچواں راوی عرینہ تھا یہ کا کوئی نامعلوم الاسم مجہول القسم اونٹ والا ہے۔
جس سے حضرت صدیقہؓ کے لئے اونٹ خریدنا بیان کیا گیا ہے۔ طبری کی زبان
سے رفض کے مردڑ نے یہ کذب تخلیق کرانے وقت دروغ گورا حافظہ نباشد
کے مصداق اصل واقعہ جو اس سے پہلے وہ اپنی تاریخ میں لکھ چکا تھا اوجھل کر ادیا۔
صدیقہ کائناتؓ کے متعلق طبری نے یہ داستان بعد میں لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو
ترجمہ طبری حصہ سوم خلافت راشدہ حصہ سوم صفحہ ۸۶)
اب اصل واقعہ اسی طبری کی زبان سے سنیئے۔ جو اس کذب سے پہلے لکھ چکا تھا۔
سہیل اور یعقوب سے مروی ہے کہ غطفان نے شکست خوردہ اور مفرور لوگ
ظفر آئے۔ یہاں ام زمل سلمیٰ مالک بن حذیفہ بدر کی بیٹی جو اپنی ماں ام قرفہ بنت ربیعہ
بن خلال بن بدر کے بالکل مشابہ تھی رہا کرتی تھی۔ ام مالک بن حذیفہ کی بیوی تھی۔
اور اس کے بطن سے مالک کی اولاد قرفہ، حکمہ، جرانشہ، زمل، حصین، شریک، عبد
زفر، معاویہ، حملہ، قیس اور لایہ پیدا ہوئے۔ ان میں سے حکمہ کو رسول اللہؐ نے
اس روز جبکہ عیینہ بن حصن نے مویشیوں پر غارت گری کی قتل کا حکم دیا۔ ابوقتادہؓ
نے حکمہ کو قتل کر دیا۔

غرضیکہ یہ تمام مفرور سلمہ کے پاس جو عزت میں اپنی ماں جیسی تھی جمع ہوئے۔
اس نے ان لوگوں کو ان کی شکست پر غیرت دلائی۔ اور جنگ کا حکم دیا۔ اور پھر خود بھی
قبائل میں گھوم گھوم کر ان کو خالدؓ کے مقابلہ پر اکسایا۔ اس طرح ایک بڑی جماعت
اس کے پاس جمع ہو گئی۔ اور اب وہ پھر جنگ کے لئے دلیر ہو گئے۔ ہر جانب سے
بچھڑے بھٹکے لوگ اس کے پاس آ گئے۔

ام قرفہ کی زندگی میں اس سے قبل یہ قید ہو کر سیدہ صدیقہؓ کو ملی تھی۔ انہوں
نے اُسے آزاد کر دیا تھا۔ وہ عرصہ تک اُم المومنینؓ کے پاس رہی پھر اپنی قوم میں
چلی گئی۔

ایک مرتبہ رسول اللہؐ حضرت صدیقہؓ کے پاس آئے اور فرمانے لگے تم میں
سے ایک حوأب کے کتے بھونکائے گی۔ سلمہ نے مرتد ہو کر رسول اللہؐ کی اس بات کو
پورا کیا۔ اس نے اپنے مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے ظفر سے حوأب تک کئی چکر لگائے۔

غطفان، ہوازن، سلیم، اسد اور طئے کے تمام وہ لوگ جو جنگ سے منفرد ہو کر بے یار و مددگار مصیبت کے دن بسر کر رہے تھے۔ اس کے پاس ایک اور کوشش کرنے کے لئے جمع ہو گئے۔

خالدؓ کو اس کی اطلاع ہوئی وہ اس وقت مجرموں کی گرفتاری، زکوٰۃ کی تحصیل، دعوت اسلام اور لوگوں کی تسکین میں منہمک تھے۔ اس عورت کے مقابلہ پر بڑھے۔ اب تک اس کی شوکت اور طاقت بہت بڑھ چکی تھی اور اس کا مقابلہ اب آسان کام نہیں رہا تھا۔ خالدؓ اس کے اور اس کی جمعیتوں کے مقابل جنگ کے لئے زور کش ہو گئے۔ نہایت شدید اور خون ریز جنگ ہوئی وہ جنگ کے وقت اپنی ماں کی طرح اس کے اونٹ پر اپنی فوج کو لڑا رہی تھی۔ اسی روز خاصی کے حجر بنی غضبہ کا ایک خاندان اور حاربہ اور غنم کے خاندان کے خاندان صاف ہو گئے۔ کاہل کے کئی آدمی کام آئے۔ یہی بہت زیادہ جان بازی سے لڑے تھے آخر کار خالدؓ کے شہسواروں نے اس اونٹ پر یورش کر کے اسے ذبح کر ڈالا اور سلمیٰ کو قتل کر دیا۔ اس کے اونٹ کے گرد تقریباً سو آدمی مارے گئے۔ (ترجمہ تاریخ طبری حصہ دوم خلافت راشدہ صفحہ ۸۲-۸۳)

اس واقعہ میں طبری خود حوأب کا نام لکھتا ہے۔ مگر جب اُسے رفض کا مروڑا اٹھا تو مکہ اور بصرہ کے درمیان "حوأب" کی تخلیق کر کے تمام واقعہ صدیقہؓ کائنات رضی کی طرف منسوب کر دیا۔

یہی واقعہ ذرا اختصار سے ابن خلدون نے بھی لکھا ہے (ملاحظہ ہو تاریخ ابن خلدون حصہ اول رسولؐ اور خلفائے رسولؐ صفحہ ۲۴۰) اور تاریخ اکبر شاہ خان نجیب آبادی حصہ اول صفحہ ۲۹۲)

مکہ سے بصرہ کے درمیان اکیس منزلیں پڑتی ہیں۔ قدیم مولف ابو الفرج قدامہ بن جعفر متوفی ۲۹۰ھ نے اپنی تالیف الخراج وصنعة الکتابة میں مکہ سے بصرہ تک کی تمام منازل کے نام لکھے ہیں۔ ان میں حوأب نام کی کوئی منزل تو درکنار کوئی معمولی بستی بھی نہیں۔ اب بھی جسے شوق ہو مکہ سے بصرہ تک کا سفر کر کے دیکھ لے

واقعہ حوأب کی روایت مسند جلد ۶ صفحہ ۵۲ میں اسماعیل بن ابی خالد کے واسطہ سے قیس بن ابی حازم سے مروی ہے۔ قیس پر اکثر محدثین نے تنقید کی ہے اور

اُسے ضعیف منکر الروایۃ اور ساقط الحدیث کہا ہے اور حوالے والی روایت کی صحت پر کلام کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب)

مسند کا جامع اوّل ابوبکر رافضی تھا جو بظاہر شافعی تھا۔ دنیائے شیعیت کا مشہور علامہ شیخ حلی اپنی تالیف خلاصۃ الاقوال میں لکھتا ہے: ابوبکر الشافعی مولدہ سنۃ احدی و ثمانین ومأتین الحسینیۃ وکان علی الظاہر یتفقہ علی مذہب الشافعی ویبدی دای الشیعۃ الامامیۃ فی الباطن وکان فقیہا علی مذہبین کتب (خلاصۃ الاقوال) ص۷

ابوبکر شافعی حسینی سال کے حساب سے ۲۸۱ھ[1] میں پیدا ہوا۔ بظاہر شافعی فقہ پر چلتا تھا مگر باطن میں شیعہ امامیہ تھا۔ دونوں مذاہب کا فقیہ تھا اور دونوں مذہبوں پر اس کی کتابیں ہیں۔

ابوبکر شافعی اور اس کے شاگرد ابوبکر قطیعی نے امام احمد بن حنبل اور ان کے بیٹے عبداللہ کی کچھ حدیثیں لے کر ان میں جا بجا اپنے مسلک کے مطابق قطع و برید کر کے مذہب شیعہ کی روایات تھوڑے رد و بدل کے ساتھ مناسب اسناد کی پیوندکاری کر کے یہ مجموعہ احادیث مدون کیا۔[2]

مغازی و سیر کی تمام کتب میں مذکور ہے کہ نبی علیہ السلام نے ۶ھ میں حضرت زید بن حارثہؓ کو ایک سریہ پر متعین فرما کر بنو فزارہ کے سرکش قبیلہ کی طرف بھیجا۔ اس سریہ میں ام قرفہ نامی ایک عورت معہ اپنی بیٹی ام زمل گرفتار ہوئی۔ ام قرفہ پاداشں جرم میں قتل ہو گئی۔ اور اس کی بیٹی زمل جنگی قیدیوں کی تقسیم میں صدیقہ کائناتؓ کے حصے میں آئی۔ حضرت صدیقہؓ نے اسے آزاد کر دیا۔ اور وہ اپنے قبیلہ میں واپس چلی گئی۔

---

[1] یہاں حسینی سال ایک معمہ ہے۔ علامہ تمنا عمادی نے تاریخ مسند میں اس کا ذکر کیا ہے۔ بقول روافض بعثت نبوی سے آٹھ سال پہلے نبی علیہ السلام نے حضرت حسینؓ کے بارے میں ایک خواب دیکھا۔ اس سال سے یہ لوگ سن حسینی شمار کرتے ہیں۔

[2] تفصیل کے لئے تاریخ مسند احمد القصیدۃ الزہرا علامہ تمنا عمادی صفحہ ۴۹ تا ۵۵ دیکھیے

حوأب کے مقام پر باغیوں کو جمع کرنے والی یہی "ام زمل سلمیٰ" تھی۔ جیسے نبی علیہ السلام نے امہات المومنین کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمایا تھا کہ تم میں سے وہ کون ہوگی جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔

تاریخ کے حقائق سے دار المصنفین اعظم گڑھ نے بھی بڑی بے خبری کا ثبوت دیا ہے۔ سید سلیمان ندوی نے اپنی تالیف سیرت عائشہ میں "طبری وغیرہ تاریخ کی کتابوں" کو سند تسلیم کرتے ہوئے اس کذب و افترا سے بھرپور داستان کو درج کیا ہے وفات عائشہؓ کے رافضی مؤلف نے بھی اپنے روحانی اجداد طبریؒ مولف کتاب الامامۃ والسیاسۃ اور اعثم کوفی کے حوالوں سے ثلاثہ خانی کی ہے۔

اس داستان کذب کے خالق نے اپنی خود تراشیدہ روایات میں "حمیرا" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ اگر سیرت عائشہؓ کے مولف ذرا دقت نظری سے کام لیتے تو انہیں خود بخود معلوم ہو جاتا کہ یہ روایت سراسر وضعی ہے۔

ایاک ان یکونی یا حمیرا کے مردود الفاظ معتبر کتب اہل سنت میں نہیں۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر نصف روایت وضعی ہے تو باقی نصف کی صداقت کی کیا سند ہو سکتی ہے۔

ا: کل حدیث فیہ یا حمیراء فھو موضوع - ہر وہ روایت جس میں لفظ یا حمیراء ہے موضوع ہے (موضوعات کبیر حرف یا ص۱۴۳)

ب: وکل حدیث فیہ یا حمیراء او ذکر الحمیراء فھو کذب - ہر وہ روایت جس میں لفظ حمیراء ہے یا ذکر حمیراء ہے جھوٹی ہے۔
(موضوعات کبیر ص۱۵۰)

سبائیت نے ایک داستان تراشی، اس کے داستان گو اسے لے کر قریہ قریہ اور ہر بستی میں پہنچ گئے۔ بس پھر کیا تھا اس کذب کی تکرار نے صداقت کی شکل اختیار کر لی۔ کس کس کا ذکر کیا جائے۔ ہمارے

ع "ہست قرآں در زبان پہلوی"

کے خالق بھی کلمینی یا حمیرا کلمتی پکار اٹھے۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا ■

وفات عائشہؓ کا — رافضی مولف لکھتا ہے کہ یعلی بن منیہ نے ایک گراں قیمت ناقہ خرید کر بطور نذرانہ بی بی عائشہؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور اس موقع پر آپ اسی ناقہ پر رونق افروز تھیں اور اسی کے نام سے اس جنگ کا نام جنگ جمل مشہور ہو گیا۔ جب یہ قافلہ قطع منازل اور طے مراحل کرتے ہوئے آب حوأب کے قریب پہنچا تو وہاں کے کتوں نے اونٹ کے گرد جمع ہو کر بھونکنا شروع کر دیا۔ عائشہؓ نے دریافت کیا۔ اس پانی کا کیا نام ہے۔ دلیل قافلہ نے کہا اسے حوأب کہتے ہیں۔ یہ سن کر عائشہؓ سن سے ہو گئیں اور زور سے کہا انا للّٰہ و انا الیہ راجعون مجھے واپس لے جاؤ۔ لوگوں نے کہا کیوں۔ عائشہؓ نے کہا۔ ایک دن ہم سب ایک جگہ بیٹھے تھے۔ آنحضرتؐ نے ہم سب سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کونسی عورت ہے جو ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو گی۔ اور حوأب کے کتے اس پر بھونکیں گے۔ حالانکہ وہ عورت باغیوں کے گروہ سے ہو گی۔ یہ کہہ کر عائشہؓ نے اپنا اونٹ بٹھا دیا۔ اور کہا میں ہرگز نہ جاؤں گی۔ طلحہؓ و زبیرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا کہ دلیل راہ جھوٹ کہتا ہے۔ اس مقام کو حوأب نہیں کہتے۔ اس کے بعد پچاس آدمیوں سے انعام و اکرام کا وعدہ کر کے گواہی دلوائی کہ یہ مقام حوأب نہیں ہے۔ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اسلام میں یہ سب سے پہلا جھوٹا حلف ہے۔ جو عائشہؓ کے سامنے کیا گیا۔ اس واقعہ کے حوالے کے طور پر طبری، ابوالفداء، کتاب الامامۃ والسیاسۃ، روضۃ الصفاء اور اعثم کوفی کے نام لکھے ہیں۔

طبری رافضی تھا۔ الامامت والسیاست کسی رافضی کی تالیف ہے جو ابن قتیبہ کے نام سے منسوب کی گئی ہے ابوالفدا بھی رافضی تھا (کتاب التلبیس جلد ۲ صفحہ ۹۰-۱۰۰)
روضۃ الصفا محمد خاوند ہروی رافضی کی تالیف ہے (کتاب التلبیس جلد ا صفحہ ۷۰)
اعثم کوفی بھی رافضی تھا (تحفہ اثنا عشریہ ۳۳۶) گویا واقعہ حوأب کے تمام راوی سبائی ہیں اور سلفیوں نے سنت کو چھوڑ کر اپنے ذہنوں کو مسخ کر کے سبائی دنیا کے مفوت سن کر ان کی نشر و اشاعت کو ہی دین کی خدمت سمجھ بیٹھے۔

جنگِ جمل کا پس منظر

سیدنا ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی بے کسانہ، بے دردانہ اور مظلومانہ شہادت صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کیلئے ایک عظیم المیہ تھی۔ آپ اس حقیقت سے بھی خوب باخبر تھیں کہ سوائے ببر سے اب قاتلین سیدنا ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے والا کوئی نہیں۔

آپ فطرتاً شجاع، عالی حوصلہ، جری اور بلند ہمت تھیں۔ اس سے پہلے جنگ بدر میں شامل رہ چکی تھیں اور جنگِ احد میں عملاً حصہ لے چکی تھیں (بخاری)

غزوۂ خندق میں بھی زنانہ قلعہ سے نکل کر میدان جنگ کی حالت دیکھتی رہتی تھیں۔ (مسند احمد بن حنبلؒ)

حضرت صدیقہ کی مکہ سے روانگی

حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما مدینہ سے خدمت میں پہنچ چکے تھے اور انہوں نے مدینہ کے حالات جو بیان کئے ان سے آپؓ بے قرار ہو گئیں پہلے آپ کا خیال تھا کہ مدینہ کا رُخ کیا جائے۔ مگر ایک مجلس میں فیصلہ ہوا کہ بغاوت کے جراثیم بصرہ اور کوفہ سے پھوٹتے ہیں پھر جو اطلاع ملی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ قاتلین سیدنا ذوالنورین رضی اللہ عنہ میں سے سات سو آدمی لے کر عازم کوفہ ہو چکے ہیں۔ کوفہ، بصرہ اور مصر کے باغیوں کی تعداد اٹھارہ سو تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بصری اور مصری باغیوں نے مدینہ سے ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ صرف کوفی باقی تھے۔

صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا نے عازم بصرہ ہونے کا اعلان فرمایا تو ابن عامر اور ابن منبہ عرب کے دو رئیسوں نے کئی لاکھ درہم اور سواری کے اونٹ پیش کئے۔ حرمین کے چھ ہزار آدمیوں نے آپؓ کا ساتھ دیا۔

امہات المومنین رضی اللہ عنہن اور عام لوگوں نے دور تک مشایعت کی عجیب دردناک منظر تھا۔ خلیفہ اسلام شہید ہو چکے تھے مدینۃ النبی میں دو مہینے تک باغی دندناتے پھرتے رہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ چھوڑ دیا۔ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا مکہ سے رخصت ہو رہی ہیں۔ ہر آدمی جسے آپؓ کے سفر کے متعلق معلوم ہوتا ہے اپنی جگہ سہما کھڑا ہے۔

عثمان بن حنیف سیدنا علیؓ کی طرف سے بصرہ کا عامل تھا۔ اس نے ابوالاسود اور عمران کو اپنا سفیر بنا کر صدیقہ کائناتؓ کے حضور میں آمد کا سبب دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ سیدہ صدیقہؓ نے جواب میں ایک طویل تقریر فرمائی۔

صدیقہ کائناتؓ کا پہلا خطبہ :

سیدہ صدیقہؓ کی یہ تقریر آپ کے موقف کو واضح کرتی ہے :

خدا کی قسم میرے زتبہ کے اشخاص کسی بات کو چھپا کر گھر سے نہیں نکل سکتے۔ اور نہ کوئی ماں اپنے بیٹوں سے اصل حقیقت چھپا سکتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قبائل کے آوارہ گردوں نے حرم محترم مدینہ پر حملہ کیا۔ اور وہاں فتنے برپا کیے۔ اور بعض نے ان فتنہ پردازوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ اس بنا پر فتنہ پرداز خدا اور رسولؐ کی لعنت کے مستحق ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے بے گناہ خلیفہ اسلام کو قتل کیا۔ خلیفہ کے معصوم خون کو حلال جان کر بہایا۔ جس مال کا لینا ان کو جائز نہ تھا اس کو لوٹا۔ حرم محترم نبویؐ کی بے حرمتی کی۔ ماہِ مقدس کی توہین کی۔ لوگوں کی آبرو ریزی کی مسلمانوں کو بے گناہ مارا پیٹا۔ اور ان کے گھروں میں زبردستی گھس گئے۔ (واقعہ حرّہ کے فرضی مظالم کے خالق غور کریں۔ مولف) جو کسی بات کے روادار نہ تھے۔ ان فتنہ پردازوں کا وجود سراسر نقصاندہ تھا بیکدل مسلمانوں کو ان سے بچنے کی قدرت نہیں اور نہ ان کے شر سے مامون رہنے کی طاقت۔ ان حالات میں سیدہ صدیقہؓ پر فرض تھا کہ وہ ان کے خلاف اقدام کریں۔ مولف) میں مسلمانوں کو لے کر اس لئے نکلی ہوں تاکہ لوگوں کو بتاؤں کہ عام مسلمانوں کو جنہیں میں پیچھے چھوڑ آئی ہوں وہ اپنے آپ کو کس قدر خطرات میں گھرا ہوا پاتے ہیں (یہ حقیقت ہے کہ اگر سیدہ صدیقہؓ یہ اقدام فرما کر ان مادر پدر آزاد لوگوں کے منہ میں لگام دینے کا سبب نہ بنتیں تو وہ خود سر لوگ عالم اسلام کو تہ و بالا کر دیتے۔ المولف)

یہ لوگ کن جرائم کے مرتکب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لاخیر فی کثیر من نجواھم الامن امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس۔ یعنی ان کی سرگوشی میں کوئی زیادہ فائدہ نہیں لیکن یہ کہ خیرات یا عام نیکی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرائیں۔ ہم اصلاح کی دعوت لے کر کھڑے ہوتے ہیں جس کا خدا اور رسولؐ نے ہر چھوٹے بڑے اور زن و مرد کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا مقصد جس کی نیکی پر ہم تمہیں آمادہ کر رہے ہیں۔ اور جس کی برائی سے تمہیں روکنا چاہتے ہیں۔"

ابوالاسود اور عمران نے نہایت توجہ سے سیدہ صدیقہؓ کی تقریر سنی۔ پھر اُٹھ کر سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کے پاس گئے اور دوبارہ حضرت صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ ابوالاسود دیکھنا۔ تمہارا نفس تم کو دوزخ کی طرف نہ لے چلے۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط۔ خدا کے کام کے لئے آمادہ رہو اور انصاف کے گواہ بنو۔

اس وفد کا ایک رکن عمران جنگ سے کنارہ کش ہو گیا۔ اور عثمان بن حنیف کو بھی مشورہ دیا۔ مگر وہ باز نہ آیا۔

عثمان بن حنیف کا غدر

جمعہ کے دن اس کے ایما سے قیس نے مغالطہ آمیز منطقی استدلال سے اہل بصرہ کو ورغلانا چاہا مگر ایک اور آدمی نے کہا کہ یہ لوگ عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دینے کے معاملہ میں ہم سے مدد کے طالب گار ہیں۔ سیدنا طلحہؓ و زبیرؓ بھی پہنچ گئے۔ اور ایک ہنگامہ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ یہ دیکھ کر صدیقہ کائناتؓ خود موقع پر پہنچ گئیں اور نہایت پر جلال انداز میں حمد و نعت کے بعد فرمایا

صدیقہ کائناتؓ کا دوسرا خطبہ

لوگ عثمانؓ پر اعتراض کیا کرتے تھے اور ان کے عہدہ داروں کی برائیاں بیان کرتے تھے، مدینہ میں آکر صلاح و مشورہ پوچھتے تھے۔ ہم ان کو صلح و آشتی کے

کے متعلق جو رائے دیتے تھے وہ سمجھتے تھے عثمانؓ کے متعلق ان کو خوش کن باتیں تھیں۔ ان پر جب غور کرتے تھے تو وہ عثمانؓ کو بے گناہ، پرہیزگار، راست گفتار پاتے تھے۔ اور غدر کرنے والوں کو غدار، مکار، گنہگار اور دروغگو پاتے تھے مگر غدر کرنے والے بلا سبب عثمانؓ کے گھر میں گھس گئے اور جس کا خون بہانا جائز نہ تھا، اس کو بہایا، جس کا مال لینا جائز نہ تھا۔ اسے لوٹا جس سرزمین کا احترام ان پر فرض تھا اس کی بے حرمتی کی۔

ہاں ہشیار! وہ کام جو کرنا ہے اور جس کے خلاف کرنا زیبا ہے وہ عثمانؓ کے قاتلوں کی گرفتاری اور کلام الٰہی کے احکام کا مضبوطی سے اجراء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

الم تر الی الذین الخ (آل عمران-۳) کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو کتابِ الٰہی کا ایک حصہ دیا گیا کہ کتابِ الٰہی کی طرف ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ فیصلہ کرے پھر یہ حال ہے کہ ان کا ایک فرقہ اعراض کرتا اس سے منحرف ہوتا ہے۔

بعض کتب میں صدیقہ کائناتؓ کی جانب اس موقع کا ایک اور خطبہ منسوب کیا گیا ہے۔ جو فصاحت و بلاغت، استدلالات اور زورِ بیان میں اس سے بھی بہت زیادہ اہم ہے۔

صدیقہ کائناتؓ کا تیسرا خطبہ

لوگو! خاموش!! خاموش!!! ام المومنینؓ کے اس تخاطب پر مکمل طور پر خاموشی چھا گئی۔

تم پر میرا مادری حق ہے۔ اور مجھے نصیحت کرنے کی عزت حاصل ہے۔ ایسے لوگوں کے سوا جو اپنے رب کے فرمانبردار نہیں کوئی شخص الزام نہیں دے سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں وفات پائی کہ سرِ اقدس آنحضرتؐ کا فرقِ انور میرے سینہ پر تھا۔ میں آپؐ کی چہیتی بیویوں میں سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا۔ میری ذات سے مومن و منافق میں

تمیز ہوئی۔ اور میرے ہی سبب سے آیت تیمم نازل ہوئی۔ پھر میرا باپ دنیا میں حضرت خدیجہؓ اور حضرت زیدؓ کے بعد تیسرا مسلمان تھا اور غارِ ثور میں دو کا دوسرا تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جسے صدیق کے لفظ سے مخاطب کیا گیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رخصت ہوئے تو اس سے خوش ہو کر۔ اور اسے خلافت کا ہار پہنا کر۔ اس کے بعد جب دینِ اسلام کی رسی ہلنے لگی۔ تو میرے باپ نے اس کے دونوں سرے مضبوطی سے تھام لئے اور نفاق کی باگ روک لی۔ ارتداد کا سرچشمہ خشک کر دیا۔ یہودیوں کی آتش افروزی ختم کر دی۔

تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کیے غدر و فتنہ کے منتظر تھے اور شور و غوغا پر گوش بر آواز تھے۔ میرے باپ نے اس شگاف کو بند کیا۔ بیکار کو درست کیا۔ گرتوں کو سنبھالا۔ دلوں کے اندر جو مدفون بیماریاں تھیں انہیں دور کیا۔ جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے انہیں تھان تک پہنچایا۔ پیاسوں کو گھاٹ پر لایا۔ جو ایک بار سیراب ہو چکے تھے۔ انہیں دوبارہ سیراب کیا۔ اور جب وہ نفاق کا سر کچل چکا۔ اہل شر کے لئے لڑائی کی آگ مشتعل کر چکا۔ تمہارے سامان کی گٹھڑی ڈوری سے باندھ چکا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ وہ اپنے بعد ایک ایسے شخص کو جانشین بنا گیا۔ جس کی طرف اگر جھکتے تو محافظ بن جاتا۔

...... دشمنوں کی گوشمالی اور جاہلوں سے درگذر کرتا، اسلام کی نصرت میں راتوں کو جاگا کرتا۔ اپنے پیشرو کے قدم بقدم چلا۔ فتنہ و فساد کے شیرازہ کو درہم برہم کیا۔ قرآن میں جو کچھ تھا۔ اس کی ایک ایک چول میدان عمل میں اچھی طرح بٹھا دی۔

ہاں میں بعض لوگوں کے سوال کا نشانہ بن گئی ہوں۔ کہ کیوں فوج لیکر نکلی۔ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ۔ اتمام حجت اور تنبیہ کے لئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے پیغمبر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نازل کرے اور اس کا جانشین پیغمبروں کی جانشینی کے ساتھ تم پر

مقرر کرے۔ (باب الخطیب اور ذکر واقعہ جمل کے تحت در عقد الفرید، بلاغات النساء احمد بن ابی طاہر المولود ۲۰۴ھ بروایت محمد بن حسن معجم طبرانی)

توضیحات:

ا: ان ہر سہ خطبات میں سیدہ صدیقہ کائنات رضؓ کے بظاہر مخاطب اہل بصرہ تھے۔ مگر حقیقت میں مخاطب سیدنا علیؓ اور ان کے ساتھی تھے۔ ان خطبات کے جواب میں سیدنا علیؓ کی طرف سے کسی قسم کی وضاحت نہیں کی گئی۔ اس صورت میں یہ بات بیّن طور پر ان حقائق و شواہد پر دلالت کرتی ہے کہ سیدہ صدیقہ کائنات رضؓ کا یہ اقدام سراسر مبنی برحق تھا۔

ب: سیدنا علیؓ کے موقف کو مبنی برحق سمجھنے والوں کی زبان سے بھی بے اختیار یہ کلمات نکلے کہ خدا کی قسم آپ سچ فرماتی ہیں۔ اور اپنی صفوں سے نکل کر دیوانہ وار سیدہ صدیقہ رضؓ کی اصلاح طلب فوج کے پہلو میں جا کھڑے ہوئے اور کھینچا تانی شروع ہو گئی۔ آپ نے یہ رنگ دیکھا تو اپنے لشکر کو حکم دیا کہ اپنی قیام گاہ کو لوٹ جاؤ۔ دوسرے روز اہل بصرہ نے حکیم نامی ایک فتنہ انگیز شخص کی قیادت میں ہل من مبارز کا نعرہ لگایا۔ ایک آدمی نے حکیم کو ٹوکا۔ تو اس نے اسے قتل کر دیا۔ ایک عورت نے سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے اسے بھی قتل کر دیا۔ ام المومنین رضؓ کی ذات مطہر کے لئے اس کی زبان پر بے ہودہ کلمات تھے۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ مگر جلد ہی امان امان کی آوازیں بلند ہونی شروع ہو گئیں۔ اور لڑائی رک گئی۔

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کی بیعت

اہل بصرہ نے حضرت ام المومنینؓ کی خدمت میں عرض کی کہ آج حضرت طلحہؓ زبیرؓ آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر وہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پہ خلافت کی بیعت کر چکے ہیں۔

انہیں جواب دیا گیا کہ ان سے جبراً بیعت لی گئی تھی۔
آخر اس شرط پر صلح ہوئی کہ بصرہ سے ایک سفیر مدینہ بھیجا جائے۔
اور وہ اصل حالات دریافت کر کے واپس آئے۔

طلحہؓ و زبیرؓ کی جبریہ بیعت پر اہلِ مدینہ کی گواہی

سفیر جس روز مدینہ پہنچا اتفاق سے وہ جمعہ کا دن تھا۔ تمام صحابہؓ اور عام مسلمان مسجد نبوی میں موجود تھے۔ سفیر نے بلند آواز سے سب کو مخاطب کر کے کہا اے اہل مدینہ! میں اہل بصرہ کی طرف سے سفیر بن کر آیا ہوں اور یہ دریافت کرنے کے لئے آیا ہوں کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر برضا و رغبت بیعت کی تھی یا وہ مجبور کئے گئے تھے۔ تمام مجمع پر خاموشی طاری ہو گئی۔ دفعتہً اس خاموشی میں ایک آواز گونجی۔ یہ آواز حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی تھی۔ انہوں نے باآواز بلند کہا۔ یہ بیعت ان سے بجبر لی گئی تھی۔ انہوں نے بخوشی بیعت نہیں کی تھی۔ حضرت سہل بن حنیف انصاریؓ (حضرت علیؓ کے اسلامی بھائی تہذیب، اصابہ، ابن سعد) نے حضرت اسامہؓ کی تردید کی۔ مگر حضرت صہیبؓ، حضرت ابو ایوبؓ اور حضرت محمد بن مسلمہؓ اور دیگر صحابہؓ نے کہا اسامہؓ نے ٹھیک کہا ہے۔ حضرت صہیبؓ نے حضرت اسامہؓ کو گھر پہنچایا اور کہا کہ ہماری طرح تمہیں بھی چاہیئے کہ اپنے گھر میں خاموش بیٹھے رہو۔

حضرت علیؓ کو جب معلوم ہوا کہ سفیر مدینہ سے یہ جواب لے کر آیا ہے تو انہوں نے بصرہ کے عامل کو لکھا کہ ان لوگوں سے بہ جبر صرف اس لئے بیعت لی گئی تھی کہ مسلمانوں میں افتراق اور جماعت بندی نہ پیدا ہو جائے۔ اہل بصرہ کے سامنے ایک طرف سفیر کا بیان تھا اور دوسری طرف حضرت علیؓ کا خط جو انہوں نے بصرہ کے عامل کو لکھا تھا۔

حضرت علیؓ کے خط اور مدینے سے سفیر کی واپسی سے پہلے دونوں فریق ایک ہی امام کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ والی بصرہ ان حقائق سے آگاہ ہونے کے بعد اپنے رویّہ میں اصلاح کرتا۔ بجائے اس کے عامل بصرہ

کے دہن تشدد کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ حضرت ام المؤمنینؓ کے لشکریوں نے اپنا امام الگ کھڑا کر لیا۔

بصریوں نے مسجد میں قتل عام شروع کر دیا

چالیس عجمی نژاد تلواریں علم کر کے صدیقہ کائناتؓ کے لشکریوں پر پل پڑے نتیجۃً صدیقہ کائناتؓ کے لشکریوں نے والیٔ بصرہ کو گرفتار کر لیا حضرت ام المؤمنینؓ نے فرمایا اُسے آزاد کر دیا جائے اور فرمایا قاتلین عثمانؓ کے کسی سے تعرض نہ کیا جائے۔ یہاں اس بات کو بھی ذہن سے فراموش نہ کیا جائے کہ قاتلین عثمانؓ چھ سو مصر کے چھ سو کوفہ کے اور چھ سو بصرہ کے شر پسند تھے۔ حضرت علیؓ جب مدینہ سے رخصت ہوئے تو ان کے ساتھ صرف سات سو آدمی تھے۔ یعنی چھ سو کوفہ کے اور سو کے لگ بھگ ان کے قریبی عزیز۔ بصرہ اور مصر کے شر پسند اپنے اپنے شہروں میں واپس پہنچ چکے تھے [1]

ان شر پسندوں کے سرغنہ حکیم نے منصوبہ بنایا کہ رات کو حضرت ام المؤمنینؓ کی منزل گاہ پر شب خون مارا جائے مگر راز فاش ہو گیا اور اصلاح طلب افواج نے بصرہ پر قبضہ کر لیا۔

حضرت ام المؤمنینؓ کو اب ایک مستقر مل گیا۔ بصرہ کے خزانہ سے افواج میں تنخواہیں تقسیم کی گئیں۔ کوفہ، دمشق اور مدینہ وغیرہ میں ہدایت نامہ بھیجے گئے۔

صدیقہ کائناتؓ کا کوفہ کے امراء کے نام خط

- اما بعد میں تمہیں اللہ عزوجل اور اسلام کی یاد دلاتی ہوں۔
- کتاب اللہ کو اس کے احکام کے اجراء سے قائم رکھو۔
- خدا سے ڈرو۔
- اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔
- اس کی کتاب کا ساتھ نہ چھوڑو ہم نے بصرہ پہنچکر اہل بصرہ کو کتاب الٰہی کی

---

[1] تفصیلی حالات کے لئے میری تالیف شہادت ذوالنورینؓ کا مطالعہ کیجئے۔

اقامت کی دعوت دی۔ صلحائے امت نے ہماری دعوت قبول کی۔ اور جن میں بہتری نہ تھی انہوں نے تلوار سے ہمارا مقابلہ کیا۔ اور کہا کہ تمہیں بھی ہم عثمان رض کے ساتھ روانہ کر دیتے ہیں۔ عناد سے انہوں نے ہم کو کافر بنایا۔ اور ہماری نسبت نازیبا باتیں کہیں ہم نے ان کو قرآن کی آیت پڑھ کر سنائی الم تر الی الذین الخ (حضرت ام المومنین رض کی سابقہ تقریر میں یہ آیت گذر چکی ہے)۔

یہ سن کر کچھ لوگوں نے ہماری اطاعت قبول کر لی۔ اور بعضوں نے خلاف کیا۔ ہم نے ان کو چھوڑ دیا۔ لیکن باوجود اس کے انہوں نے ہمارے ساتھیوں پر تلواریں چلائیں۔ عثمان بن حنیف والی بصرہ نے انہیں قسمیں دیں کہ وہ مجھ سے لڑیں لیکن خدائے پاک نے اپنے نیک بندوں کے ذریعے میری مدد کی۔ اور ان کی سازشی تدبیریں انہی پر لوٹا دیں۔ ہم نے ۲۶ روز تک ان کو کتاب الہٰی کے احکام کی دعوت دی یعنی یہ کہ مجرموں کے علاوہ دوسرے بے گناہوں کی خون ریزی سے احتراز کیا جائے۔ انہوں نے ہمارے خلاف دلائل قائم کئے تاہم ہم نے صلح کر لی لیکن انہوں نے بدعہدی اور خیانت کی اور فوج جمع کی۔ اللہ نے عثمان رض کے قصاص کا سامان کر دیا۔ ایک شخص کے سوا ان شورش پسندوں میں سے کوئی نہیں بچا۔ اللہ تعالیٰ نے قیس، رباب اور ازد کے قبیلوں کے ذریعہ ہماری اعانت فرمائی۔ اب دیکھو قاتلین عثمان رض کے سوا جب تک اللہ تعالیٰ ان سے اپنا حق نہ لے لے دوسروں سے اچھی طرح سے پیش آؤ لیکن ان خیانت کاروں کی طرفداری نہ کرنا۔ نہ ان کی حفاظت کرنا۔ نہ ان لوگوں سے جو سزائے الہٰی کے مستوجب ہیں رضامندی ظاہر کرنا تاکہ ایسا نہ ہو کہ تمہارا شمار ان ظالموں میں ہو جائے۔

دوبارہ اس خط کو ایک بار پڑھیئے اور اس کے بین السطور پر غور کیجئے۔ جہاں یہ خط عبارت اور معنوں کے لحاظ سے فصاحت و بلاغت کا ایک بحر بے کراں ہے مفہوم اور مقصدیت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ ام المومنین رض صدیقہ کائنات کسی لگی لپٹی رکھے بغیر کتنی سادگی اور سچائی سے اصل حالات کے چہرے سے نقاب کشائی فرما رہی ہیں۔

ہم نے اس خط کے سترہ فقرات پر پڑھنے والوں کی آسانی کے لئے نشانات

لگا دیئے ہیں۔ نمبر ۸-۹ سے واضح ہوتا ہے بصرہ میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے ام المومنینؓ کو صرف قتل کی دھمکی ہی نہ دی بلکہ نعوذ باللہ آپ کو کافر تک کہنے میں باک نہ سمجھا۔

نمبر ۱۰-۱۱ سے معلوم ہوا کہ حملہ میں پہل سیدنا علیؓ کے لشکر نے کی۔

نمبر ۱۲ سے واضح ہوتا ہے کہ عثمان بن حنیف نہایت تنزپسند انسان تھا۔ آج جو لوگ اس کی مظلومیت کی ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے نہیں تھکتے انہیں عثمان بن حنیف کے اس فعل پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ وہ کس گستاخی کا مرتکب ہوا۔

نمبر ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام المومنینؓ ہرگز جنگ کی خواہشمند نہ تھیں اور آپ نے ان سے صلح کر لی تھی۔ مگر وہ لوگ بدعہد اور خائن ثابت ہوئے اس بات کے باوجود آپ یہی ہدایت فرمارہی ہیں کہ سوائے قاتلین عثمانؓ کے ہر ایک سے اچھے سلوک سے پیش آؤ۔

دوسرا خط کوفہ کے مخصوص افراد کے نام

امابعد۔ لوگوں کو ان کی مدد اور حفاظت سے باز رکھو۔ اپنے اپنے گھروں میں گوشہ نشین ہو جاؤ۔ اس جماعت نے عثمانؓ بن عفانؓ کے ساتھ جو کچھ کیا امت کے باہمی اتحاد کو جس طرح پراگندہ کیا کتاب الٰہی اور سنت نبویؐ کی جیسی مخالفت کی اس پر بس نہیں کی بلکہ احکام دینی اور کتاب الٰہی پر لوگوں کو آمادہ کرنے کے سبب اس نے ہم کو کافر بنایا۔ اور ہماری نسبت نازیبا باتیں کہیں۔ صلحائے امت نے ان کی مخالفت کی اور ان کے فعل کو بڑا گناہ سمجھا اور ان کو خطاب کر کے کہا۔ تم امام کے قتل پر قانع نہیں ہو جو اپنے پیغمبرؐ کی بیوی سے اس لئے بغاوت کرتے ہو کہ وہ تم کو حق کا فرمان دیتی ہیں۔ اور چاہتے ہو کہ ان کو اور پیغمبرؐ کے ساتھیوں اور اسلام کے رہبروں کو قتل کر ڈالو لیکن وہ اور عثمان بن حنیف جاہل عوام اور عجم زادوں کی جمعیت لے کر لڑنے پر آمادہ ہوا..... طلحہؓ اور زبیرؓ سے بیعت کر لینے کا بہانہ کرتے تھے۔ آخر ایک سفیر مدینے بھیجا گیا وہ اصل واقعات دریافت کر کے آیا یعنی طلحہؓ اور زبیرؓ سے جبراً

بیعت لی گئی ہے) انہوں نے پھر بھی حق کو نہ پہچانا۔ بلکہ ایک شب میرے قیام گاہ میں گھس آئے کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ وہ دہلیز تک پہنچ چکے تھے اور ایک آدمی آگے آگے انہیں راستہ بتا رہا تھا۔ کہ قیس، رباب اور ازد کے جو افراد بہرہ پہ تھے انہوں نے شبخون مارنے والوں کو قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اہل بصرہ کو طلحہؓ اور زبیرؓ کی رائے پر متفق کر دیا ہے۔ قصاص لے لینے کے بعد ہم معاف کر دیں گے یہ واقعہ ۲۶ ربیع الآخر ۳۶ھ کو واقعہ ہوا۔ گویا حضرت ذوالنورینؓ کی شہادت کو چار مہینے سے زیادہ عرصہ گذر گیا تھا۔ اور قاتلین عثمانؓ حضرت علیؓ کے لشکر میں کرتا دھرتا بنے پھر رہے تھے۔

قارئین کرام کی سہولت کے لئے ہم نے اس خط کے بارہ اہم ترین مقامات کی نشاندہی کر دی ہے۔

نمبر ۱-۲ : اگر حضرت ام المومنینؓ کو حضرت علیؓ سے کوئی ذاتی پرخاش ہوتی تو وہ ضرور اس کی نشاندہی فرماتیں اور اپنے مخاطبین کو یہ نہ فرماتیں کہ تم اپنے گھروں میں گوشہ نشین رہو صرف ان لوگوں کی حفاظت کرتے رہو جو اپنی حفاظت کی پوزیشن میں نہیں۔

نمبر ۳ - آپؓ واضح طور پر فرما رہی ہیں کہ میرا کام صرف اصلاح احوال ہے۔ مگر اصلاح احوال کا بدلہ یہ مل رہا ہے کہ وہ شیطان صفت لوگ آپ کو بھی کافر کہنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ آج بھی جو لوگ حضرت ام المومنینؓ کی شانِ اقدس میں گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہیں یہ انہی بدباطن، خبیث صفت لوگوں کی روحانی ذریت ہیں۔

نمبر ۵-۶ : اس وقت کے تمام صلحائے امت ان غداروں کو بہت بڑا گنہ گار سمجھتے تھے۔ اور ان خائن لوگوں کا سب سے بڑا جرم ان صلحائے امت کی نظروں میں قتل عثمانؓ کے بعد حضرت ام المومنینؓ کے حضور میں گستاخی تھی۔

نمبر ۸ - عثمان بن حنیف کے ساتھی صرف جاہل عوام یا عجمی یعنی مجوسی زادے تھے۔ جو شخص جاہل عوام اور مجوسی زادوں کو ساتھ لے کر ام المومنینؓ کے مقابلہ میں نکلا وہ واجب القتل تھا۔

نمبر ۹: طلحہؓ و زبیرؓ کی بیعت کو فریق مخالف اور جاہل سنی ہر موقع پر درمیان میں لاتے ہیں۔ مگر ان شواہد کی موجودگی میں ان کی جبری بیعت، بیعت لینے والوں کے لئے جرم ثابت ہوتی ہے

نمبر ۱۰- اس ماں کو قتل کرنے کے لئے اس کے مستقر پر شبخون مارنا خدا نخواستہ اگر ایسا ہو جاتا تو خون عثمانؓ کے قصاص میں تو کارکنان قضاء و قدر کو اس وقت تک چین نہ آیا جب تک ہزاروں کا خون نہ بہہ نکلا- مگر صدیقہ کائناتؓ کے لئے تمام عالم تہ و بالا ہو جاتا تب بھی نشانہ کم نہ تھا۔

نمبر ۱۱- طلحہؓ اور زبیرؓ کا فیصلہ مبنی بر حق تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تمام عالم اسلام نے ان کے فیصلہ کو مبنی بر حق قرار دیا۔

نمبر ۱۲- اللہ رے حضرت ام المومنینؓ کی سیر چشمی، عفو و درگذر، فراخ حوصلگی اور عالی ظرفی ——— فرماتی ہیں خون عثمانؓ کے قصاص کے بعد ہم ان تمام لوگوں کو معاف کر دیں گے جو قاتلین عثمانؓ کے شریک کار ہیں مگر قتل عثمانؓ میں شریک نہ تھے۔

حضرت علیؓ مدینہ سے رخصت ہوئے تو ان کے ساتھ صرف سات سو آدمی تھے۔ کوفہ سے سات ہزار آدمی اور ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ بصرہ پہنچتے پہنچتے تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی۔ صدیقہ کائناتؓ کے ساتھ تیس ہزار کا لشکر تھا کتنا دردانگیز منظر تھا۔ ایک ہی ماں کے جگر پارے ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہونے کے لئے ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہیں۔ مضر کے مقابل مضر، ازد کے مقابل ازد اور یمنیوں کے مقابل یمنی۔ یہاں یہ کہہ کر گذر جانے والے کہ ہر دو لشکروں پر حق پرستی کا جوش تھا اور ہر دو لشکروں میں صحابہ کرامؓ موجود تھے صریحاً حقائق سے اغماض ہے۔ صدیقہ کائناتؓ کے لشکر میں صحابہ کرامؓ کا معتد بہ حصہ موجود تھا۔ آپ مکہ سے چھ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئی تھیں۔ ان میں اکثریت صحابہ کرامؓ کی تھی۔ حضرت علیؓ سات سو آدمی لیکر مدینہ سے روانہ ہوئے تھے ان میں سے چھ سو تو کوفہ کے باغی تھے اور باقی ایک سو میں سے بھی اکثریت بصری اور مصری

بلوائیوں کی تھی۔ آپ کے لشکر میں صحابہ کرامؓ کی موجودگی ظاہر کرنے کے لئے حضرت عمار بن یاسرؓ کا نام ہر موقع پر پیش کیا جاتا ہے۔ مگر عمار بن یاسرؓ تو مصر سے واپسی کے وقت بلوائیوں نے راستہ میں ہی شہید کر دیا تھا۔

حضرت زبیرؓ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا مسلمان جب زور و قوت میں پہاڑ بن گئے تو تو خود ٹکرا کر چور چور ہو جانا چاہتے ہیں۔ کوفہ کے بعض رؤسا بصرہ کی مساجد میں پہنچ کر بصری لوگوں کو ورغلانے لگے۔ اور ان کی اس کارروائی نے بصریوں پر اچھا خاصہ اثر کیا ایک قبیلہ کا رئیس حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچا اور کہا آپ کیا کر رہے ہیں۔ اپنے اس اقدام پر غور کیجئے۔ انہوں نے فرمایا طلحہؓ اور زبیرؓ سے بات کرو۔ پھر وہ ان حضرات

ل عمار بن یاسرؓ کے متعلق میں نے سب سے پہلے صحیفہ اہلحدیث کراچی کے شمارہ ١٨ رجون ١٩٧٣ء میں ایک تفصیلی مضمون لکھا تھا۔ اس کے بعد شہادت ذوالنورینؓ اور عترتِ رسولؐ میں بھی ضمناً عمار بن یاسرؓ کے قتل کے واقعات ضمناً زیر بحث آئے۔ انہیں ایام میں مترجم مشکوٰۃ المصابیح کی نصیری چوتھی جلد نظر سے گزری جس پر "فوائد غزنویہ" کے حواشی ہیں۔ اچھی خاصی رفض کی ترجمانی نظر سے گذری اور چند ایک مقامات کا تعاقب کیا گیا۔ ٨٤ صفحات کا وہ کتابچہ شمشاد بکڈپو گاڑی کھاتہ حیدرآباد سے شوال ١٣٩٦ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

سیدنا ذوالنورینؓ نے شورش پسندوں کے بہتانات سے متاثر ہو کر کوفہ بصرہ اور مصر میں دریافت حال کے لئے وفود بھیجے۔ کوفہ اور بصرہ سے تو وفود واپس آ گئے مگر مصر سے حضرت عمارؓ واپس نہ پہنچے۔ آگے طبری کی زبان سے سنیئے استمالہ قوم بمصر وقد انقطعوا الیہ منہم عبد اللہ بن السودا خالد بن ملجم وغیرہم طبری جلد ۵ یعنی سبائیوں نے انہیں مصر میں پھسلا لیا اور حضرت عمار ابن سبا اور خالد بن ملجم کے ساتھ مل گئے۔ ابن خلدون بھی اس کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ حضرت عمار کو سبائیوں نے پھسلا کر مصر میں روک لیا (ابن خلدون جزء ٢ صفحہ ٢١٨-١٩) طبری آگے چل کر لکھتا ہے کہ حضرت عمار جب مصر سے روانہ ہوئے (یعنی سبائیوں کا ساتھ چھوڑ کر) تو مصریوں نے افشائے راز کے خوف سے انہیں راستہ ہی میں قتل کر دیا (طبری جلد ۵ صفحہ ١٠٤)

... وفاء الوفا للسمہودی میں بھی حضرت عمار کا قاتل سبائیوں کو ہی بیان کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کی نظر سے عمار کے متعلق نبی علیہ السلام کے یہ کلمات تو گذرے کہ تقتلک فئۃ الباغیۃ یعنی اے عمار تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا مگر یہ الفاظ نہ گذرے یا عمار لا یقتلک اصحابی۔ (بقیہ برصفحہ ١٧٤)

کی معیت میں حضرت ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا
ام المومنینؓ ! اس مہم سے آپ کی غرض کیا ہے ؟
آپ نے فرمایا۔ عثمانؓ کے قاتلوں کی سزا اور
اصلاح کی دعوت ۔

وہ پھر حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچا ——— سب نے صلح پر رضامندی ظاہر کی۔ اب ہر فریق مطمئن ہو گیا۔ اور جنگ کا خیال دلوں سے محو ہو گیا۔ اب صلح کی شرائط پر گفتگو کا آغاز ہونے والا تھا۔ مگر قاتلین عثمانؓ کے لئے یہ صورت مرگ ناگہاں تھی۔ ان لوگوں کی کثیر تعداد حضرت علیؓ کے لشکر میں تھی۔ انہوں نے سوچا کہ اس سے پہلے علیؓ اس پوزیشن میں نہ تھے کہ ہماری گرفت پر قادر ہوتے۔ بلکہ ہم نے ہی ان کے فرق انور پر خلافت کا تاج سجایا ہے۔ اب علیؓ اور ام المومنینؓ میں صلح ہو گئی تو ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ قاتلین عثمانؓ کے متعلق فیصلے کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت پر کسی کو اعتراض نہیں ہو گا۔

یہ بات بھی بعید از امکان نہیں کہ شورش پسندوں میں سے چند ایک جاسوسی کے لئے حضرت ام المومنینؓ کے لشکر میں بھی موجود ہوں۔ طبری کے قول کے مطابق حضرت ام المومنینؓ کے لشکر پر شبخون مارا گیا۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۸۳-۱۸۲) اور ایک ہنگامہ پیدا ہو گیا۔ حضرت ام المومنینؓ کے لشکریوں نے حضرت علیؓ کے لشکر پر حملہ بول دیا۔ ام المومنینؓ اور ان کے لشکری یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت علیؓ نے بدعہدی کی اور حضرت علیؓ کا خیال تھا کہ حضرت ام المومنینؓ کے لشکر نے بدعہدی کی ہے۔ قاضیٔ بصرہ حضرت کعب بن سور نے سیدہ صدیقہؓ کائنات کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ سوار ہو کر نکلیں ہو سکتا ہے آپ کی وجہ سے جنگ رک جائے (طبری جلد ۶ صفحہ ۱۸۳) آپ نے

(بقیہ حاشیہ) آج روافض کو حضرت عمارؓ بن یاسرؓ سے بڑی ہمدردی ہے مگر ان کے پیران طریقت کا عمارؓ کے متعلق کیا فتویٰ تھا۔ پڑھیئے اور لطف اٹھایئے۔ ابوجعفر باقر نے فرمایا کہ سب لوگ مرتد ہو گئے بجز تین شخصوں کے سلمان فارسیؓ ابوذرؓ اور مقدادؓ (راوی یعنی ابوبکر حضرمی نے پوچھا) تو پھر عمارؓ؟ آپ نے فرمایا۔
کان حاص حیصة ثم رجع اس کو ایک حیص آیا پھر لوٹا لیا گیا (علامہ کشی)

حضرت علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کو بلا بھیجا مگر لڑائی نہ رک سکی۔

حضرت ام المومنینؓ نے اپنے اونٹ پر ایک آہنی ہودج رکھوا کر میدان جنگ میں بھجوا دیا۔ اسی کیفیت میں سورج نصف النہار پہ پہنچ گیا۔ اہل کوفہ کا تمام زور صدیقہ کائناتؓ کے ناقہ کی طرف تھا۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ آپ کی تحقیر[1] کی جائے۔ مگر انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت صدیقہؓ ہودج میں موجود نہیں ہیں۔

صدیقہ کائناتؓ کے اونٹ کے چاروں طرف جان نثاروں کا حلقہ تھا آپ کے دائیں طرف بکر بن وائل، بائیں طرف قبیلہ ازد کے جانباز، سامنے بنو ناجیہ مادر اسلام کی عزت و احترام کے تحفظ کے جذبات سے سرشار پروانہ وار نثار ہو رہے تھے۔

بنو ازد کا نعرہ رجز تھا ؎

یا اُمّنا یا خیر ام نعلم   اما ترین کم شجاع یکلم
وتختلی هامة والمعصم

اے ہماری ماں! اے ہماری بہتر ماں جس کو ہم جانتے ہیں، آپ نہیں دیکھتیں کہ کتنے بہادر زخمی کیے گئے۔ اور ان کے سر اور ہاتھ کاٹ ڈالے گئے۔ بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لیے ہوئے تھے۔

یہاں یہ کہے بغیر آگے نہیں بڑھا جاتا کہ نبی علیہ السلام کی چہیتی زوجہ پر حملہ کرنے والے کون تھے؟ آپ کا جرم کیا تھا؟ کیا آپ نے کسی قاتل کو پناہ دی تھی؟ کیا آپ حصول خلافت کے لئے کوشاں تھیں؟

حملہ آور بڑھ بڑھ کر حملہ کرتے تھے۔ اور کٹ کٹ کر گرتے تھے۔ آل ضبہ کے ان سعادت مند لوگوں کے رجز کا ترجمہ سنیئے۔ اور کلیجہ تھام کر سنیئے۔ وہ لوگ کس قدر خوش نصیب تھے جنہیں نبی علیہ السلام کی محبوب ترین زوجہ کی عزت و احترام کے تحفظ کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش

---

[1] آگے چل کر انہیں میں سے جو لوگ خوارج کی شکل میں نمودار ہوئے تو انہوں نے حضرت علیؓ کو کہنا شروع کیا کہ تم وہی ہو جو اپنی ماں کو لونڈی بنانا چاہتے تھے۔

کرنے کی سعادت ملی۔

ہم ضبہ کے فرزند ہیں بھاگنے والے نہیں ہیں۔ جب تک سروں کو گرتے اور ان سے سرخ خون بہتے ہوئے نہ دیکھ لیں۔

اے ہماری ماں اے عائشہ رضہ گھبرائیے نہیں آپ کے سب بیٹے بہادر دلیر ہیں

اے ہماری ماں! اے پیغمبرؐ کی بیوی اے بابرکت اور ہدایت یاب شوہر کی بیوی

ہم ضبہ کے بیٹے ہیں اور اس اونٹ کے پاسبان ہیں۔ موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے۔

ہم موت کے آغوش میں پلے ہیں۔ جب موت آتی ہے۔

ہم عفان کے بیٹے عثمانؓ کی موت کی خبر کا اعلان نیزوں کی نوکوں سے کرتے ہیں۔

ہمارے اس سردار کو واپس کر دو پھر کوئی جھگڑے کی بات نہیں۔

یا للعجب! حیرت پر حیرت! افسوس پر افسوس۔ وہ لوگ کس قماش کے ہیں۔ کس فطرت کے ہیں۔ جن کے علم و فضل کی تان اس بات پر آ کر ٹوٹتی ہے کہ صدیقہ کائنات رضؓ کے لشکری فئۃ الباغیۃ تھے۔ جن کا مطالبہ صرف اس قدر تھا کہ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لیا جائے اور وہ دیکھ رہے تھے کہ چار مہینے سے قاتلین عثمانؓ، علیؓ کے لشکر میں کھلم کھلا ڈکراتے ہی نہیں پھر رہے بلکہ آپؓ کے لشکر کا تمام نظم و نسق ان کے ہاتھوں میں ہے۔ اور آپ انہیں کو ساتھ لے کر تمام امت کی ماں کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ تاریخ عالم ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

بنو ضبہ کی قوت ایمانی کے جوش کا یہ عالم تھا کہ بلوائیوں کے ہاتھوں اگر ایک گرتا تو دوسرا جھپٹ کر اونٹ کی مہار تھام لیتا۔ ستر سے زیادہ آدمی اسی طرح اپنی ماں پر نثار ہو کر جنت الفردوس کو سدھار گئے۔ عبداللہؒ بن زبیر پاس کھڑے تھے جس نے ہاتھ آگے بڑھایا اس کا ہاتھ اڑا کر رکھ دیا۔

حضرت علیؓ کے لشکر کا مشہور سبئی سردار اشتر نخعی جس کا اصل نام مالک تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے گتھم گتھا ہو گیا۔ ابن زبیر چلائے لوگو دوڑو۔ مالک کو قتل کر ڈالو۔ اس کے ساتھ مجھے بھی مار ڈالو۔ آپ کے کہنے کا مطلب یہ تھا

کہ اگر اسے قتل کرتے ہوئے میرے بچانے کی کوشش کرو اور اس کوشش میں وہ بھی بچ جائے تو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس کے ساتھ میں بھی مارا جاؤں۔

اشتر بعد میں کہا کرتا تھا کہ لوگ مجھے اشتر کے نام سے جانتے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ مالک کون ہے ورنہ وہ مجھے قیمہ کر دیتے۔

حضرت علیؓ نے صورت حال دیکھ کر کہا جب تک اونٹ کھڑا ہے ہماری کامیابی مشکل ہے۔ حکم دیا کہ اونٹ کی ٹانگیں کاٹ دو۔ ایک بلوائی نے پیچھے سے حملہ کر کے اونٹ کے پچھلے پاؤں پر تلوار ماری اونٹ گر پڑا۔ اونٹ گرتے ہی لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا۔

کیا سیدہ صدیقہ کائناتؓ میدان جنگ میں موجود تھیں؟

داستان گو نے حضرت صدیقہ کائناتؓ کو محمل میں سوار ثابت کرنے کے لیے[1]

---

[1] سورہ شمس کی تفسیر میں امام حمید الدین فراہیؒ سے ایک بڑا عجیب لطیفہ سرزد ہوا ہے۔

"امت مرحومہ میں ناقۃ اللہ کی مثال" کے تحت لکھتے ہیں: بعینہٖ اسی کے مشابہ واقعہ امتِ مرحومہ میں پیش آیا۔ اس امت میں ناقہ کی مثال حضرت علیؓ تھے۔ چنانچہ ان کے قتل کے بعد اس امت سے خلافت چھین لی گئی اور خلفاء کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ (مجموعہ تفسیر فراہی صفحہ ۲۹۸) حقیقت یہ ہے کہ سبائیت کے زہریلے پروپیگنڈے کے جراثیم نے اہل سنت کی بڑی بڑی قد آور شخصیتوں کے اذہان کو متعفن کر کے رکھ دیا۔ امام موصوف اگر اس قسم کی مثال پیش کئے بغیر اپنی تفسیر کو نامکمل سمجھتے تھے تو ناقہ کا تعلق صدیقہ کائناتؓ سے تھا۔ اور اسی کی کونچیں کاٹی گئی تھیں۔ اور اگر آپ کا مطلب ناقہ سے حضرت علیؓ کی ذات تھی تو کم از کم اپنے ماخذ کی طرف نشاندہی کر دیتے۔ رہا حضرت علیؓ کی خلافت کا مسئلہ تو آپ کو کس نے خلیفہ بنایا تھا مسلمانوں نے یا سبائیوں نے۔ محققین کا فیصلہ ہے کہ علیؓ کی خلافت برائے نام تھی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میری تالیفات مقام صحابہؓ، مشکوٰۃ کے فوائد غزنویہ پر ایک نظر وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ ناقۃ اللہ کی مثال سیدنا ذوالنورینؓ کی ذات اقدس پر صادق آتی ہے۔ جن کی شہادت کے بعد امت میں خونریزی کا سلسلہ شروع ہوا اور حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد تمام شورشیں یک لخت ختم ہو گئیں اور امت نے سکھ کا سانس [illegible]

محمد اور آپؓ کی گفت گو بڑی چابکدستی سے ٹیپ ریکارڈر میں محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے
لاشوں پر لاشے گر رہے ہیں۔ افراتفری شور و غوغا اور قتل و خون ریزی کا بازار گرم ہے۔
کسی کو کسی کا ہوش نہیں۔ تاقنہ گزرتا ہے اور محمد فوراً موقع پر پہنچکر ہودج میں ہاتھ ڈال
دیتا ہے۔ اور یہ صاحب جن کا آج تک نام و نشان کسی تاریخ میں موجود نہیں فوراً ٹیپ ریکارڈر
لے کر پہنچ جاتے ہیں اور بڑی چابکدستی سے اس کا بٹن آن کر کے تمام مکالمہ محفوظ کر لیتے ہیں
صدیقہ کائناتؓ کے سامنے در، تمام مناظر موجود تھے کہ ان لوگوں نے کس طرح
نبی اکرم کے زوجہ داماد کو کس شقاوت اور سنگدلی سے چالیس روز کے محاصرے کے
بعد شہید کیا۔ عشرہ مبشرہؓ میں سے دو صحابیوں کو ابھی شہید کر چکے ہیں۔ ام المؤمنینؓ حضرت
ام حبیبہؓ جب عثمانؓ کے پیاس سے تڑپتے ہوئے نیم جان اہل بیت کے لئے پانی لے کر
نکلیں تو ان سے انہوں نے کیا سلوک کیا۔ ان شواہد کی موجودگی میں وہ قطعاً مناسب
سمجھتی تھیں کہ ایسے مادر پدر آزاد اشقیاء کے سامنے جائیں۔

محمد پہلے آواز دیتا ہے مگر جواب نہ ملنے پر محمل میں ہاتھ ڈالتا ہے۔ محمد آپ کا
بھائی تھا۔ اس کی آواز پر آپؓ نے کیوں جواب نہ دیا۔ آپؓ محمل میں موجود ہوتیں تو جواب
دیتیں۔ مگر آپ موجود ہی نہ تھیں تبھی محمد کو ہاتھ ڈال کر دیکھنا پڑا۔

ٹیپ ریکارڈر والے صاحب کا ٹیپ سنیئے :

آپؓ پوچھتی ہیں من انت ؟ تو کون ہے۔ محمد جواب دیتا ہے ابغض اھلک
الیک یعنی آپؓ کے گھر والوں میں سے وہ جو آپؓ کے نزدیک سب سے برا ہے۔ آپ
پھر فرماتی ہیں ابن الخثعمیہ یعنی تم خثعمیہ کے بیٹے ہو۔ محمد نے کہا۔ ہاں۔ تو انہوں
نے فرمایا۔ تم پر میرے ماں باپ قربان اللہ کا شکر جس نے تمہیں عافیت سے رکھا
تعجب ہے کہ محمد خود تسلیم کرتا ہے کہ میں آپ کے خاندان کا برا آدمی
ہوں اور سیدہ صدیقہؓ اسے پہچان بھی نہیں سکتیں اور پوچھتی ہیں کہ تم خثعمیہ کے بیٹے
تو اس کے جواب پر فوراً کہہ اٹھتی ہیں تم پر میرے ماں باپ قربان اور اللہ کا شکر ادا
کرتی ہیں اس بات پر کہ وہ قاتلین عثمانؓ کا سرغنہ ہے۔ جس عثمانؓ کے خون کے
قصاص کے لئے آپ یہاں پہنچی ہیں۔ اس کی عافیت پر اللہ کا شکر جس کا خون مباح
سمجھتی ہیں۔ ایک مبغوض، باغی نہیں بلکہ باغیوں کا سرغنہ جو باغیوں کو ساتھ لے کر

بین کا مقابلہ کرنے آیا۔ اس کے لئے یہ رحمت کرم کی دعائیں۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کی شہادت

جب بلوائیوں نے شبخون مارا تو ان کا اولین ہدف حضرات طلحہؓ و زبیرؓ تھے حضرت علیؓ سیدہ صدیقہؓ کا سات کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے نکلے۔ انہیں یقین تھا کہ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ بھی آپ کی خدمت میں موجود ہوں گے۔ مگر ہر دو اصحابؓ اس سے پہلے ہی مرتبہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔

یہاں بھی ایک سبائی کا الہام ہماری روایات کے ذخیروں میں آگھسا ہے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :-

اے زبیرؓ! یاد کرو اس دن کو کہ میں نبی علیہ السلام کے ساتھ بنی غنم کے محلہ میں سے گزر رہا تھا تو آنحضرتؐ نے میری طرف دیکھا اور ہنسے۔ میں نے بھی آپؐ کی طرف ہنستے ہوئے دیکھا۔ تو تم نے کہا کہ ابو طالب کے بیٹے کو اس کا تکبر کبھی نہیں چھوڑے گا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تم سے کہا۔ کہ چپ رہ تو ضرور اس سے قتال کرے گا اور اس کے ساتھ ظلم کرنے والا ہو گا۔ تو حضرت زبیرؓ نے کہا۔ ہاں قسم اللہ کی کہ اگر مجھ کو یاد رہتا تو میں اس موقع پر کبھی نہ آتا۔ قسم ہے اللہ کی تم سے کبھی قتال نہ کروں گا۔ تو حضرت علیؓ وہاں سے اپنے ساتھیوں کے پاس گئے۔ اور یہ خوشخبری سنائی کہ زبیرؓ نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا اور الگ ہو گئے۔ مکھی پر مکھی مارنے والوں کو اگر اللہ تعالیٰ بات سمجھنے کا شعور دیتا اور وہ اس کذب کے بین السطور میں پوشیدہ رفض کی عیاری پر غور کرتے تو صاف نظر آتا کہ یہ ایک من گھڑت داستان ہے۔

۱۔ نبی علیہ السلام صرف علیؓ کو ہمراہ لے کر بنی غنم کے محلہ سے گزر کر کہاں تشریف لے جا رہے تھے نہ اس طرف حضرت علیؓ کا مکان نہ نبی علیہ السلام کی کسی نے دعوت کی آخر یہ گذر کیوں ہو رہا تھا۔

۲۔ نبی علیہ السلام حضرت علیؓ کی طرف دیکھ کر کیوں مسکرائے۔ اور اس وقت

نتیسرا کون تھا جو آنحضرتؐ کی مسکراہٹ دیکھ رہا تھا۔

۳۔ حضرت علیؓ بھی جواب میں مسکرا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مسخروں سے پناہ میں رکھے۔ اس روایت کا مسخرہ راوی یوں نقشہ کھینچ رہا ہے کہ گویا دو دیوانے ایک دوسرے کے ہمراہ کسی راستہ سے گزر رہے ہیں اور بلاوجہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔

۴۔ اچانک وہاں حضرت زبیرؓ آموجود ہوتے ہیں۔ گویا وہ پہلے ہی اس ڈرامہ کے تیسرے کردار کی طرح اس مقام پر موجود تھے۔

۵۔ اور انہوں نے سامنے آتے ہی حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے کہدیا کہ ابوطالب کے بیٹے کو یہ تکبر نہیں چھوڑے گا۔ یہ مسخرہ اپنی تک بازی میں یہ کہنا بھول گیا کہ علیؓ نے کوئی ایسی تکبر کی حرکت کی تو زبیرؓ نے یہ کلمات کہے۔ اور پھر ابوطالب کو ان ایام میں لوگ بوجہ اس کے کفر کے نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ علیؓ کو کسی اور نام سے بھی مخاطب کیا جا سکتا تھا۔

۶۔ نبی علیہ السلام نے زبیرؓ کو جھاڑ پلاتے ہوئے کہا تم ضرور علیؓ سے قتال کرو گے۔ اگر اس واقعہ کو نبی علیہ السلام کے سال وفات کا ہی سمجھا جائے تب بھی تیس پینتیس سال کے عرصہ میں نہ ہی حضرت علیؓ نے کسی سے ذکر کیا اور نہ ہی حضرت زبیرؓ نے اور نہ ہی نبی علیہ السلام نے کسی سے فرمایا کہ زبیرؓ علیؓ کے خلاف قتال کرے گا۔

اچانک یہ سب کچھ عین معرکہ قتال میں یاد آیا۔ ایسی اہم پیشینگوئی حضرت علیؓ اس سے پہلے ضرور کسی سے بیان کرتے حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ بہت بعد میں تیار کیا گیا۔ اس قسم کی تمام خرافات کا جامع حاکم ہے۔ جس کے متعلق میں اپنی متعدد تالیفات میں بدلائل وشواہد واضح کر چکا ہوں کہ وہ غالی رافضی تھا۔ اپنی مستدرک میں اُس نے بڑی چابک دستی سے اس قسم کا بدبودار مواد فراہم کیا ہے۔ اس قسم کی روایات کی تخلیق کا اہم ترین مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے موقف کو مبنی برحق ثابت کیا جائے۔

امام بخاریؒ نے باب برکۃ الغازی فی مالہ حیاً ومیتاً میں روایت کی ہے کہ حضرت زبیرؓ اپنے بیٹے عبداللہ کو عین میدانِ جنگ میں فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا

ہوں کہ آج میں مظلومانہ حیثیت میں مقتول ہوگا۔ اس روایت سے حضرت علیؓ اور قاتلین عثمانؓ ظالم قرار پاتے ہیں۔ حکمران کا ظالم قرار دیا جانا سبائیت مرعوب ہوں کو کیا برداشت ہو لہذا کبھی نبی علیہ السلام کی زبان سے زبیرؓ کو تنبیہ کرائی جاتی ہے۔ کبھی اور کونے کھدرے تلاش کر کے حضرت علیؓ کے موقف کو مبنی برحق ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

یہاں پھر ایک اور عیاری ملاحظہ ہو کہ حضرت زبیرؓ کو میدان جنگ سے الگ ہو جانے والا بیان کر کے حضرت امیر مروانؓ کو ان کا قاتل بنا دیا گیا۔ مگر آج تک یہ سوچنے کی مہلت کسی کو نہ ملی کہ زبیرؓ تنہا اپنے لشکر سے الگ ہو کر عازم مدینہ ہوتے ہیں۔ مروانؓ کو پہلے ہی علم ہوتا ہے کہ وہ اس راستے سے گزریں گے۔ لہذا وہ گھات میں بیٹھے ہوا تھا۔ تاک کر تیر مارا اور پھر وہ تیر بھی زہر آلود تھا۔ دیکھا آپ نے اس کذاب داستان گو نے ایک تیر سے کتنے شکار کیے۔

۱- امیر مروانؓ صدیقہ کائناتؓ کے لشکر میں ہیں اور وہی اپنے ایک ساتھی کو قتل کرتے ہیں۔

۲- حضرت علیؓ کو قتل طلحہؓ و زبیرؓ سے کس چابک دستی سے بچا لیا گیا۔

اسی طرح حضرت طلحہؓ کا قاتل جرموز نامی کوئی مجہول الاسم بیان کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی اسی قسم کے سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ جرموز کون تھا؟ اسے حضرت طلحہؓ سے کیا دشمنی تھی۔ وہ آپ کے پیچھے پیچھے میدان جنگ سے نکلا تھا یا پہلے ہی گھات میں بیٹھا تھا اور اس ڈرامہ کا نقشہ کھینچنے والا کون تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ عین میدان جنگ میں حضرت علیؓ کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے اور بروایت بخاری مظلوم شہید ہوئے تھے۔ صرف زبیرؓ ہی مظلوم شہید نہیں ہوئے بلکہ ان کے ساتھ شہید ہونے والے بھی مظلوم شہید ہوئے۔ وفات عائشہؓ کے صفحہ ۶۰ پر ایک عنوان ہے خدا کا شیر اور طلحہؓ و زبیرؓ۔ جنگ جمل میں واقعی علیؓ شیر ثابت ہوئے جن کے لشکر کے ہاتھوں سینکڑوں مظلوم شہید ہوئے۔ شیر خدا اپنے متعلق اور اپنے متعلقین کے متعلق اپنی برائے نام خلافت کے زمانہ میں جو کچھ فرماتے رہے وہ گذشتہ صفحات میں ان کی

زبان سے ہی بیان ہو چکا ہے۔

صفحہ ۲۷ پر وفات عائشہؓ کے مؤلف نے اعثم کوفی کے حوالہ سے جو ژاژ خائی کی ہے وہ شیعی جہالت کی منہ بولتی تصویر ہے۔

لکھا ہے کہ بی بی عائشہؓ بصرہ سے مدینہ جانے کے لئے کسی طرح آمادہ نہ ہوتی تھیں حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کے کان میں کچھ کہہ کر بی بی عائشہؓ کے پاس بھیجا۔ وہ جب پہنچے تو عائشہؓ کنگھی کر رہی تھیں۔ آپ نے آگے بڑھ کر کان میں کچھ کہا تو وہ آدھی کنگھی چھوڑ کر فوراً روانہ ہونے پر آمادہ ہو گئیں حسنؓ واپس ہوئے تو عورتوں نے بی بی عائشہؓ سے پوچھا کہ حسنؓ نے آپ کے کان میں کیا کہا ہے۔ عائشہؓ نے کہا نبی علیہ السلام نے اپنی زندگی میں علیؓ کو اپنے ازواج کی طلاق کا اختیار دیا تھا۔ یہ اسی بات کا ذکر تھا۔

شیعہ مذہب کی بنیاد ہی ایسے پیدڑوں پر رکھی گئی ہے۔ کوئی ان بد حواس رافضیوں سے پوچھے کہ

۱۔ نبی علیہ السلام کی زندگی میں علیؓ کی پوزیشن کیا تھی؟ اور کتنی بار نبی علیہ السلام کو منبر پر چڑھ کر مجمع عام میں علیؓ کو تنبیہ کرنا پڑی۔

۲۔ کیا دنیا کے کسی مذہب میں ایسی کوئی مثال موجود ہے کہ خاوند کے مرنے کے بعد عورت کو طلاق دی جائے۔

۳۔ ازواج مطہراتؓ قرآنی زبان میں مومنوں کی مائیں ہیں۔ کیسا عجیب تضاد ہے بیٹا جسے اپنی ماں کو طلاق دینے کا فریضہ تفویض کیا گیا۔

۴۔ خود نبی علیہ السلام کو بھی قرآنی ارشاد کے مطابق ازواج مطہراتؓ کو طلاق دینے کا حق نہ تھا۔

حضور صادق و مصدوقؐ اور حضرت صدیقہؓ ایک نکتہ

جو لوگ انبیاء کرامؑ کی عصمت و عفت اور طہارت مآب ذاتوں کو بھی بخشنے پر آمادہ نہ ہو سکے صحابہ کرامؓ کی ذوات قدسیہ پر تنقید سے اپنے آپ کو باز نہ رکھ سکے نبی علیہ السلام

کی ازدواج مطہراتؓ کی زندگی کے پوشیدہ گوشوں پر صفحات سیاہ کرتے چلے گئے۔ مگر جونہی حضرت علیؓ کا نام آیا ان کو تدین کا ایسا مروڑ اٹھا کہ حقائق سے بھی اعراض کرنے سے نہ چُوکے۔ اور فوراً فتوے داغنے پر آمادہ ہو گئے۔ کہ یہ تو خارجیت ہے۔ الوہیت مجروح ہو رسالت داغدار ہو، عصمت انبیاء پر ان کی بدزبانیوں کے چھینٹے پڑیں۔ اجل صحابہ کرامؓ کے ایمانی مدارج ماپتے پھریں مگر حضرت علیؓ کی زندگی کے صحیح واقعات بیان کرنے سے بھی انہیں اپنے ایمان میں خلل آنے کا خطرہ محسوس ہو۔

اس کائنات ارضی پر اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہی وہ واحد ذات ہے جسے اقبال نے ؎

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جسنے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

کے الفاظ میں ہدیہ عقیدت پیش کیا۔ جسے خود اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین کے لقب سے ملقب فرمایا۔ تمام مخلوقات میں بلند ترین، اعلیٰ ترین، مقدس ترین مقام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشا! اور آپ کے بعد تمام مخلوق میں بلند ترین مقام ان ہستیوں کے حصے میں حصے میں آیا۔ جن کے سانس نبی کی سانس کے ساتھ، جن کا لب نبیؐ کے لبوں کے ساتھ جن کے جسم نبی کے جسم کے ساتھ پیوست ہو کر یکجان ہونے کے شرف سے مشرف ہوئے۔ ازدواج مطہراتؓ اس ماہ شب چہار دہم کے گرد ستاروں کی مانند تھیں۔ مگر ان میں سے بھی جسے مقام ثریا پر جگمگا کر چار دانگ عالم کو منور کرنے کی سعادت حاصل ہوئی وہ صدیقہ کائناتؓ کی ذات تھی۔ ذرا اس طرف بھی غور کیجئے۔ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد جن ذوات مطہرہ کو حرم نبوی میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا ان کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی سبب مضمر تھا۔

مگر صدیقہ کائناتؓ کا حرم نبوی کے لئے چراغ خانہ بننا صرف اور صرف بحیثیت زوجیہ کے تھا۔ یہاں کوئی پس منظر نہ تھا نہ وجہ اگر کچھ تھا تو یہی کہ آپ کو کاشانۂ نبوتؐ میں زینت افروز ہونا تھا۔ اور نبی علیہ السلام کے نبوتانہ فرائض میں آپ کا ہاتھ بٹانا تھا۔ آج دنیا کے سامنے موجود ہے کہ ہمارے پاس دین کا جو سرمایہ ہے اسمیں تیسرے سے زیادہ حصہ صدیقہ کائناتؓ کا ہے۔

اب میں اس باب کو "وفات عائشہؓ" کے مولف کے کلمات پر ہی ختم کرتا ہوں۔ صفحہ ۵۳ پر زیر عنوان "حضرت علیؓ کا رخ بصرہ کی طرف" سورہ حجرات کی نویں آیت الی امر اللہ تک لکھ کر سیدہ کائنات رضؓ اور حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کو باغی ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اپنے اس موقف کو صحیح باور کرانے کے لئے پوری آیت نہیں لکھتا اور لطف یہ کہ نصف آیت بھی صحیح نہیں لکھ سکتا۔ اس میں بھی پورے چھ لفظ غلط لکھا ہے۔

چنانچہ لکھتا ہے کہ جب حضرت علی کو خبر ملی کہ بی بی عائشہؓ معہ طلحہؓ و زبیرؓ ایک جم غفیر کے ساتھ خونِ عثمان کے دعویٰ کے ساتھ بصرہ پہنچ گئے اور وہاں تسلط حاصل کر کے حملہ کرنے پر آمادہ ہیں تو آپ نے بحکم مقتضائے باری

وان طائفتان من المومنین اقتتلا ناصلحوا بینھما فان احد اھما علی لاخریٰ فقاتلوا التی تتبغی حتیٰ تفییٔ الی امر اللہ

(اصل وفات عائشہ کا قرآن دانی)۔

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ○

آیت کا پورا ترجمہ یہ ہے:

اگر دو جماعتیں مسلمانوں میں سے آپس میں لڑیں پس صلح کرو ان دونوں کے درمیان۔ پس اگر ان میں سے ایک سرکشی کرے اوپر دوسری کے پس لڑو ان سے جو سرکشی کرتے ہیں یہاں تک کہ پھر آویں طرف حکم خدا کے پس اگر پھر آویں پس صلح کرو درمیان ان کے ساتھ عدل کے اور انصاف کیا کرو تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو۔ (۹)

اس جہل مرکب کے مریض نے تو یہ آیت حضرت علیؓ کا موقف یعنی برحق ہونے کی تائید میں پیش کی۔ مگر اسے یہ عقل کون سکھاتا :

۱۔ کہ اس آیت میں طائفتانِ من المؤمنین یعنی مومنوں کے دو گروہوں کا ذکر آیا ہے اور اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ صدیقہ کائناتؓ کے تمام لشکری اور حضرت علیؓ کے وہ لشکری جو قتل عثمانؓ میں شامل نہ تھے مومن تھے۔

۲۔ سرکشی کرنے والے قاتلین عثمانؓ تھے اور وہی علیؓ کے لشکر کے سربرآوردہ تھے۔

۳۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر وہ پھر آویں۔ مگر قاتلین عثمانؓ آخر تک اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور خود حضرت علیؓ کے لئے بلائے بے درماں بنے رہے۔

۴۔ "صلح کرو درمیان ان کے ساتھ انصاف کے" پر غور کیجئے۔ واقعہ جمل کے بعد حضرت علیؓ ہی سب کچھ تھے۔ پھر انہوں نے انصاف کے کن تقاضوں کو پورا کیا۔

یہ تو تھی لفظی بحث مگر بقول مؤلف وفاتِ عائشہؓ اگر حضرت علیؓ نے بصرہ کی طرف کوچ کرتے وقت اپنے لشکر کے سامنے بمقتضائے ارشادِ باری تعالیٰ یہ آیت پیش کی تو اس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؓ ہر دو لشکروں کو مومن سمجھتے تھے۔ پھر یہ للّٰہ نجوان ذواتِ قدسیہ پہ اعتراض کرنیوالے کون ہوتے ہیں۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد حضرت صدیقہ کائناتؓ نے ایک بصری رئیس کے گھر نزول اجلال فرمایا۔ تمام زخمیوں کو بھی وہاں پہنچا دیا۔ حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو آپ کے ہمراہ کیا۔ اور آپ مکہ روانہ ہو گئیں۔

بصرہ سے رخصت ہونے کے وقت آپ نے ایک بار پھر فرمایا۔ مجھ کو علیؓ سے نہ کسی قسم کی کدورت تھی اور نہ اب ہے۔ حج تک آپ مکہ معظمہ میں قیام فرما رہیں۔ اس کے بعد مدینہ تشریف لے گئیں اور باقی تمام زندگی روضۂ نبوی کی مجاورت میں گزار دی۔

یہاں سید سلیمان ندوی کو ایک اور الہام ہوا ہے کہ آپ تمام زندگی اپنی اس اجتہادی غلطی پر افسوس کرتی رہیں (سیرت عائشہؓ ۱۴۴)

حیرانی اس بات کی ہے کہ ہو بہو طور پر اتنی لحیم و شحیم شخصیتیں بھی کس طرح بغیر سوچے سمجھے اس قسم کے فتوانے یا زی پر اتر آتی ہیں جن کا سرے سے انہیں علم ہی نہیں ہوتا۔

صدیقہ کائنات رضؓ کے موقف کی صحت پر ان کے خطوط اور خطبات گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں۔ آخر نبیؐ کے دوہرے داماد، اسلام کے محسن اور پیر ضعیف خلیفہ اسلام کو بے گناہ قتل کرنے والوں سے قصاص طلب کرنے میں سید صاحب ان کے ہمنواؤں کو کونسی اجتہادی غلطی کا الہام ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائیں

حضرت علیؓ کا موقف

خلیفہ مظلوم کی شہادت کے بعد بلوائیوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا حضرات طلحہ و زبیرؓ کی بیعت کا ذکر گذر چکا ہے۔ بلوائی حضرت سعد بن وقاصؓ کو پکڑ لائے آپ نے کہا جب سب لوگ بیعت کر لیں گے میں بھی کر لوں گا۔ اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو پکڑ لائے۔ انہوں نے بھی حضرت سعد بن وقاصؓ کی طرح جواب دیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے کہا اپنا کوئی ضامن پیش کرو۔ حضرت ابن عمرؓ نے کہا میرا کوئی ضامن نہیں۔ اشتر نخعی نے تلوار بلند کر کے حضرت علیؓ سے کہا مجھے حکم دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ (طبری ص۴۵۵ ج۴)

صحیح تو یہ ہے کہ سیدنا علیؓ کا اپنا کوئی موقف نہ تھا۔ وہ ان سبائیوں کے ہاتھوں جن کی آپ نے سرپرستی قبول فرمائی تھی اور جن کے کہنے پر آپ نے خلافت قبول فرمائی تھی آپ نے ان بد طینتوں کے موقف کی حمایت میں بصرہ کا عزم کیا تھا شرح میسم میں آپ کا قول ان الفاظ میں مرقوم ہے۔

وکن کیف لی بقوة والقوم المجلبون علی حد شرکتهم یملکونا ولا نملکهم

اور لیکن مجھ میں قوت کہاں ہے اور بلوہ کرنے والی جماعت اپنی قوت پر ہے وہ ہم پر

قابو رکھتے ہیں اور ہم ان پر قابو نہیں رکھتے۔
حضرت علیؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت نہ کرنے کی صرف یہی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ انہیں بلوائیوں نے خلیفہ بنایا تھا۔ مگر اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی تھی۔ حضرت علیؓ کو بچپن سے اس عمر تک جاننے والے صحابہ کرامؓ کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ حضرت علیؓ کا بچپن، جوانی اور کہولت کا تمام زمانہ ان کی نظروں کے سامنے تھا۔ وہ جانتے تھے کہ آپ امور خلافت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکیں گے اور ان کی قیافہ شناسی آخر صحیح ثابت ہوئی۔ وہ در اصل آپ کے حقیقی خیر خواہ تھے۔ وہ آپ کو خلافت کی مشکلات و مصائب سے بچانا چاہتے تھے۔ اور ان حالات میں جبکہ ملک ایک انارکی شکل اختیار کر چکا تھا۔ کسی طاقت ور ہاتھ کی ضرورت تھی۔ فتنہ انگیز گروہ جب چاہتا حضرت علیؓ کو اپنی مرضی کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیتا۔ طبری کہتا ہے:

سبائیہ فرقہ حضرت علیؓ کے کوچ کرنے سے پہلے ہی بلا اجازت بصرہ سے چل دیا۔ حضرت علیؓ نے فوراً ان کے پیچھے کوچ کیا۔ تاکہ آگے جا کر لوگوں میں وہ فتنہ نہ پھیلائیں۔ حالانکہ حضرت علیؓ ابھی بصرہ میں ہی قیام کرنا چاہتے تھے۔

(تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۲۴۱)

قتل عثمانؓ کے بعد یہ لوگ اس حد تک سرکش ہو چکے تھے کہ جب چاہتے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ تک کی بے عزتی کرنے پر آمادہ ہو جاتے۔ حضرت علیؓ جب مدینہ سے رخصت ہونے لگے تو حضرت عبداللہ بن سلام نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور عرض کیا اے امیر المومنین آپ مدینہ سے ہرگز باہر نہ جائیے خدا کی قسم اگر آپ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تو آپ کبھی واپس نہیں آ سکیں گے اور نہ کبھی آیندہ مدینہ دار السلطنت بن سکے گا۔ یہ سن کر سبائی حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو گالیاں دینے لگے۔

(تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۴۸)

کیا ان حالات میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کا مدینہ سے نکلنا اصلاح احوال کے لئے تھا۔ آپ کو تو قاتلین عثمانؓ نے ایک ڈھال کے طور پر استعمال کرنے

کے لئے مدینہ سے نکلا تھا۔ وہ لوگ مدینہ میں نہیں رہ سکتے تھے۔ اور اگر حضرت علیؓ کے بغیر کوفہ یا بصرہ میں پہنچتے تو ان کے جسموں سے سر الگ ہو جاتے۔ حضرت علیؓ کا مدینہ سے نکلنا صرف قاتلین عثمانؓ کے بچاؤ کے لئے تھا۔

حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے روز نبی علیہ السلام نے ایک کافر کو باندھ کر قتل کرایا اور اس کے بعد فرمایا آج کے بعد سے کوئی قریشی باندھکر قتل نہ کیا جائے۔ بجز اس شخص کے جو عثمانؓ بن عفان کو شہید کرے دیکھو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر تم بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیے جاؤ گے۔

(جمع الفوائد بحوالہ تحفہ کربلا ص۳)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے کہ اگر لوگوں نے خونِ عثمانؓ کا مطالبہ نہ کیا تو ضرور ان پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۴۰۰)

مگر یہ عجیب بات ہے کہ عثمانؓ کے خون کا قصاص طلب کرنے والوں کو فئۃ الباغیہ کہا جاتا ہے اور عثمانؓ کے قاتلوں کے موقف کو مبنی برحق ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

یہ وہی عبداللہ بن عمرؓ ہیں جنہوں نے آگے چل کر بخوشی امیر یزیدؒ کی خلافت پر بیعت کی تھی۔ اور جب واقعہ حرّہ میں چند لوگوں نے امیر یزیدؒ کی فرضی برائیاں بیان کیں تو آپ نے اپنے کنبہ کے لوگوں کو کہا ہم امیر یزیدؒ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں ہمیں اب ان کے خلاف غدر کا کوئی حق نہیں۔

طبری کہتا ہے کہ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ نے یہ جبری بیعت بھی اقامت حدود الٰہی کی شرط پر کی تھی۔ لیکن بیعت ہو جانے کے بعد جب انہوں نے قصاص کا مطالبہ پیش کیا۔ تو حضرت علیؓ نے بے بسی اور معذوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

> اے میرے بھائیو! میں تمہاری طرح ان امور سے
> ناواقف نہیں لیکن ہم اس قوم کا کیا کر سکتے ہیں
> جو ہماری مالک بنی ہوئی ہے۔ اور ہم ان کے مالک

نہیں۔ (تاریخ طبری اُردو جلد ۴ صفحہ ۴۴)

یہ تھی حضرت علیؓ کی خلافت جسے سید سلیمان ندوی اور مولانا فراہی برحق قرار دے رہے ہیں۔ حضرت علیؓ کے جواب سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت میں ان کی حیثیت محض برائے نام تھی۔

خود دیکھئے شیعیت آپ کی خلافت کا کیسا پوسٹ مارٹم کرتی ہے۔

ومن كلام له عليه السلام بعد ما بويع بالخلافة وقال له قوم من الصحابة لو عاقبت قوما ممن اجلب على عثمان فقال يا اخوتاه انى لست اجهل ما تعلمون۔ ولكن كيف لى بقوة والقوم المجلبون على حد شوكتهم يملكوننا ولا نملكهم (نهج البلاغة)

اور جناب امیر علیہ السلام کا کلام ہے اس وقت کا جبکہ ان سے خلافت کی بیعت کی گئی اور ان سے صحابہؓ کی ایک جماعت نے کہا تھا کہ جن لوگوں نے عثمانؓ پر بلوہ کیا تھا اگر ان میں سے ایک ایک گروہ کو سزا دو تو بہتر ہے۔ تو جناب امیر نے فرمایا کہ اے میرے بھائیو میں ناواقف نہیں ہوں اس سے جو تم جانتے ہو اور لیکن مجھ میں قوت کہاں ہے اور بلوہ کرنے والی جماعت اپنی پوری قوت پر ہے وہ ہم پر قابو رکھتے ہیں اور ہم ان پر قابو نہیں رکھتے۔

(حضرت علیؓ کے اس ارشاد کی تفصیل کیلئے شرح میثم جلد ۲ دیکھئے)

شرح میثم میں یہ بھی لکھا ہے کہ جناب امیر کی رائے بدلنے کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ اصحاب جناب امیر میں سے ایک گروہ ثالثی مقرر کرنے پر اصرار کرتا تھا کہ اس نے جناب امیر سے یہ کہا کہ اگر تم ثالث مقرر نہیں کروگے تو ہم تم کو اسی طرح قتل کر دینگے۔ جیسے ہم نے عثمانؓ کو قتل کر دیا۔ پس جناب امیر نے اپنی رائے چھوڑ کر انہیں کی رائے اختیار کی۔

اقول: جب خلیفہ چند مفسدوں کی دھمکیوں سے ایسا ڈر جائے تو اس سے خلافت کا انتظام کیا ہو سکے گا۔ کثرت فضائل و مناقب دوسری چیز اور تدبیر جہانبانی دوسری چیز!

وفاتِ عائشہ کے مولف نے جنگ جمل کے عنوان کے تحت
طبری، ابوالفداء، الامامتہ والسیاسۃ، روضتہ الصفا، اعثم کوفی، روضتہ الاحباب
شرح ابن ابی الحدید، تاریخ خمیس، استیعاب، مطالب السئول اور تاریخ الخلفاء
کے حوالوں سے جی بھر کر بے پر کی اُڑائی ہیں۔ مولف کشف البلبیس اسے رافضی کہتے ہیں۔
ان میں سے تاریخ خمیس، استیعاب اور تاریخ الخلفاء اہلسنت
کی کتب ہیں۔ باقی سب کی سب روافض کی کتب ہیں۔ تاریخ خمیس کا مولف شیخ
حسین بن محمد بن حسن دیار بکری ہے اصل کتاب نایاب ہے۔ روافض نے حسب مرضی
اس میں حک و اضافے سے اپنے مسلک کے مطابق اس کے بعض ابواب سے حوالے
دیئے ہیں۔ مولف غیر محقق قسم کا انسان تھا۔
ابوالفداء۔ کتاب کا نام کتاب المختصر فی اخبار البشر ہے دو جلدوں میں بیروت
سے طبع ہوئی ہے رطب و یابس کا پلندہ ہے۔
استیعاب: مالکی عالم ابن عبدالبر کی تالیف ہے۔ تاریخ میں مولف کا مقام
نہایت گھٹیا تھا۔ حافظ صلاح الدین یوسف نے اس پر بڑا جاندار تبصرہ کیا ہے۔
تاریخ الخلفاء: جلال الدین سیوطی کی تالیف ہے اور نہایت ردی کتاب ہے
مجموعی طور پر سیوطی کی تاریخی کتب پر مولانا شبلی نے سیرۃ النبی کے مقدمہ میں بحث
کی ہے۔

وفاتِ عائشہؓ کے مآخذ پر اس سرسری سے تعارف کے بعد کچھ بیان کرنا محض
تضیع اوقات ہے۔ مگر چند باتیں جو اپنے اندر لطائف کی سی کیفیت رکھتی ہیں اور
شیعی ذہنیت کی ترجمان ہیں۔ انہیں بطور تفنن طبع بیان کرنا ضروری ہے۔

لہ اس کتاب کا مولف مرزا یوسف حسین ہے جسے تمام زندگی ہر طرف سے سوائے دھتکار کے کچھ نہیں ملا۔
اس کی علمی قلابازیوں اور بار بار منہ کی کھانے کے حادثات کیلئے افادات حکیش کا مطالعہ کیجیئے۔ خان زادہ
غلام احمد مرحوم اپنی زندگی میں اسکی گوشمالی کرتے رہے مگر ان کے مرنے کے بعد اس کے منہ میں
لگام دینے والا ابھی تک کوئی سامنے نہیں آیا اور یہ واہی تباہی بکتا چلا جا رہا ہے۔

سیدنا طلحہؓ جنہیں نبی علیہ السلام نے غزوہ احد میں فرمایا تھا کہ تم پر میرے ماں باپ قربان۔ ان کے متعلق لکھتا ہے۔ طلحہؓ کی موت بالکل فرعون کی موت کی تصویر ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ اس وقت جبرائیل امین نہ تھے ورنہ جواب دیتے۔

جواب بخاری میں موجود ہے جو نبی علیہ السلام نے حضرت زبیرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ تم مظلوم مارے جاؤ گے۔

حضرت علیؓ اور حضرت صدیقہ کائناتؓ کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی یہ چند سبائی منافقین کا بلوہ تھا۔ صحابہؓ ہرگز بلوہ میں شریک نہیں ہوئے مورخین نے بغیر جرح و تعدیل کے اسے نقل کیا ہے۔ اور ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ صحابہؓ کا لڑنا قرآن کے خلاف ہے۔

اشداء علی الکفار رحماء بینھم (الفتح)

الزمھم کلمۃ التقویٰ و کانوا احق بھا و اھلھا (الفتح)

جمل و صفین پر تبصرہ

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ۝ ۱۷/۳۳

اور جس جاندار کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اُسے قتل نہ کرنا۔ مگر جائز طور پر (یعنی بفتوائے شریعت) اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل سے بدلہ لے) تو اس کو چاہیئے کہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے کہ وہ منصور و فتحیاب ہے۔

تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں۔ معاویۃ ولی عثمان وھو الحق ومعہ برھان و حجۃ فی مقابل علی نعم السلاطۃ المتمکن القھر و الغلبۃ کما قال اللہ تعالیٰ ولکن اللہ یسلط علی من یشاء یمکن ان یکون معاویۃ سلطانا منہ خلافۃ ملوکیۃ۔

مفسرین کے اس قول کو سمجھنے کے لئے کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ سیدنا ذوالنورینؓ کے ولی الدم تھے ان کا شجرہ نسب ملاحظہ کیجئے:

عبد مناف

ہاشم	عبد الشمس	
	امیہ	
عبد المطلب	ابوالعاص	حرب
عبد اللہ	سیدنا عفانؓ	سیدنا ابوسفیانؓ
حضرت نبی اکرمؐ	سیدنا ذوالنورینؓ	امیر المؤمنین امیر معاویہؓ

اس مقام پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ سیدنا علیؓ خلیفہ وقت تھے اور سیدنا معاویہؓ ایک صوبہ کے عامل تھے۔ ایک عامل کس طرح خلیفہ وقت سے اس بات کا تقاضا کر سکتا تھا کہ قاتلین عثمانؓ میرے حوالے کیے جائیں۔ مگر اس اعتراض کے جواب میں اس بات پر غور کرنا اشد ضروری ہو جاتا ہے کہ سیدنا علیؓ کی خلافت کا انعقاد بھی ہوا تھا یا نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ انعقاد خلافت کا حق صرف اہل مدینہ کو حاصل تھا تو اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس وقت مدینہ میں صحابہ کرامؓ کی کس قدر تعداد موجود تھی جنہوں نے سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی تھی۔ سیدنا علیؓ کی خلافت کے متعلق میں "مشکوٰۃ المصابیح جلد سوم کے فوائد غزنویہ پر ایک نظر" میں بدلائل و شواہد اس امر پر بحث کر چکا ہوں کہ سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر انعقاد خلافت سرے سے ہوا ہی نہیں تھا۔ سیدنا علیؓ اور سیدنا حسنؓ کی برائے نام خلافت کا دور ایک عبوری دور تھا اور حدیث کے یہ کلمات الخلافۃ بالمدینۃ والملک بالشام اس پر شاہد عادل ہیں۔ سیدنا علیؓ نے اپنا مستقر حکومت کوفہ کو قرار دیا تھا۔ حدیث کے کلمات کی روشنی میں آپ کو نہ تو خلیفہ کہا جائے گا اور نہ ہی ملک۔ اس لئے محققین نے سیدنا علیؓ کے دور خلافت کو عبوری دور کہا ہے۔ ان حالات میں جبکہ سیدنا علیؓ خود قاتلین عثمانؓ کے

گھیرے میں تھے اور قاتلین عثمانؓ نے آپ کو اپنی حفاظت کے لئے آڑ کے طور پر خلیفہ بنایا تھا۔
مگر یا بہمہ صدیقہ کائناتؓ یا سیدنا معاویہؓ نے کسی مقام پر بھی سیدنا علیؓ کی اس برائے نام
خلافت کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا۔ دینی شرف و مجد، قرابت و بزرگی، سعادت صحابیت
اپنی جگہ مسلم اور لاریب، اس سے انکار مترادف بکفر سمجھا جائے گا۔ مگر منصب خلافت کیلئے
اجماع امت لابدی اور لازمی چیز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ولی الدم ہونے کا حق سیدنا
ذوالنورینؓ کی اولاد یا ازواج کو حاصل تھا۔ مگر وہ کس عدالت میں اپنا استغاثہ دائر
کرتے جبکہ سامنے صورت یہ تھی کہ قاتلین نے اپنے بچاؤ کے لئے سیدنا علیؓ کو اپنا
خلیفہ منتخب کر لیا تھا اور آپ ان کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔ ان حالات
میں طلب قصاص کے لئے کسی قدر آور شخصیت کی ضرورت تھی اور وہ سوائے سیدنا
معاویہؓ کے اور کوئی شخصیت نہ تھی۔ اور بلحاظ رشتہ داری کے انہیں بدرجہ اولیٰ
یہ حق بھی حاصل تھا اور سیدنا معاویہؓ سے بڑھ کر امہات المومنینؓ کو یہ حق پہنچتا تھا۔
چونکہ وہ صرف تمام امت کی مائیں ہی نہ تھیں بلکہ شہید مظلوم ان کے داماد بھی تھے۔
واقعات نے ایک گورکھ دھندے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ ہر شخص
اپنے مقام پر ساکت و صامت ہو کر رہ گیا تھا۔

جونہی حالات میں کچھ ٹھہراؤ سا آیا اجل صحابہ کرامؓ کی فراست ایمانی نے انہیں جو
راستہ دکھایا وہی عین اقرب الی الصواب تھا۔ اسی ایمانی بصیرت نے حضرات طلحہؓ و
زبیرؓ کو سیدہ کائناتؓ کے حضور میں پہنچایا۔ صلح حدیبیہ میں شامل صحابہ کرامؓ کو جونہی
خون عثمانؓ کے قصاص کے لئے بیعت رضوان کا واقعہ یاد آیا انہوں نے اس بیعت
سے عہدہ برآئی کے لئے سیدہ صدیقہ کائناتؓ کے حضور میں حاضری کو اولیت دی۔
معرکہ جمل میں سیدہ صدیقہ کائناتؓ کا موقف مبنی برحق ہی نہیں تھا بلکہ فریضہ تھا۔
اور اگر یہ اقدام نہ کیا جاتا تو جمہور صحابہ کرامؓ جوابدہ ہوتے بعض جہلا آج یہ کہتے بھی سنے
جاتے ہیں کہ حضرت صدیقہؓ تمام عمر واقعہ جمل پر تاسف کرتی رہیں بلا اس لئے تراشی گئی کہ
آپ کا موقف غلط ثابت کیا جا سکے مگر اس قسم کے مغوبات صریحاً کذب کی داستانیں ہیں۔
قاتلین عثمانؓ میں چھ سو بصرہ کے چھ سو کوفہ کے اور چھ سو مصر کے بلوائی تھے اس تفصیل
کے لئے میں شہادت ذوالنورینؓ میں تفصیلی بحث کر چکا ہوں سیدنا علیؓ کو خلیفہ بنانے کے بعد

بصری بصرہ پہنچ چکے تھے۔ مصری مصر کا راستہ لے چکے تھے مگر کوفی آپ کے کیمپ میں موجود تھے سیدہ صدیقہ کائنات رضی اس حقیقت سے خوب واقف تھیں کہ سیدنا علی رضی بلوائیوں کے درمیان بے بس ہو کر رہ گئے ہیں۔ آپ کی مومنانہ فراست نے دیکھ لیا تھا کہ جب تک سیدنا علی رضی کے ہاتھ نہ مضبوط کیے جائیں گے۔ وہ قاتلین عثمان رضی سے قصاص نہیں لے سکیں گے اور اس کا ایک ہی طریقہ تھا کہ بصرہ کے بلوائیوں کو بے بس کر دیا جائے اس کے بعد کوفی بلوائیوں کے گھیرے سے سیدنا علی رضی کو آزاد کرایا جائے یہی وجہ تھی کہ آپ نے بصرہ کا عزم کیا۔

گو سیدنا علی رضی کے ہاتھ پر انعقاد خلافت نہ ہوا تھا مگر سیدہ صدیقہ کائنات رضی یا سیدنا معاویہ رضی یا حضرات طلحہ رضی و زبیر رضی یا دیگر صحابہ کرام رضی میں سے کسی ایک کا کسی تاریخ یا سیرت کی کتاب میں ایک ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ ان ذوات قدسیہ کو سیدنا علی رضی کی خلافت سے اختلاف تھا۔ وہ سب صرف یہ چاہتے تھے کہ سیدنا علی رضی کو بلوائیوں کے گھیرے سے نکال کر خون عثمان رضی کے قصاص کے لئے فضا سازگار کی جائے۔ اور سیدنا علی رضی بھی ان حقائق کو خوب سمجھتے تھے جیسا کہ ان کے اکثر خطابات سے مترشح ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بصرہ میں فریقین کی گفت و شنید کن مراحل میں داخل ہو چکی تھی۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ فیصلہ ہو چکا تھا اور فریقین نہایت امن و سکون سے اپنے اپنے کیمپوں میں آرام کی نیند میں تھے۔ کہ قاتلین عثمان رضی نے فریقین کے فیصلہ میں ان کی تلواروں کی دھار اپنے گلوں پر محسوس کر کے چپکے سے صدیقہ کائنات رضی کے کیمپ پر حملہ بول دیا جس میں حضرت طلحہ الخیر رضی۔ اور حواریئے رسول حضرت زبیر رضی کے علاوہ سینکڑوں صحابہ رضی جنت الفردوس کو سدھار گئے۔

سیدنا علی رضی نے یہ منظر دیکھا تو پکار اُٹھے: کاش کہ میں آج سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا۔ سبائی مفسدہ پرداز گروہ کے اس شاخسانہ کو تاریخ و سیر کی کتب میں جنگ جمل کا نام دے کر ہزاروں صفحات سیاہ کیے جا چکے ہیں حالانکہ یہ سب یکطرفہ کارروائی تھی اور قرآنی ارشاد انہ کان منصورا کی تفسیر کے عملی مفسر ہونے کا شرف سیدنا حسن رضی کو حاصل ہوا۔ جب انہوں نے سیدنا معاویہ رضی کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے ہاتھ مضبوط کیے۔ ❊

ساتواں باب

صدیقہ کائنات رض اور سیدنا ذوالنورین رض

وفات عائشہ رض کا ... مولف اپنی تالیف کے صفحہ ۳۶ پر اپنے روحانی آباؤ اجداد مولف کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن ابی الحدید اعثم کوفی، روضۃ الصفا اور روضۃ الاحباب کے حوالوں سے اپنے باطنی سنڈاس کو صدیقہ کائنات کی زبان سے یوں اگلتا ہے: اقتلوا نعثلاً قتل اللہ نعثلاً فانہ قد کفر۔ اس نعثل یہودی کو قتل کرو خدا اسے قتل کرے یہ کافر ہو گیا ہے۔

"حوالے میں نہایہ ابن اثیر" بھی لکھا ہے۔ اس اجہل کو اس قدر معلوم نہیں کہ ابن اثیر کی کوئی تالیف نہایہ نام کی نہیں بلکہ نہایہ نام کی کوئی تالیف سرے سے دنیا میں موجود ہی نہیں۔ اگر اس خبیث نے سنیوں کو دھوکا دینے کے لئے یا اپنی جہالت کی وجہ سے البدایۃ والنہایۃ کو نہایہ لکھا ہو تو وہ حافظ ابن کثیر کی تالیف ہے۔

پھر یہ کلمات کس کے لئے ہیں اس بات کا کوئی سر پیر نہیں۔ اور جب سیدنا ذوالنورین رض شہید ہوئے اس وقت صدیقہ کائنات رض مکہ میں تھیں۔

صدیقہ کائنات رض سیدنا ذوالنورین رض کے مقام سے واقف تھیں۔ آپ نے جو کچھ وقتاً فوقتاً سیدنا ذوالنورین رض کی شان اقدس میں فرمایا۔ وہ مسلمانوں کی معتبر کتب میں موجود ہے۔

۱۔ صدیقہ کائنات رض فرماتی ہیں کہ چار دن رسول اللہ کے گھر والوں پر بے آب و دانہ گذر گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے عائشہ رض کہیں سے کچھ آیا۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ سے نہ دلائے تو کہاں سے آئے گا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے وضو فرمایا اور اللہ کی تسبیح کہتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ کبھی یہاں نماز پڑھتے اور کبھی وہاں اور اللہ سے دعا کرتے۔ صدیقہ کائنات رض فرماتی ہیں کہ تیسرے پہر حضرت عثمان رض آئے اور پوچھا اے ماں! رسول اللہ کہاں ہیں؟ میں نے کہا بیٹے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے چار دن سے کچھ نہیں کھایا اور آنحضرت اسی پریشانی میں باہر تشریف لے گئے ہیں۔ یہ

سُن کر حضرت عثمانؓ دیر سے فوراً واپس گئے اور آٹا گیہوں خرمے ڈنٹوں پر لدائے اور کھال اتری ہوئی بکری اور ایک تھیلی میں تین سو درہم لے کر آئے۔ اور مجھے قسم دلائی کہ جب کبھی ضرورت پیش آئے مجھے خبر کیجئے۔ کچھ دیر بعد حضورؐ تشریف لائے اور پوچھا میرے بعد تم کو کچھ ملا؟ میں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ آپ اپنے اللہ سے دعا کرنے گئے تھے اور اللہ آپؐ کی دعا رد نہیں کرتا۔ میں نے اس کے بعد تمام واقعہ عرض کر دیا۔ آپ یہ سُن کر پھر مسجد میں تشریف لے گئے اور میں نے سُنا کہ حضورؐ ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہے ہیں اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہو گیا۔ تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہو گیا۔ تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ (ازالۃ الخفا)

۲۔ صدیقہ کائنات سیدنا ذوالنورینؓ کے حیا کے متعلق فرماتی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت صادق و مصدوقؐ میرے حجرے میں ایک گدیلے پر استراحت فرما تھے۔ اور بے تکلفانہ کیفیت تھی (اپنے حجرے میں جہاں صرف میاں بیوی ہوں اور حجرہ بھی مختصر ہو۔ وہاں کی بے تکلفانہ کیفیت تھی (اپنے حجرے میں جہاں صرف میاں بیوی ہوں۔ اور حجرہ بھی مختصر ہو وہاں کی بے تکلفانہ کیفیت سے یہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شاید نبی علیہ السلام کی ساق مبارک کھلی ہو یا پورا جسم اطہر ڈھکا ہوا نہ ہو۔ للمولف) اطلاع ملی کہ صدیق اکبرؓ اذن باریابی کے خواہاں ہیں۔ اجازت ملنے پر صدیق اکبرؓ تشریف لائے۔ اور نبی علیہ السلام اسی حالت میں استراحت فرما رہے۔ صدیق اکبرؓ نے جو عرض کرنا تھا کیا اور رخصت ہو گئے۔ پھر اطلاع ملی کہ فاروق اعظمؓ اذن باریابی کے خواہاں ہیں انہیں بھی اجازت ملی تو صدیقہ کائناتؓ نے پیٹھ ایک طرف پھیر لی اور چادر کو درست کر لیا۔ وہ بھی تشریف لے گئے تو اطلاع ملی کہ حضرت ذوالنورینؓ حاضر ہوئے ہیں اور اذن باریابی چاہتے ہیں۔ حضرت صادق و مصدوقؐ یہ سنتے ہی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ کپڑے درست کر لئے۔ ساق مبارک ڈھانپ لی اور ساتھ ہی حضرت صدیقہؓ کو فرمایا اپنے کپڑے اپنے جسم پر اچھی طرح درست کر لو۔ اور دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ اس اہتمام کے بعد حضرت ذوالنورینؓ کو اذنِ باریابی ملا۔ انہوں نے جو کچھ عرض کرنا تھا کر کے رخصت ہو گئے۔ تو میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ صدیق اکبرؓ آئے آپؐ نے کوئی اہتمام نہ فرمایا۔ فاروق اعظمؓ آئے آپؐ نے کوئی اہتمام نہ فرمایا۔ مگر یہ کیا کہ اس

بات تھی کہ حضرت عثمان رضؓ کے آنے پر اس قدر اہتمام فرمایا۔ حضرت صادق و مصدوقؐ نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ عثمان غنی رضؓ حیا داروں میں سب سے زیادہ حیا دار ہیں۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اسی طرح بے تکلفانہ کیفیت میں لیٹا رہا۔ تو وہ اپنے حیا کی وجہ سے جو کچھ کہنے کے لئے آئے ہیں نہیں کہہ سکیں گے عثمانؓ کی وہ شخصیت ہے کہ فرشتے بھی ان سے حیا کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

۳۔ صدیقہ کائناتؓ فرماتی ہیں کہ حضرت صادق و مصدوقؐ نے وفات سے پہلے ایک دن سیدنا ذوالنورینؓ کو تخلیہ میں طلب فرما کر ان سے چند باتیں کیں۔ آپ کا چہرہ متغیر ہوتا چلا گیا ——— آپؓ کے غلام ابوسہلہؓ نے بیان کیا کہ شہادت سے پہلے سیدنا ذوالنورینؓ نے مجھ سے فرمایا۔ کہ حضرت صادق و مصدوقؐ نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں صابر رہوں (ابن ماجہ)

۴۔ صدیقہ کائناتؓ فرماتی ہیں کہ حضرت صادق و مصدوقؐ نے ایک روز سیدنا ذوالنورینؓ سے فرمایا کہ اے عثمانؓ اگر اللہ تعالیٰ تم کو اس امت پر خلیفہ مقرر کرے اور منافق اس بات کی کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ کے پہنائے ہوئے کرتے کو اتار دو تو تم ہرگز اسے نہ اتارنا۔ یہ کلمات آنحضرتؐ نے تین بار ارشاد فرمائے۔

۵۔ صدیقہ کائناتؓ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم حضرت عثمانؓ آنحضرتؐ کے پاس تشریف فرما ہوتے اور آپؐ پر اس حالت میں وحی نازل ہوتی کہ حضورؐ میرے اوپر اپنی پشت سے سہارا لگائے ہوئے ہوتے اور حضرت عثمانؓ سے فرماتے لکھو۔

میں اس مقام پر صرف ان پانچ واقعات پر اکتفا کرتا ہوں۔ ورنہ اس قسم کے بیسیوں واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں ان سے اندازہ لگا ہے کہ سیدنا ذوالنورینؓ کا مقام صدیقہ کائناتؓ کی نظروں میں کس قدر بلند تھا اور صدیقہ کائناتؓ سیدنا ذوالنورینؓ کی کس قدر مداح تھیں۔ پہلی روایت سے کس قدر محبت، خلوص اور صداقت کے جذبات مترشح ہوتے ہیں دوسری روایت ان روایات کی تائید کرتی ہے۔ جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کے

کے بعد صدیق اکبرؓ ان کے بعد فاروق اعظمؓ اور ان کے بعد عثمان غنیؓ کا مرتبہ تھا۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حدیث اسی قسم کی دوسری حدیثوں کی طرح خلافت نبوت کی تفسیر ہے جس کا خاتمہ سیدنا ذوالنورینؓ کی شہادت پر ہو گیا۔ اور اس کے بعد بموجب روایت محمد بن علیؓ تمام صحابہ کرامؓ ایک جیسے مقام کے حامل تھے۔

تیسری چوتھی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقہ کائناتؓ سیدنا ذوالنورینؓ کی شہادت سے باخبر تھیں۔ پانچویں روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صدیقہ کائناتؓ سیدنا ذوالنورین کو کاتب وحی فرما رہی ہیں۔ ان روایات کی موجودگی میں کسی خبیث کے بکواس کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔ بصرہ کے مقام پر سیدہ صدیقہؓ کائناتؓ کا پہلا خطاب اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ سیدہ صدیقہؓ، سیدنا ذوالنورینؓ کو شہید مظلوم سمجھتی تھیں۔

وفات اور تدفین

"وفات حضرت عائشہؓ" کا مولف کسی مجہول رافضی کی کتاب "حبیب السیر" کے حوالے سے لکھتا ہے کہ ایک دن معاویہؓ نے عائشہؓ سے کہلا بھیجا کہ آج آپ کی دعوت ہے اور دعوت کا سامان یہ کیا کہ اپنی قیام گاہ میں خفیہ طور پر ایک کنواں کھدوایا۔ اور اس کا منہ خس و خاشاک سے بھر دیا۔ اور اس پر آبنوس کی کرسی ڈال دی۔ جب بی بی عائشہؓ اس مکان میں تشریف لائیں تو معاویہؓ نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ کہ اس پر تشریف رکھیں۔ عائشہؓ قدم رکھتے ہی کنوئیں میں گر پڑیں۔ معاویہؓ نے اس کنوئیں کو چونے سے بھروا دیا اور بند کرا دیا۔

اس کذاب داستان گو کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ صدیقہ کائناتؓ کی وفات ۱۷ رمضان ۵۸ھ مطابق ۱۳ جون ۶۷۸ء کو ہوئی۔

۱۔ امیر معاویہؓ کے متعلق کسی کتاب میں یہ مرقوم نہیں کہ انہوں نے ۵۸ھ کے رمضان میں مدینہ کا سفر کیا تھا۔

۲۔ صدیقہؓ کائنات کے متعلق کہیں یہ مرقوم نہیں کہ وہ کسی کی دعوت پر

حاشیہ) حبیب السیر کا مولف رافضی تھا (کشف التلبیس جلد ۱ صفحہ ۴۴)

کسی کے ہاں کبھی تشریف لے گئی ہوں۔

۳۔ امیر معاویہ رضؓ کا کنواں کھدوانا اور اسے خس وخاشاک سے ڈھانپ کر اس پر آبنوس کی کرسی بچھا کر حضرت صدیقہ رضؓ کو اس پر بیٹھنے کا اشارہ کرنا ایسی ہوائی گپ ہے جسے معمولی سی عقل کا آدمی بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ معاویہ رضؓ کنواں کھدوا رہے ہیں اور اس پر خس وخاشاک بچھا رہے ہیں یہ باتیں پوشیدہ رہنے والی نہ تھیں۔

۴۔ صدیقہ کائنات اکیلی کیوں تشریف لے گئیں۔

۵۔ تشریف لے گئیں تو کیا وہاں صرف امیر معاویہ رضؓ تھے یا اور افراد بھی موجود تھے۔

۶۔ کیا وہ مردوں کے سامنے جا کر کرسی پر بیٹھ گئیں اور امیر معاویہ رضؓ کے ساتھ مستورات نہ تھیں۔ جن کے پاس سیدہ صدیقہ رضؓ جا کر تشریف فرما ہوتیں۔

۷۔ اس زمانہ میں چونا اور آبنوس یہ کذاب داستان کو کہاں سے لایا۔

۸۔ اتنے عظیم واقعہ پر کسی طرف سے کوئی آواز نہ اٹھی۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

صحیح واقعات یہ ہیں کہ آپ نے مرض الموت میں وصیت فرمائی۔ کہ مجھے جنت البقیع میں دفن کرنا (بخاری اواخر کتاب الجنائز، بخاری الاعتصام بالسنۃ ابن سعد جز نسا صفحہ ۵۱)

یہ بھی فرمایا کہ مجھے رات کو ہی دفن کر دینا اور صبح کا انتظار نہ کرنا۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ نبی علیہ السلام اور حضرت صدیق اکبر رضؓ کے ساتھ دفن ہوتیں۔ آپ نے فرمایا انی اذا لانا المبتدئۃ تعملی (موطا امام محمد باب النوادر) اگر ایسا ہو تو پچھلا عمل جاتا رہے اور نیا شروع کروں۔

لوگ خیریت پوچھنے کے لئے حاضر ہوتے تو آپ فرماتیں الحمد للہ اچھی ہوں (طبقات جلد ۸)

جس رات آپ رضؓ نے وفات پائی۔ مشعلیں روشن کر دی گئیں اور عورتیں جمع تھیں۔

اس قدر کثرت تھی کہ عید کا گمان ہوتا تھا (طبقات ۵۲/۸) جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ لوگو
کا بیان ہے کہ اس سے پہلے رات کے وقت اتنا مجمع کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا
آپؓ کے انتقال سے لوگوں کو بہت صدمہ ہوا۔ لوگ بے اختیار روتے تھے
ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے کانوں میں لوگوں کے گریہ کی آواز پہنچی تو فرمایا عائشہ
کے لئے جنت واجب ہے۔ وہ رسول اللہ کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔ (حا
طیالسی میں ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا۔ خدا ان پر رحمت بھیجے
کہ اپنے باپ کے سوا وہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں (طیالسی مسند ام سلمہ ص ۲۲
حضرت ابوہریرہؓ ان دنوں مدینہ کے گورنر تھے۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھ
اور قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ، عبداللہ بن عتیق، عروہ بن ز
عبداللہ بن زبیرؓ، محمد بن عبدالرحمٰنؓ، بھتیجوں اور بھانجوں نے قبر میں اتارا۔
(مستدرک حاکم علی شرط الصحیحین، طبقات ابن سعد ۵۲/۸
مدینہ میں قیامت برپا تھی کہ آج حرم نبوت کی ایک اور شمع بجھ گئی۔ مسروق تابعی
کہتے تھے کہ اگر بعض مصالح مانع نہ ہوتے تو میں ام المومنینؓ کے لئے حلقہ ماتم قائم
کرتا (ابن سعد ۵۲/۸)
عبید بن عمیر نے ایک شخص سے پوچھا کہ حضرت عائشہؓ کی وفات کا غم اہل مدینہ
کتنا کیا۔ اس نے جواب دیا جس جس کی وہ ماں تھیں (یعنی تمام مسلمان) اسی کو ان کا غم
تھا (ابن سعد ۵۲/۸)
صدیقہ کائناتؓ کے ترکہ میں ایک جنگل تھا۔ جو سیدہ اسماءؓ کے حصہ میں آیا۔
امیر معاویہؓ نے وہ جنگل تبرکاً ایک لاکھ درہم میں خریدا۔ حضرت اسماءؓ نے وہ رقم عزیز
میں تقسیم کردی (صحیح بخاری ہبۃ الواحد للجماعۃ)
جن خبیث طبع لوگوں نے یہ داستان تراشی ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت صدیقہ
کو کنوئیں میں گرا کر قتل کیا۔ وہ اس بات پر غور کریں کہ سیدہ صدیقہؓ کا ترکہ اگر چہ
ایک جنگل تھا۔ امیر معاویہؓ نے تبرکاً خریدا۔
رفض کی کوئی کل سیدھی نہیں۔ وفات عائشہ کے مولف سے پہلے اس

ہما تماعلی نقوی جیسے ان کے حواری سید العلماء لکھتے ہیں اپنی تالیف قبہ وقبور میں
ت عائشہؓ کے مولف کے منہ پر ان الفاظ میں ایک زناٹے دار تھپڑ رسید
ہے جنت البقیع وہ مقام ہے جہاں اصحاب رسولؐ ازواج رسولؐ، اولاد رسولؐ اقربائے
ن، آئمہ علم، آئمہ دین غرض ہر وہ گروہ جو اسلامی نظر سے معزز ہے اور جس کی عظمت
انوں کے لوحِ دل پر نقش ہے مدفون ہے (صفحہ ۴۴)
چند صفحات آگے چل کر ایسے گستاخوں کے لیئے جوتا تھام لیتا ہے :-
ات المومنینؓ یعنی ازواج رسولؐ کی قبریں اسی بقیع میں تھیں چنانچہ دفنت وفات
رت عائشہؓ نے فرمایا کہ مجھ کو وہیں بقیع میں دفن کرنا جہاں میری اور بہنیں
اج النبیؐ) دفن ہیں۔ چنانچہ اسی وصیت کی بنا پر جناب عائشہؓ بھی عام روایت
طابق جنت البقیع میں دفن ہیں (قبہ وقبور صفحہ ۴۶)
اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ صدیقہ کائناتؓ نے وفات سے پہلے اپنی
ن کے متعلق باقاعدہ وصیت فرمائی اور آپ کی اس وصیت پر عمل کیا گیا۔
اور اگر امیر معاویہؓ کے کنوئیں والی بکواس کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ تو
ت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سواں باب

حضور سید کائناتؐ کی ذاتِ اقدس واطہر کے دامن تقدیس طہارت کو داغدار
ے اوں کے ازالہ کا منظر تو آپ نے دیکھ لیا اور آپ کی سیرت مقدسہ کے متعلق چند
ات پر بھی ایک نظر ڈالتے جائیے۔ آپ کی ذاتِ اقدس زمانہ بھر کے لئے منبع جود وسخا
، نور ہدیٰ، معدنِ صدق وصفا، مخزن حکمت وعدالت پیکر عفت وطہارت تھیں۔ آپ ایک
محبوبہ محسن انسانیتؐ تھیں تو دوسری طرف جاں نثار فخر انسانیت۔ غرض آپ کی کس
فضیلت کو گنا جا سکتا ہے۔

ر وز سیرت	رنگ سرخ وسفید تھا اور خوش رو وصاحب جمال تھیں (مسند احمد، ابوداؤد۔ صحیح بخاری)

ان وعادات	ملکہ بعدلی خلق عظیم کے "لباس" کی سعادت اس بات کی متقضی تھی کہ آپ کا اخلاقی مرتبہ بھی خلق عظیم کا پر تو ہو۔

سو آپ حامل اخلاق حسنہ، نہایت سنجیدہ، فیاض، قانع، عبادت گذار اور رحم و کرم اور مجسمہ عفو و ایثار تھیں جب بھی کوئی خاتون نبی اکرمؐ کی خدمت میں کوئی حاجت لیکر حاضر ہوتیں تو حضرت صدیقہؓ ان کی اعانت اور سفارش کے لئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو جاتیں (مسند، صحیح بخاری)

غیبت و بدگوئی سے احتراز

آپ سے زائد از دو ہزار روایات منقول ہیں مگر کسی ایک روایت میں اس قسم کا ہلکا سا اشارہ نہیں ملتا کہ آپ نے کسی کی غیبت یا بدگوئی کی ہو۔

قبول احسان سے احتراز

تمام زندگی کسی کا احسان قبول نہیں فرمایا۔ اگر کسی نے کوئی تحفہ پیش کیا تو اس کے بدلے میں ضرور کچھ عطا فرماتیں۔

شجاعت و دلیری

نہایت شجاع، باحوصلہ، باہمت اور پُر دل تھیں۔ میدان میں بھی چلی جاتی تھیں۔ غزوہ احد کے معرکہ میں جب افراتفری نے دوست دشمن کی تفریق مٹا دی تھی آپ اپنی پیٹھ پر پانی کی مشک لاد لاد کر زخمیوں کو پلاتی تھیں۔ غزوۂ خندق میں بے خطر قلعہ سے نکل کر میدان جنگ میں پہنچ جاتی تھیں (مسلم، بخاری، مسند)

جود و کرم اور سخاوت و فیاضی

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی ماں حضرت اسماءؓ اور اپنی خالہ سیدہ عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو صاحب کرم، فیاض اور سخی نہیں دیکھا (عروہؓ کا بیان ہے کہ ایک بار ستر ہزار درہم کھڑے کھڑے لٹا دئیے (طبقات ابن سعد) امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ درہم بھیجا آپ نے شام ہونے سے پہلے سب اللہ کے نام لٹا دیا خود روزہ سے تھیں اور روکھی سوکھی روٹی سے افطار کیا (مستدرک حاکم) کوئی سائل کبھی آپ کے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں گیا۔

رقت قلبی اور خشیت الٰہی

نہایت رقیق القلب تھیں۔ خوف کے مقام پر معمولی معمولی باتوں پر رونے لگتی تھیں، دل خشیت الٰہی اور خوف سے لبریز تھا۔ پردہ کی سختی سے پابند تھیں۔ (صحیح بخاری)

عبادات

تہجد گزار، چاشت کی نماز کی پابند اور اکثر صائم رہتیں (ابو داؤد بخاری) حج کی شدت سے پابند تھیں (صحیح بخاری)

علم و فضل

علم و فضل میں عام عورتوں کا تو ذکر ہی کیا۔ دیگر امہات المومنینؓ بلکہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو آپ پر فوقیت حاصل نہ تھی امام زہریؒ کہتے ہیں آپ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ عالم تھیں بڑے بڑے صحابہؓ آپ سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ عروہؒ کہتے ہیں میں نے حلال و حرام، علم شاعری اور طب میں آپ سے بڑھ کر کسی کو نہیں۔ زرقانی میں مرقوم ہے کہ قرآن، فرائض، حلال، حرام، فقہ، شاعری، طب، تاریخ عرب اور نسب کے فنون میں آپ سے بڑھ کر کوئی عالم دیکھنے میں نہیں آیا۔ زہریؒ کا قول ہے کہ تمام مردوں کا علم اور امہات المومنین کا علم اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تب بھی آپ کا علم ان سب سے زیادہ تھا۔

علم قرآن و حدیث

علم قرآن و حدیث میں تمام صحابہ کرامؓ کے مقابلہ میں اپنے سرعت فہم اور ذکا کی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر اہم مقام رکھتی تھیں آپ فی الفور مغز سخن تک پہنچ کر جو فیصلے فرماتیں ان کے تذکروں سے دینی کتب کے ہزاروں صفحات بھرے پڑے ہیں یہ بات مسلّمات کا درجہ رکھتی ہے کہ ایک محرم اسرار سے اس کے احباب کی نسبت اس کی بیوی زیادہ جاننے والی ہوتی ہے۔ نبی اکرمؐ جیسا خاوند معلّم اور صدیقہؓ کائنات جیسی نابغہ دوران بیوی متعلّمہ ہو تو اس سے علم اسرار الدین کا کونسا گوشہ تشنہ معنی رہ سکتا تھا اور پھر اس صورت میں جبکہ قوتِ حافظہ سے بدرجہ اتم حصہ وافر عطا ہوا ہو یہی وجہ تھی کہ آپ نے اکابر صحابہ کرامؓ سے اکثر مقامات پر اختلاف کیا اور حق یہ ہے کہ حق ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا۔

ارباب علم و فن سے یہ پوشیدہ نہیں کہ بوسہ سے وضو کا ٹوٹنا، جنازہ اٹھانے سے وضو کا نہ ٹوٹنا، عورتوں کا بال کھول کر غسل کرنا، غسل التقا، قرء کا صحیح مفہوم، عورت کی میت کا غسل، نماز کے وقت عورت کا سامنے آنا، صبح، عصر اور مغرب کی نماز کے اوقات، بحالت جنابت روزہ، افطار میں جلدی، قربانی کا گوشت، حج میں بال منڈا کر خوشبو ملنا، حج کے دوران وادی محصب کا قیام۔ بال کا طواف، زیور میں زکوٰۃ، یتیم نابالغ کے مال پر زکوٰۃ، حاملہ کی عدت، بلوغ کے زمانہ میں کسی عورت کا دودھ پینا، رضاعت کی شرط، چوری کے مال کی حد، بیوہ کی عدت وغیرہ مسائل کے اختلاف میں آخری فتوے صدیقہ کائناتؓ کے حکم پر ہی دیا جاتا ہے۔

علم کلام و عقائد

اللہ تعالیٰ کے اعضاء اور رویت کے متعلق سیدہ صدیقہ کائناتؓ کا اجتہاد نہایت نکھرا ہوا اور واضح ہے۔ آپ کا مسلک یہ تھا۔

کہ ان امور میں قیل و قال کی گنجائش نہیں۔ جیسا کچھ قرآن نے بیان کیا ہے۔ اس پر ایمان لایا جائے اور کیفیت کو اسی حال پر چھوڑ دیا جائے۔

تاریخ عرب جاہلیت کے معاشرتی حالات اور رسم و رواج کے متعلق حدیث کی کتابوں میں جو ذخیرہ موجود ہے ان کا کثیر حصہ سیدہ صدیقہ کائنات رضی کی زبان سے ہی منقول ہے۔ جنگ بعاث کا تذکرہ، آغاز وحی، ابتدائے نبوت ہجرت کے حالات۔ واقعہ معراج۔ قرآن کیونکر اور کس ترتیب سے نازل ہوا۔ نماز کی صورت، نبی کے مرض الموت کی تفصیلی کیفیت، آنحضرت کے کفن کے کپڑے، تدفین کے حالات حضرت صدیقہ رض کے ذریعے ہی ہم تک پہنچے ہیں۔ نکاح کے وقت صدیقہ کائنات رض کی چھ سال کی عمر کے قابل غور یہ نوادر درون خانہ کے حالات تھے میدان جنگ کے حالات یعنی غزوہ بدر غزوہ احد غزوہ خندق غزوہ بنو قریظہ کی بعض جزئیات غزوہ ذات الرقاع، فتح مکہ میں عورتوں کی بیعت، حجۃ الوداع کے بعض حالات، نبی علیہ السلام کی شبانہ عبادت اور خانگی مشاغل، آنحضرت کے ذاتی اخلاق کا نقشہ، آنحضور پر سب سے سخت دن کونسا گزرا، صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی خلافت، سیدنا علی کا ملال خاطر آپ کے ذریعہ ہی بروایات صحیحہ ہم تک پہنچا۔ (بخاری مسلم)

ادب و خطابت گزشتہ ابواب میں جنگ جمل کے موقع پر حضرت صدیقہ رض کے خطبات آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں آپ نہایت شیریں بیان، فصیح اللسان اور قادر الکلام خطیب تھیں۔ موسیٰ بن طلحہ کا قول ہے کہ آپ سے زیادہ فصیح اللسان میری نظروں سے نہیں گزرا۔ احنف بن قیس سے روایت ہے کہ میں نے حسن بیان اور متانت میں کسی کو حضرت صدیقہ سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔ حسن گفتار اور فصاحت لسانی کے ساتھ لہجہ میں پختگی، رفعت، طنطنہ اور جلالت ہوتی تھی۔ چنانچہ طبری جیسا رافضی بھی کہتا ہے کہ آپ ایک صاحب جلال خاتون تھیں۔

شاعری سیدنا صدیق اکبر رض شعر و سخن کے نقاد تھے (مسند، مستدرک حاکم، استیعاب، اصابہ) یہ فن حضرت صدیقہ رض کو گویا اپنے والد بزرگوار کی طرف سے ورثہ میں ملا تھا۔ نبی علیہ السلام کی خدمت میں ایک بار ابو بکر ہذلی کے دو شعر پڑھ کر عرض کیا کہ حقیقی معنوں میں آپ ان شعروں کے مصداق ہیں آپ یہ سن کر مسرور ہوئے۔ ایک دفعہ آنحضرت کی خدمت میں دو شعر پڑھے تو آپ نے آپ رض کا ماتھا چوم لیا۔ غزوات کے موقع پر صحابہ کرام جو رجزیہ اشعار پڑھتے تھے اور جنگ جمل کے موقع پر آپ کے لشکریوں نے جو رجزیہ اشعار پڑھے سب آپ کو یاد تھے۔ اکثر اوقات برمحل اور برموقع جاہلیت کے شعراء کا کلام سند کے طور پر پیش فرمایا کرتیں۔

تعلیم آپؓ، نبی اکرمؐ کے ارشاد فلیبلغ الشاهد الغائب کی مجسم تنویر تھیں۔ سیدنا ذوالنورینؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے چار پانچسالہ بحرانی دور اور اس کے بعد دمشق کے دارالخلافت ہونے پر مدینہ کی مرکزیت سیاسی طور پر ختم ہو چکی تھی۔ مگر سیدہ صدیقہؓ کی ذاتِ بابرکات کے علمی فیوض نے مکہ، طائف، بحرین، یمن، دارالخلافت دمشق، مصر، کوفہ، بصرہ وغیرہ کے تشنگانِ علوم کیلئے مدینہ منورہ کو مرکزیت کا مقام بنا رکھا تھا۔ اور جو دیوانگانِ دین حرم نبوی کی زیارت کیلئے تشریف لاتے تھے وہ دینی دنیوی فیوض و برکات سے اپنے دامن بھر کر لوٹتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ تمام مقامات حضرت صدیقہؓ کی خبری اولاد کے اکابرین کا مرکز بنے ہوئے تھے گویا مدینہ منورہ کی علمی مرکزیت سیدہ صدیقہ کے شرفِ فضل و مجد کی وجہ سے قائم رہی۔ گو یہاں ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ، زید بن ثابتؓ کی مستقل درسگاہیں موجود تھیں مگر وہ لوگ بھی مسجد نبویؐ سے متصل حجرہ نبویؐ کو درسگاہِ اعظم سمجھ کر حضرت صدیقہؓ کے حضور میں ہی رجوع فرماتے تھے۔ لڑکے، عورتیں، بچے، محرم اور غیر اولی الاربت حجرہ مبارک کے سامنے مسجد نبوی میں بیٹھ کر استفادہ اٹھاتے۔ ہر سال حج کے لئے تشریف لیجاتیں اس موقع پر کوہ حرا اور ثبیر کے درمیان آپ کا خیمہ نصب ہوتا۔ لوگ جوق در جوق حاضر ہو کر اپنی علمی مشکلات پیش کرتے اور اگر کوئی آدمی کسی بات کی دریافت سے جھجکتا تو آپ فرماتیں جو تم اپنی ماں سے پوچھ سکتے تھے مجھ سے بھی پوچھ سکتے ہو (مسند) آپ سے علمی استفادہ اٹھانے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے مردوں کا ذکر چھوڑیئے آپ سے علمی استفادہ اٹھانے والی خواتین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔

افتا گذشتہ صفحات میں سیدہ صدیقہ کائناتؓ کی سیرت کی طرف جو چند اشارات کئے گئے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد چالیس سال سے زیادہ زمانہ فرزندانِ اسلام کے لئے حضرت سیدہ کی ذاتِ اقدس کس قدر مرجعیت کا مقام رکھتی تھی۔ آپ صدیق اکبرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ہی افتاء کا مستقل مقام حاصل کر چکی تھیں اور اس کے بعد سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا ذوالنورینؓ کی خلافتوں کے زمانہ میں باقاعدہ فتوے دیتی رہیں (ابن سعد) سیدنا امیر معاویہؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں ضرورت کے وقت آپ کی خدمت میں خصوصی ایلچی بھیجتے جو حجرہ مبارک کے دروازہ پر کھڑا ہو کر مسائل دریافت کر کے واپس جاتا (ابن سعد)

صنفِ لطیف پر صدیقہ کائناتؓ کے احسانات

حضرت صدیقہؓ کی پوری زندگی ہر ایک عورت کے لئے مشعل راہ اور شمع ہدایت ہے۔ آپ نے یہ ثابت کر دکھایا کہ ایک مسلمان عورت پردہ میں رہ کر بھی ملک و ملت کے لئے کس قدر علمی تہذیبی، معاشی، معاشرتی، مذہبی، اجتماعی، مدنی، سیاسی، خانگی پند و نصائح اور تذکیر و موعظت اصلاح و ارشاد اور فلاح امت کے لئے کارنامے انجام دے سکتی ہے آپ کی ذات قیامت تک دختران اسلام کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔

عورتوں کو ذلیل سمجھنے والوں سے آپ سخت برہم ہو جائیں اور انہیں اچھی طرح سمجھائیں۔

عالمِ نسوانی میں صدیقہ کائناتؓ کا مقام و مرتبہ

گذشتہ صفحات میں اس موضوع پر بہت کچھ کہا گیا ہے جن بعض لوگوں نے اپنی ذہنی اختراع سے فاضل و مفضول کے مباحث میں پڑ کر اپنی ذہنی مفلسی کی بنا پر اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے کہ خواتین میں فلاں افضل ہے فلاں کا دوسرا نمبر ہے اور فلاں تیسرے نمبر پر ہے وہ یا تو نبی علیہ السلام کے اس ارشاد سے بے خبر تھے اور یا غیر شعوری طور پر سبائیت سے متاثر تھے۔

ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ حضرت صادق و مصدوق نے فرمایا مردوں میں بہت سے کامل گزرے ہیں لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون کے سوا اور کوئی کامل پیدا نہیں ہوئی اور عائشہؓ کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید کو دوسرے ہر قسم کے کھانوں پر۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدۃ النساء العالمین صرف اور صرف ام المؤمنین صدیقہ کائناتؓ حضرت سیدہ عائشہ صلوات اللہ علیہا کی ذات اقدس ہے۔

اللھم صل علی محمد ن النبی الامی وازواجہ امھات المؤمنین وذریتہ واھل بیتہ کما صلیت علی ال ابراھیم انک حمید مجید (ابوداؤد نسائی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

استدراک

سیرت صدیقہؓ کائنات ؓ کی تالیف کا کام آج سے تقریباً تین سال پہلے شروع ہوا تھا۔ چونکہ اس کے اکثر مباحث عام گھسی پٹی الفیسے ہٹ کر صرف قرآن اور صحیح احادیث کی روشنی میں قلمبند کئے گئے تھے اس لئے ضروری سمجھا کہ ملک کی بالغ نظر اور معروف دینی شخصیتوں کی نظر سے گذر جائیں۔ الحمد للہ کہ جن قدآور علمی شخصیتوں کی نظر سے یہ مسودہ گذرا ان میں سے بعض نے اسے وقت کی اہم ضرورت قرار دیا۔ بعض نے پُرخلوص جذبات سے داد دی اور ایک آدھ نے اس کے چند ایک مباحث سے دبی زبان میں اختلاف کیا مگر مجموعی طور پر اس نے بھی سراہا۔

قطع نظر دیگر مباحث کے سیدۃ النساء العالمین صدیقہؓ کائنات ام المؤمنین محبوبہ محبوب رب العالمین حضرت عائشہ صلوات اللہ علیہا کی عمر شریف بوقت نکاح کے متعلق جیسا کہ کتاب میں قارئین کی نظروں سے گزر چکا ہے الاسلام میں شائع ہوا تھا اور آخر میں "صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے" کا مصرع بھی لکھدیا تھا۔ تاکہ میرے اس مضمون سے جن احباب کو اختلاف ہوگا۔ وہ ضرور میری غلطیوں سے مجھے آگاہ کرینگے مگر صدائے برنخواست سوائے صرف دو لفظوں پر مشتمل کارڈ کے۔

البتہ چند دن ہوئے کہ "سیدہ عائشہ صدیقہ رضہ کی عمر پر ایک تحقیقی نظر" نامی کتابچہ کی طباعت کی آواز شنید میں آئی تو اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ "سیرت صدیقہ کائنات ؓ" ابھی طبع نہیں ہو سکی۔ ہو سکتا ہے حضرت ام المومنین ؓ کی عمر کے متعلق میرا خیال غلط ہو۔ تو ابھی اصلاح کا وقت ہے۔ کتابچہ فوراً منگوایا ــــ اور بڑے شوق سے اس کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شد۔

معلوم ہوا کہ حضرت مرتب وہی بزرگ ہیں جنہوں نے میرے الاسلام والے مضمون کی اشاعت پر صرف دو لفظ کہ "حضرت عائشہ رضہ کی عمر کے متعلق تم نے کتنی غلط بات کہی ہے " لکھے تھے۔ اور جواباً جب عرض کیا گیا کہ تصحیح فرما دیں تو جواب ندارد۔ البتہ اب کتاب مذکور کے ذریعے موصوف نے مرحوم سید سلیمان ندوی کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانے کی زحمت گوارہ فرمائی ہے۔

سیّد صاحبؒ کے ان مضامین میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کتابچہ کی طباعت سے پہلے ہی میں سیرت صدیقۂ کائنات میں لکھ چکا ہوں اور جو قارئین کی نظروں سے گزر چکا ہے۔ چند باتوں کی مزید وضاحت یہاں بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

حضرت مرتب کو چاہیئے تھا کہ وہ دوستانہ انداز میں مجھے سمجھاتے مجھے بلاکر میری سنتے اپنی سناتے اور ایک نظریہ پر متفق ہو کر حضور ام المؤمنینؓ کی عمر کے متعلق قارئین کو اس فیصلہ سے آگاہ کر دیتے اور یہ قصہ ختم ہو جاتا۔ مگر موصوف نے یہ نہایت بھونڈی قسم کا طریق کار اختیار کر کے عوام کے ذہنوں کو پریشان کرنے کی طرح ڈالی ہے۔

کتابچہ کے صفحہ اوّل کی پہلی سطر میں قرآن مجید کی ایک آیت کا جو ٹکڑا لکھا گیا ہے وہی غلط ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا یوں ہے: اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ۔ مگر کتابچہ میں ر پر شد کی بجائے ب پر شد ہے۔ اور و پر جزم کی بجائے ن پر جزم ہے اور ساتھ ہی زبر بھی۔ جو چاہے "معروف معنوں میں علماء کا علم کرشمہ ساز کرے۔"

سیّدہ صدیقہ کائنات ام المؤمنینؓ کا نام مقدس جس سبائیت زدہ گھسی پٹی عام روش کے مطابق لکھا گیا ہے۔ کم از کم ایک عالم دین سے ایسی حرکت کا ارتکاب اور وہ بھی اس صورت میں کہ اس کے عین نیچے ایک اُمتی کے نام کے ساتھ محقق عصر بھی ہے اور مؤرخ اسلام بھی۔ حضرت علامہ بھی ہے اور اس کے نام کے بعد رحمۃ اللہ کا لاحقہ بھی۔ مگر سیدۃ النساء العالمینؓ کے اسم مقدس کے ساتھ صرف رضؓ کی علامت یہاں پورا لفظ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لکھنے کی بھی توفیق نصیب نہ ہوئی شاید اس لئے کہ صدیقہ الکبریٰ تو اس مقام پر کام آنے کی نہیں ہیں البتہ سیّد صاحبؒ سے اپنے ڈھب کا کام لیا جا رہا ہے۔

کتابچہ پر پیش لفظ قلمبند فرماتے وقت صفحہ ۴ سطر ۱۴ پر ارشاد ہوتا ہے:
حالیہ سالوں میں بعض سطحی قسم کے لکھنے والے حضرات نے سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر مذکور کو پھر تختۂ مشق بنایا ہے۔

ایک عالمِ دین کے قلم سے اس قسم کی سوقیانہ چٹخارہ بازی کا ارتکاب؟ یا للعجب سیّدہ صدیقہؓ کی عمر کے ساتھ تختۂ مشق کی جدّت۔

جناب مرتب کبھی کسی کے متعلق چٹخارہ کستے ہیں کہ فلاں معروف معنوں میں عالم نہیں شاید اس لئے کہ وہ زکوٰۃ و صدقات کی روٹیاں توڑ کر معروف معنوں میں علمیت حاصل کرنے کے شرف سے محروم رہا۔ اور کبھی کسی کو سطحی قسم کی تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ اخلاقی جرأت سے کام لے کر ان سطحی قسم کے لکھنے والوں کو نام بنام قارئین کے سامنے پیش کرتے اور خود ان کے دلائل کا جواب دیتے اس طرح قارئین کے دلوں میں جو غلط تاثر پیدا کرنے کی سعی کی گئی ہے اسے غیر صحافیانہ کہا جائے یا محض اپنی ذات کو قدر آور کر کے دکھانے کا ایک ذریعہ سمجھا جائے۔

۴۔ صفحہ ۵ سطر ۱۳ میں بھی اسی قسم کا تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ آخر حضرت مرتب کھل کر بات کیوں نہیں کرتے۔ حالانکہ اگر موصوف اپنے آپ کو معروف معنوں میں عالم سمجھتے ہیں تو ان سطحی قسم کے لکھنے والوں کے دلائل کا سلسلہ وار جواب لکھیں۔

میں کتابچہ کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے قارئین کو اپنے متعلق یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے آج تک جو کچھ لکھا ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنی بصیرت اور وجدان کی رہنمائی اور روشنی میں حق سمجھ کر لکھا ہے مجھے کسی سے ستائش کی تمنا ہے نہ صلہ کی پرواہ۔ اور نہ ہی میں نے جناب مرتب کی قسم کے "معروف معنوں" میں علماء کے حضور میں جبہ سائی کو موجب افتخار یا ذریعہ نجات سمجھا ہے۔ یہ علمی دنیا ہے اس میں ہر صاحب تحقیق کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے علم و یقین کے مطابق مسلمانوں کے سامنے اپنی کاوش تحقیق کو پیش کرے مگر علمی انداز میں ہر ان کے پیش کردہ تحقیق کو اپنے ترکش استہزاء کے ناوک تضحیک کا ہدف بنانے کے لئے خود پیچھے رہ کر دوسروں کی آڑ میں اپنی شخصیت کو قد آور بنانے کا اب زمانہ مشکل ساتھ دیگا۔

مضمون کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے قارئین کی توجہ چند امور کی طرف مبذول کرانا ضروری ہے۔

سید صاحب کے یہ مضامین ۱۹۲۹ء کے لکھے ہوئے ہیں اور سیرت حضرت عائشہ رضؓ آپ نے ۱۹۲۰ء میں قلمبند کی۔ اور آپ کی وفات ۱۹۵۳ء میں ہوئی۔ گویا وفات سے ۳۳ سال پہلے سیرت عائشہ رضؓ لکھی گئی اور ۲۴ سال پہلے یہ مضامین لکھے گئے۔

یہ مضامین سید صاحب کے ابتدائی علمی دور کے ہیں۔ سید صاحب کے جاننے والوں کو خوب معلوم ہوگا کہ سید صاحب اپنے ابتدائی دور میں حضور صادق و مصدوق ؐ کے روحانی معراج کے قائل تھے۔ اور کہیں ۱۹۳۹ء میں جسمانی معراج کے قائل ہوئے۔

اسی طرح اس کتابچہ کے صفحات ۱۹، ۳۹ اور دیگر متعدد مقامات میں آپ نے شعب ہاشم کو سبائی اصطلاح کے مطابق شعب ابی طالب لکھا ہے حالانکہ بعد میں سیرت النبیؐ جلد اوّل کی تالیف کے وقت مولانا شبلی نعمانیؒ نے جہاں شعب ابوطالب لکھا تھا سید صاحبؒ نے وہاں اپنے استاد مکرم کے اس ذہول کی اصلاح کرتے ہوئے حاشیہ میں شعب ہاشم لکھا تھا۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سید صاحب نے اپنی عمر کے اس دور میں یہ مضامین لکھے جب آپ عبد مناف یعنی ابوطالب کو جس کا کفر مسلمات کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کے نام کے ساتھ حضرت کا سابقہ ٹانکتے دکھائی دیتے ہیں دیکھیئے اسی کتابچہ کا صفحہ ۲۹ سطر ۸۔

الغرض یہ مضامین اور سیرت حضرت عائشہ رضؓ سید صاحبؒ کے ابتدائی علمی دور کی تخلیقات ہیں جوں جوں عمر، مطالعہ اور تجربہ بڑھتا گیا۔ آپ میں بالغ نظری پیدا ہوتی چلی گئی۔ کاش کہ آپ اپنے اس ذہول پر بھی نظر ثانی کر سکتے۔

نفس مضمون کے متعلق سید صاحب کا پہلا مضمون کتابچہ کے صفحہ ۵ سے صفحہ ۱۰ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس مضمون میں سید صاحبؒ نے ایک عجیب استدلال سے مشکوٰۃ کے مولف شیخ ولی الدین خطیب کی تالیف الاکمال فی اسماء الرجال پر محاکمہ فرمایا ہے۔ الاکمال میں مولف نے سیدہ صدیقہ کائنات رضؓ کی عمر بوقت نکاح سولہ سال لکھی ہے۔ مگر سید صاحب کو چونکہ علامہ ولی الدین کی یہ تحقیق اپنے موقف کے مطابق نظر نہ آئی۔ اس لئے نہایت سادگی سے فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیئے

کہ شیخ ولی الدین خطیب کا یہ مختصر رسالہ کوئی استناد کی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ سرسری طور سے صرف مشکوٰۃ کے طلبہ کی معمولی واقفیت کے لئے لکھا گیا ہے۔ خطیب آٹھویں صدی کے آدمی ہیں ۷۴۰ھ کے بعد یعنی مشکوٰۃ کی تالیف کے بعد انہوں نے یہ رسالہ لکھا۔

آمدم برسر مطلب
"سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی عمر پر ایک تحقیقی نظر" کتابچہ مولوی محمد علی لاہوری مرزائی اور سید سلیمان ندویؒ کی خط و کتابت پر مشتمل ہے۔ مولوی محمد علی کا موقف تھا کہ نکاح کے وقت سیدہ صدیقہ کائنات رضی کی عمر ۱۶-۱۷ سال تھی۔ مگر سید صاحب کی تحقیق کا بنیادی نقطہ بخاری شریف کی چھ سال والی روایت ہے۔

اگرچہ اس موضوع پر ہم اسی زیر نظر تالیف میں تحقیقی بحث کر چکے ہیں اور لطف یہ کہ سید صاحبؒ کے مرتب کردہ دلائل کا تجزیہ کر چکے ہیں۔ مگر کتابچہ کے مرتب صاحب کی پھبتیوں سے متاثر ہو کر چند باتوں کا اعادہ بدیں وجہ لابدی ہو گیا ہے کہ چند ایک احباب کی طرف سے اس قسم کے اشارات پر مبنی خطوط موصول ہوئے ہیں کہ جناب مرتب کا اشارہ "سطحی قسم کے لکھنے والوں" سے کس کی طرف ہے اور وہ صاحب کون ہیں۔ جو بار بار مرتب کی خدمت میں اس قسم کی معروضات پیش کر رہے ہیں —— میں ایسے اصحاب کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس بات کے جواب کے لئے آپ جناب مرتب کی طرف رجوع کریں۔ اس ہیچمدان کو اپنی افتاد طبع کے باعث اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی خود نمائی سے محروم ہی رکھا ہے کہ میں اپنی کاوشوں کا صلہ کسی سے طلب کروں۔

چند تنقیحات

۱۔ یہ رسالہ استناد کی حیثیت نہیں رکھتا۔

مگر کیوں

۲۔ صرف مشکوٰۃ کے معمولی طلبہ کی واقفیت کے لئے لکھا گیا۔

عجیب استدلال ہے۔ استناد کی حیثیت نہ رکھنے کی وجہ بڑی عجیب بیان کی گئی ہے یعنی مشکوٰۃ کے معمولی طلبہ کو گویا "گمراہ" کرنے کے لئے لکھا گیا۔ بقول

مضمون نگار ولی الدین صاحب شاید یہ نہیں جانتے تھے کہ یہی "معمولی طلبہ" آگے چل کر عظیم علماء بنیں گے اور طالب علمی کے دور میں جو بات ان کے ذہنوں میں راسخ ہو جاتی ہے۔ وہ عمر کے آخری ایام تک ان کو گمراہ کئے رکھے گی۔ اور وہ لوگوں کو گمراہ کرتے رہیں گے۔

۳۔ خطیب آٹھویں صدی کے آدمی ہیں۔

گویا آٹھویں صدی کا آدمی ہونا اُسے پایہ ثقاہت سے گرا دیتا ہے۔ اور چودھویں صدی میں پیدا ہونے والے ثقہ ہیں۔ پھر آٹھویں صدی کے اس مصنف کی تمام تالیفات دریا بُرد کر دینے کے لائق ہیں۔

۴۔ مشکوٰۃ کی تالیف کے بعد یہ رسالہ لکھا گیا۔

اس کا مطلب تو یہ ہے کہ مولف نے عمر کی پختگی کے دور میں یہ رسالہ لکھا۔ اور مولف کی پہلی تمام تالیفات میں اس کا مقام اہم ہے۔ مگر سیّد صاحب اس بات پہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں بعد میں لکھی گئی۔ کوئی کتاب پہلی تالیفات کے مقابلہ میں غیر اہم اور نا قابل عمل ہوتی ہے۔ یا للعجب

آگے چل کر صفحہ ، پر اکمال کی بیان کردہ چھ سال والی روایت درج کرتے ہیں اور پھر بڑے معصومانہ انداز میں دریافت فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں سے کون سی روایت صحیح ہے ذرا تطبیق تو دیجیئے۔

جو سوال سید صاحبؒ نے یہاں پیدا کیا ہے اسی سوال کے استفسار کا حق فریق ثانی کو بھی دیجیئے۔

آگے اسی صفحہ پر صحیح بخاری کی چھ سال والی روایت پیش کر کے اس کی تائید میں صحیح مسلم مستدرک حاکم، مسند احمد، ابن سعد، استیعاب، اسد الغابہ اور اصابہ کے نام گنواتے ہیں۔

ان میں سے حاکم کے رفض پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مسند کے جامع کے متعلق میں بدلائل شواہد گزشتہ باب میں ثابت کر چکا ہوں کہ وہ رافضی تھا۔ ابن سعد کا حال معلوم استیعاب اسد الغابہ اور اصابہ انہیں کے خوشہ چین ہیں۔ ان کی جو باتیں قرآنی شواہد اور درایت پر پوری نہ اتر سکے قابل قبول نہیں۔ صرف صحیح مسلم کا معاملہ باقی رہ جاتا ہے۔ مگر دیگر قرائن و شواہد کی موجودگی میں اس کا قبول کرنا بھی محل نظر ہے۔

صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں:

اس رشتہ کا مقصد نبوت و خلافت کے باہمی رشتوں کا استحکام تھا۔ اور دوسرے حضرت عائشہؓ کی طبعی ذکاوت و ذہانت سے اسلام کو فائدہ پہنچانا اور عورتوں کے اسلامی تعلیمات کے نشر و اشاعت کا سامان بہم کرنا۔ بحمداللہ کہ یہ مقاصد عظمیٰ حرف بہ حرف پورے ہوئے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زندگی اس کی گواہ ہے تاہم یہ نبوت کی وہ استثنائی مثال ہے جس کی پیروی مسلمان کو صرف استثنائی ہی صورت میں کرنا چاہیئے۔

یہاں سید صاحبؒ نے تجاہل عارفانہ سے کام لے کر اپنی فطانت و ذہانت کے بل بوتے پر قارئین کے سامنے عجیب انداز سے ایک سنگِ گراں آڑ ھکانے کی سعی فرمائی ہے۔

ا۔ نبوت و خلافت کے باہمی رشتوں کے استحکام کی لم میں جو ہجو بلیغ پوشیدہ ہے وہ دنیائے رفض سے درآمد کردہ ہے۔ وہ لوگ بھی یہی بات دہراتے ہیں یعنی ابوبکرؓ نے نابالغ بچی کا نکاح نبی علیہ السلام سے محض اپنے مفاد کے لئے کیا تھا۔

میں یہاں ایک حقیقت کے ذریعے اس نکاح کا پس منظر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اور شاید یہ بات "معروف معنوں میں علمائے کرام" کی سمجھ میں نہ آسکے چونکہ یہ ایک "سطحی قسم" کے لکھنے والے کے قلم سے لکھی جا رہی ہے۔

قرآن ازلی اور ابدی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے! ور اس کا کلام بھی قدیم ہے۔ یہ اس کا تخلیقی شاہکار نہیں۔ قرآن ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی کئی ہزار بلکہ کئی لاکھ سال پہلے لوح محفوظ میں موجود تھا۔ اور ازواج النبیؐ اس وقت بھی امہات المومنین تھیں۔ اور چونکہ سیدہ صدیقہ کائناتؓ سیدۃ النساء العالمین ہیں۔ نکاح سے پہلے حضور خاتم المعصومینؐ کو چند بار اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواب میں دکھلائے جانے کا مقصد یہی تھا کہ علم الٰہی میں وہ محبوبۂ محبوبؐ رب العالمین ہیں۔ پھر جن ارباب علم و فضل کے تخیل کی قوت پرواز صرف رشتوں کے استحکام پر جا کر رک جانے والی ہو ان کے تخیل پرواز کی آخری حد یں استحکام خلافتؓ تک ہی پہنچ سکتی ہیں۔

طبعی ذکاوت و ذہانت سے اسلام کو فائدہ پہنچانا

اس کے جواب میں کوئی بتلائیے کہ ہم بتلائیں کیا۔ کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے ایک طرف تو بہ ارباب علم و فضل سیدہ صدیقہ رض کی کم سنی اور حضور موصوفہ رض کی گڑیاں کھیلنے کی داستانیں ذخیرہ احادیث میں سے پیش کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف حضور موصوفہ رض کی ذہانت و فطانت سے اسلام کو فائدہ پہنچانا دکھا رہے ہیں اور تیسری طرف انہیں ایک کھلنڈری قسم کی لڑکی بتایا جا رہا ہے۔ اور چوتھی طرف اپنے موقف کو تقویت پہنچاتے کے لئے اسے استثنائی واقعہ قرار دے رہے ہیں مگر قرآنی استشہاد کی روشنی میں ان ذہنی ورزشوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں دی جا رہی۔

صفحہ ۳۱ سے ۴۰ تک مولوی محمد علی لاہوری مرزائی کا مقالہ ہے جس میں انہوں نے صدیقہ کائنات رض کی عمر شریف بوقت نکاح ۱۶-۱۷ سال کے متعلق سید صاحب کے مضمون کا تعاقب کیا ہے۔

سید صاحب کا دوسرا مضمون صفحہ ۱۲ سے ۵۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس مقالہ کو اوّل سے آخر تک پڑھتے چلے جائیے۔ لفاظی کی بھرمار۔ چونکہ چنانکہ کی فراوانی۔ ایک واقعہ کی مختلف صورتوں میں تکرار سنین و شہور کی بھول بھلیاں اور گھسے پٹے استدلالات ہیں اسی کتابچہ کے صفحہ ۳۹ سطر ۵ میں بھی شعب ابو طالب کی سبائی اصطلاح کو استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس سے پُر لطف یہ کہ اسی صفحہ کی سطر ۸ میں ابو طالب کے نام کے ساتھ حضرت کے سابقہ کی پیوندکاری سے شیعی شعار کی ترجمانی کی گئی ہے۔

سید صاحب کے اس مقالہ سے اپنے موقف کی تائید میں چند شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ اپنے موقف کی تائید میں حقائق سے دلچسپ فرار ملاحظہ ہو۔ جب سنین کے لحاظ سے سیدہ صدیقہ رض کی صحیح عمر سے گریز کا کوئی راستہ نہ پایا۔ تو یہ کہنے پر مجبور ہوئے

> "سنہ کا حساب اصل نہیں ہے بلکہ عمر کا حساب اصل ہے اور اس سے حساب لگا کر راویوں نے سنہ بنایا ہے۔ اس لئے آپ سنہ کے حساب میں ترمیم کر سکتے ہیں۔ مگر حضرت عائشہ رض

کی عمر میں ترمیم نہیں کر سکتے۔ (صفحہ ۱۰ سطر ۱)

مگر سید صاحب اپنے ادیبانہ رنگ میں اپنے تیار کردہ کلیہ کو تسلیم کرنے کے لئے دوسروں کو کیسے قائل کر سکتے۔ یہی کلیہ اُلٹ کر دوسرا فریق اپنے حق میں پیش کر سکتا ہے۔ اس سے سید صاحبؒ یہ رنگ کیسے چھین سکتے ہیں۔

۲۔ اسی صفحہ کی بارھویں سطر میں نکاح کے وقت آپ کی عمر نو سال والی روایت تسلیم کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ صرف ایک مشکوک الحافظہ کہہ سکتا ہے آگے چل کر صفحہ ۲۴ کی سطر ۹ میں فرماتے ہیں کہ اسود نے ۹ برس کی عمر میں نکاح ہونا بیان کیا ہو۔ ثابت ہو چکا ہے کہ اس سے اس کی مراد رخصتی ہے۔" کیا ہی دلربایانہ قسم کی دلیل ہے۔ راوی نکاح کہتا ہے اور سید صاحبؒ اس سے مراد رخصتی فرما رہے ہیں۔

۳۔ صفحہ ۲۶ پر علامہ عینی کا بیان ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ سے مکہ میں ہجرت سے دو سال پہلے نکاح کیا اور کہا گیا ہے کہ تین سال پہلے اور کہا گیا ہے کہ ڈیڑھ سال پہلے یا اس کے قریب شوال میں نکاح کیا۔ جب وہ چھ برس کی تھیں اور کہا گیا کہ سات برس کی تھیں۔ اور ان کی رخصتی کرائی شوال میں واقعہ بدر کے بعد ۲ ہجری میں۔ اور وہ آپ کی صحبت میں آٹھ برس اور پانچ مہینے رہیں۔ اور جب آپ نے (نبیؐ) وفات پائی تو وہ اٹھارہ برس کی تھیں۔ اور پینسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

علامہ عینی کے اس بیان میں جو اسرار و رموز پوشیدہ ہیں یعنی دو سال، تین سال اور ڈیڑھ سال کی چیستانی کلام کا حل قارئین "معروف معنوں میں علماء کرام" سے ہی دریافت کریں۔ "سطحی قسم کے رکھنے والے" ایسی چیستانی کلام کے اسرار و رموز سے کیسے واقف ہو سکتے ہیں۔

البتہ آخری فقرہ میں رخصتی کے وقت دس سال عمر کا تسلیم کرنا ہی غنیمت ہے۔

۴۔ اسی طرح صفحہ ۲۷ پر علامہ ابن عبدالبر کے اقوال میں بھی کوئی حتمی بات موجود نہیں۔ البتہ سید صاحب نے نتیجہ اخذ کرنے میں ہجری سنین اور عمر کا ذکر کر کے اپنے مطلب کی بات پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

سیّدہ صدیقہ کائنات رض کی عمر کم کر کے دکھانے کے لئے کتنی گھاٹیاں عبور کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

صدیق اکبر رض کا ہجرت حبشہ کے لئے ۵ نبوت میں مکہ سے رخصت ہونا مسلّمات کا درجہ رکھتا ہے۔ چونکہ صدیقہ کائنات رض سے بھی ہجرت حبشہ کے متعلق روایات موجود ہیں۔ چونکہ حضور موصوفہ کو اس وقت شیر خوار بچی کی شکل میں دکھانا مطلوب تھا اس لئے سیّدہ صدیقہ رض کو اس روایت کا راوی تسلیم کیا جاتا تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑتا تھا کہ وہ اچھی خاصی ہوش و خرد رکھنے والی لڑکی تھیں۔ لہذا یہ لکھنا پڑا کہ

دیکھیے حضرت ابو بکر رض کو ۵ھ (حضرت مرتب کو اتنا بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ ۵ھ نہیں بلکہ ۵ نبوت تھا) میں نہیں بلکہ ۱۳ھ (یہاں بھی ۱۳ نبوت چاہیئے تھا) میں سخت تکلیف دی جا رہی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ فلما ابتلی المسلمون جب مسلمانوں کو تکلیف دی گئی سے خواہ مخواہ ۵ نبوی مراد لینا ضروری نہیں۔ اور اس لئے اس لفظ سے حضرت ابو بکر رض کے ارادۂ ہجرت حبشہ کی تاریخ ۵ نبوی معین کرنے پر دلیل حاصل نہیں کی جا سکتی (صفحہ ۳۹)

زیادہ دور نہ جایئے صرف فلما ابتلی المسلمون پر غور نہ کیجیئے۔ کیا مسلمانوں پر ۱۳ نبوی میں کفار مکہ نے ظلم شروع کئے تھے اور ابتدائی ۱۲ سال مکہ میں مسلمانوں پر کفار مکہ نے اپنے ہاتھوں سے چھاؤں کئے رکھی۔ ایک واشگاف حقیقت کو کس قدر بودے استدلال کے سہارے جھٹلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اب میں تھوڑی سی گفتگو سورہ نجم اور سورہ قمر کے متعلق کر کے اس بحث کو سمیٹنا چاہتا ہوں۔ سورہ قمر ۵ نبوی میں نازل ہوئی۔ اور اسی سورت کی دو آیتوں سے سیّدۃ النساء العالمین کی عمر کے متعلق استشہاد کیا جاتا ہے۔ مگر فاضل مقالہ نگار اس استشہاد کو درست ثابت کرنے کے لئے فرماتے ہیں۔

کبھی ایک ایک سورت چند سالوں میں متفرق طور سے نازل ہو کر

پوری ہوتی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے
کہ اس آیت کو فلاں مقام پر رکھو۔ اس لئے جب تک یہ
ثابت نہ ہو کہ یہ آیت مذکورہ تنہا نہیں بلکہ پوری سورہ قمر
کے ایک ساتھ اتری اس وقت تک یہ دلیل تام نہیں ہو سکتی۔
اگر پوری سورۃ ایک ساتھ اُترتی تو حضرت عائشہ رض سورہ قمر
کا حوالہ دینے کے بجائے اخیر کا ایک تنہا آیت کا حوالہ
کیوں دیتیں۔ (صفحہ ۴۷-۴۸)

سید صاحب کا ارشاد ہے کہ اس کلیہ کے تحت کہ بعض آیات کے متعلق
چونکہ نبی علیہ السلام یہ فرماتے رہے کہ اسے فلاں مقام پر رکھو اس لئے "گویا یہ ضروری
نہیں سورہ قمر کی آخری آیات بھی تمام سورہ کے ساتھ نازل ہوئی ہوں" اس لئے یہ دلیل
تام نہیں بلکہ نام ہے۔

دوسری دلیل میں یہ فرماتے ہیں کہ حضرت صدیقہ رض نے پوری سورہ کا حوالہ دینے
کے بجائے چونکہ صرف ایک آیت کا حوالہ دیا ہے۔ اس لئے "گویا یہ آیت کہیں بعد
میں نازل ہوئی ہو گی"۔

حیرانگی اس بات کی ہے کہ ایک غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کس قدر
بے وزن دلائل کا انبار جمع کیا جا رہا ہے۔

سیدہ صدیقہ کائنات رض نے چونکہ پوری سورہ پڑھ کر نہیں سنائی اس لئے اس
آیت کا موقع نزول مؤخر ہو گیا۔ اور اس موقف کو سہارا مل گیا کہ سیدہ صدیقہ نکاح کے
وقت گڑیاں کھیلنے والی بچی نہیں۔

اس دلیل کے جواب میں کہ معجزہ شق القمر کا واقعہ ابتدائی زمانہ کا ہے چونکہ
بعد میں آنحضرت صلعم شعب ابی طالب (ادبی شیعی اصطلاح) میں محصور ہو گئے تھے صفحہ ۴۹
پر وہی دلیل دہراتے ہیں کہ ایک آیت سے پوری سورت کا قیاس کرنا اور پورے سورہ
کے نزول کو متعین کرنا مشتبہ مشکوک اور غیر یقینی ہے۔

آخر میں ـــــــ عرب میں نکاح صغیر کے رواج کی چند مثالوں میں پناہ ڈھونڈی گئی ہے۔ اور مرقاۃ، ترکمانی علی البیہقی اور احکام القرآن رازی کے حوالہ جات سے چند نابالغ بچیوں کے نکاح سے استشہادات پیش کئے گئے ہیں۔

اگر ان واقعات کو سند کے طور پر تسلیم کرنا محل نظر نہ سہی۔ مگر ان واقعات میں نکاح کا ذکر ہے۔ یہ بات کہاں سے ثابت ہوتی ہے کہ صغر سن لڑکیوں کی رخصتی بھی عمل میں لائی جاتی رہی۔

صفحہ ۵۲ پر واقعہ افک کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اس وقت حضور موصوفہ رض کی عمر بارہ تیرہ سال تھی۔

اوّل تو واقعہ افک سرے سے افک ہے، جھوٹ ہے، کذب ہے اور افترا ہے ہے جیسا کہ واقعہ افک کے عنوان کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ نبی علیہ السلام تجربہ کار، زمانہ کی سرد و گرم چشیدہ ازواج رض کو چھوڑ کر بارہ تیرہ سال کی ناتجربہ کار لڑکی کو ایک غزوہ میں ہمراہ لے جاتے ہیں اس اسرار سے "معروف متنوں میں عالم" ہی پردہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور اسی افک میں سیّدہ بریرہ رض کے یہ کلمات بھی محل نظر ہیں کہ آپ آٹا گوندھ کر کھلا چھوڑ دیتی ہیں اور بکری کھا جاتی ہے ان تمام واقعات پر بھی گذشتہ صفحات میں مدلل بحث ہو چکی ہے۔

آخر میں یہ کلمات پھر دُہرانا چاہتا ہوں کہ "سطحی قسم کے لکھنے والوں کے" اس قسم کے انکشافات کی طرف اب باہوش مسلمان خود بخود کھنچے چلے جا رہے ہیں۔

اب "معروف متنوں میں عالم" مسلمانوں کی حالت پر رحم فرمانے کی زحمت گوارا فرما کر اپنے لئے تضحیک کا سامان بہم نہ پہنچائیں۔ اور امہات المومنین صلوات اللہ اجمعین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذواتِ قدسیہ کو اپنی علمیتوں کا تختۂ مشق بنانے کی زحمت گوارہ نہ فرمائیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

مصنّف کی دیگر تصانیف و تالیفات

- اختلافِ اُمت کا المیہ ۱۹۶۹ء
- حقیقتِ مذہبِ شیعہ ۱۹۷۰ء
- بنات الرسول ۱۹۷۱ء
- مقامِ صحابہؓ ۱۹۷۲ء
- واقعۂ کربلا ۱۹۷۳ء
- عترتِ رسولؐ ۱۹۷۴ء
- شہادت ذوالنورینؓ ۱۹۷۵ء
- امیر المؤمنین مروان بن الحکمؓ ۱۹۷۷ء
- مشکوٰۃ المصابیح کے فوائد غزنویہ پر ایک نظر ۱۹۷۶ء
- اہل حدیث حقیقی معنوں میں اہلسنت والجماعت ہیں ۱۹۷۷ء
- سلطان ٹیپو شہید ۱۹۷۸ء
- سرزمین پاک راجوری ۱۹۷۸ء

مقدمات، تقاریظ و تعلیقات

- التفقہ فی الدین
- افاداتِ بنگش
- انبیاء کی دعائیں
- امہات المومنینؓ
- مودودی صاحب کی غلط بیانیوں کا جواب

ملنے کا پتہ

حکیم فیض عالم صدیقی جامع اہلحدیث محلہ مستریاں جہلم

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (القرآن)

اے اہل بیت تمہارے لئے اللہ تعالیٰ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے

○
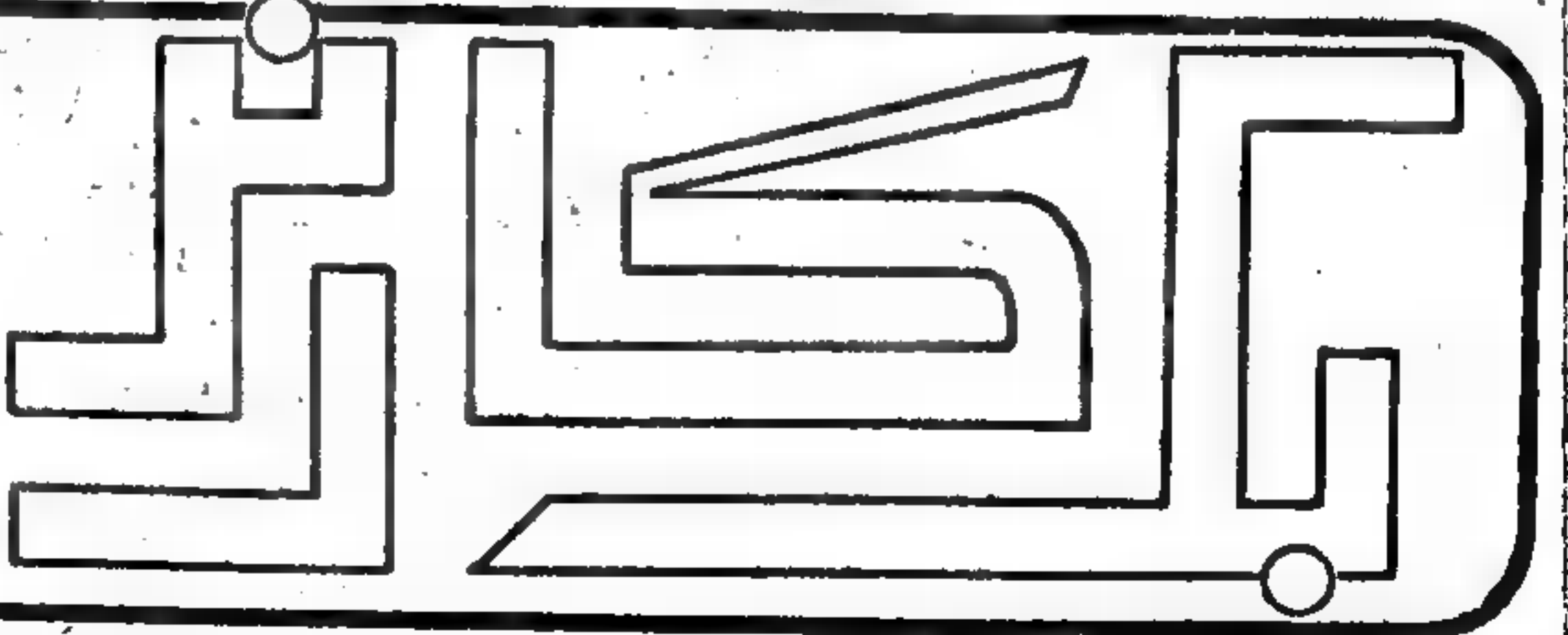
صدیقۂ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یعنی

اُم المومنین سیدۂ کائنات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

حالات زندگی، تفقہ فی الدین میں آپ کا مقام اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان دسیسہ کاریوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ جو اسلام دشمن تحریکوں کی جانب سے امہات المومنینؓ کی ذوات قدسیہ کے خلاف ایسے منظم طریقوں سے مشتہر کر کے بار بار دہرائی جاتی رہیں کہ سادہ لوح اہل سنت کی اکثریت نے ان افترا پردازیوں کے ماعلیہ و مالہٗ سے غض بصر اور صرف نظر کرتے ہوئے انہیں حقیقت سمجھ کر اپنے ذہنی سرمایہ کا ایک حصہ بنا لیا۔

○

حکیم فیض عالم صدیقی

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

ساتواں باب

فہرست مقدمات وتقاریظ

عنوانات

فہرستِ مضامین سیّدۃ النساء عالمین صدّیقۃ کائنات اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ

عنوانات

ابتدائیہ

پہلا باب

دوسرا باب

فیض عالم صدیقی (شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا قسط ۳۰ صفحہ ۱۲۱۸)

ممتاز محقق عالم دین اہل قلم اور تحریک آزادی کشمیر کے سرگرم رہنما ۱۸ اپریل ۱۹۹۰ء کو فتحپور مضافات اج
مقبوضہ کشمیر میں پیدا ہوئے والد کا نام قاضی دین محمد تھا جو علاقے کی معروف شخصیت تھے ابتدا
تعلیم فتحپور میں حاصل کی۔ مزید تعلیم پنجاب میں حاصل کی۔ قرطاس و قلم سے تعلق بڑی چھوٹی عمر میں ہی ہو
چنانچہ اسی دوران آپ نے کشمیر کے جرائد چاند۔ حق۔ جاوید۔ پاسبان۔ ملت۔ جوہر اور الاصلاح
وغیرہ میں لکھنا شروع کیا تھا۔ بعد میں یہ سلسلہ آپ کی سیاست کے باعث منقطع ہو گیا۔ ۱۹۳۶ء میں
آپ فوج میں بھی بھرتی ہوئے تھے۔ اس دوران آپ کو مرزائیت اور عیسائیت کا بھرپور مطالعہ کر
کا موقعہ مل گیا۔ کچھ عرصہ آپ ضلع کٹھوعہ میں جو ہندوؤں کا مرکز تھا مدرس تعینات ہوئے وہاں ہند
مذہب کا پورے انہماک کے ساتھ مطالعہ کیا۔ انہی دنوں مسلم کانفرنس کے احیاء اور مسلم کانفرنس کی نائب
میں سینکڑوں مقالات لکھے۔ طب میں آپ نے زبردست مہارت حاصل کی۔ ۱۹۴۲ء میں الہ آباد
سے ادیب کامل اور ۱۹۴۵ء میں پنجاب سے فاضل فارسی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اسی طرح طب میں
حکومت کی طرف سے درجہ اوّل کے سند یافتہ طبیب ہیں تقسیم ملک کے وقت ہجرت کر کے پاکستان آ گئے

معروف کشمیری رہنما چوہدری غلام عباس کے خصوصی کی حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیا ان کے خلوص
انہماک سے چوہدری صاحب بہت متاثر تھے۔ ان سیاسی ہنگاموں کے باوصف دینی خدمت سے غافل
نہیں رہے اور محض توکل علی اللہ دھریالہ جالپ ضلع جہلم میں ایک بڑی جامع مسجد اور ایک دار العلوم
کی بنیاد رکھی بعد میں آپ کو یہ قصبہ چھوڑنا پڑا یہاں سے مولانا جہلم کے محلہ مستریاں آئے اور وہاں مسجد مدرسہ قائم
مولانا فیض عالم ایک عالم و زاہد ہونے کے علاوہ ادیب بھی ہیں مولانا اتحاد بین المسلمین کے
خواہشمند ہیں لیکن ایک محقق ہونے کے ناطے سے عظمت مقام صحابہؓ کے شدت سے قائل ہی نہیں زبردست
ہیں اسی جذبہ کی بنا پر بعض دفعہ انکی تحریر سلف صالحین کی روش سے ہٹ جاتی ہے لیکن اس کے باوجود مسائل
موثر انداز میں سمجھانے کے ماہر ہیں۔ ان کا طرز تحریر منفرد ہے اور اس میں شدت بھی پائی جاتی ہے تحقیق کے
میں انہوں نے بڑے نازک مسائل پر قدم اٹھایا ہے رد رفض و سبائیت ان کا خصوصی موضوع ہے اس پر
نے سینکڑوں مقالات لکھے ان کی باقاعدہ تصنیف اختلاف امت کا المیہ ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی
تو گویا فکر و نظر کے ساکن تالاب میں تموج پیدا ہو گیا اور معلوم ہوا کہ حکیم صاحب نے جامد تقلید کا جوا اپنے
سے اتار دیا ہے۔ ان کی کتاب کا حصہ دوم رفض کے رد میں ہونے کی وجہ سے سابقہ حکومت نے ضبط
تھا۔ ان کی تصنیفات میں مقام صحابہ، واقعۂ کربلا، عترت رسولؐ، بنات رسولؐ، شہادت ذوالنورینؓ
شریف کے فوائد، غزنویہ پر ایک نظر، خلیفہ مروان بن الحکم، سلطان ٹیپو۔ افادات بنگش، مختصر تاریخ

تشکّر و اعتذار

سوائے شہادت ذو النورین رضی اور عترت رسول ﷺ کے طبع ہونے سے پہلے میری کسی تالیف سے کوئی آگاہ نہ ہو سکا بلکہ سیرت صدیقہ کائنات رض کا معاملہ وارفتگی محبت کی پہنائیوں سے گزر کر عقیدت و احترام کی سرحدوں سے بھی ماورٰے تھا اور پھر مزید یہ کہ بعض مباحث ٹھوس حقائق و شواہد کی روشنی میں قلمبند کرتے وقت معلوم ہوا کہ حضرت صدیقہ کائنات رض کی ذات اقدس کے متعلق سیرت کی کتابوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سراسر اغیار کی ذہنی کاوشوں کا چربہ ہے۔

اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ چند ارباب علم و فضل کو مسودہ دکھا لیا جائے۔ چنانچہ یہ مسودہ بیسیوں صاحبان علم و فن کے ہاتھوں میں سال بھر گردش کرتا رہا۔ اور جب میرے پاس واپس پہنچا تو حضرت صدیقہ رض کے حضور میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے والوں کی طرف سے تقاریظ و مقدمات کا جو ذخیرہ ہمراہ لایا وہ اصل کتاب سے بھی ڈیوڑھا تھا۔ جن میں سے پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم پی۔ ایچ ڈی صدر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، السید الافاضل ابوالحسین مولانا محمد عظیم الدین صدیقی صدر مجلس عثمان غنی رض کورنگی کراچی۔ عزیز مکرم علامہ السید طاہر المکی ناظم آل پاکستان سنی کونسل کراچی اور السید المکرم ثناء الحق صدیقی ایم۔ اے علیگ کی تقاریظ و مقدمات ہی شامل اشاعت ہو سکے ہیں۔

مجھے اس بات کا نہایت افسوس ہے کہ باوجود انتہائی خواہش کے چند نہایت اہم بزرگوں اور خصوصی احباب کے حوصلہ افزا کلمات اپنی بدنصیبی اور تنگ دامانی کی وجہ سے شامل اشاعت نہ کر سکا۔

سیرت صدیقہ کائنات رض کے متعلق فیصلہ کرنا قارئین کا کام ہے کہ میں سیدۃ النساء العالمین رض کے حضور میں یہ حقیر سا نذرانۂ عقیدت پیش کرنے میں کس حد تک کامیاب ہو سکا ہوں۔ میں نے کوئی بات بغیر کسی ٹھوس ثبوت یا حوالے کے نہیں لکھی۔ ذہنوں میں ٹھسے ہوئے اسلام دشمن عجمی نظریات کے حامل اگر خالی الذہن ہو کر انصاف کی نظر سے مطالعہ کریں گے تو یقیناً بے اختیار ابن محمدان کی سعی و کاوش کی داد دیتے ہوئے دست بدعا ہوں گے اور میں دست بدعا ہوں کہ اللہ العالمین میری اس ناچیز سی کوشش کو قارئین کیلئے موجب ہدایت اور میرے لئے توشۂ عاقبت بنا۔ آمین!

رشحات قلم: پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم صاحب ایم اے پی ایچ ڈی

گذارشِ احوالِ واقعی

یہ ہماری بڑی بدنصیبی ہے کہ ہماری تاریخ کے ابتدائی دور کے پینتیس ۳۵ مورخوں میں سے اکتیس مورخ سبائی پروپیگنڈا سے متاثر اور عجمی ذہنیت رکھتے تھے اور عہد رسالت خلافت راشدہ اور عہد بنو امیہ کی تاریخ لکھتے وقت اپنی اسلام دشمنی اور عربوں سے نفرت کو کوشش کے باوجود چھپا نہیں سکے۔ ان مورخوں نے قرآن مجید کی تعلیمات کو مسخ کرنے کی انتہائی مذموم کوشش کی ہے اور وہ ہستیاں جن کا تزکیہ نفس اور تعلیم و تربیت معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کی، ان کے بارے میں ایسی بے سروپا روایات تاریخوں میں شامل کر دیں کہ ان کی سیرت اور کردار مشکوک ہو کر رہ گئے۔ اسلام دشمن عجمی منافقین نے خیر القرون کی جو تاریخیں مرتب کی ہیں ان میں انہوں نے یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ قرآن مجید جس معاشرے کا داعی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ معاشرہ پیدا کرنے میں ناکام رہے ہے۔ گذشتہ تیرہ صدیوں سے ہمارے روایت پرست علماء اور دنیا و مافیہا سے بے خبر خطباء، وضاع اور کذاب راویوں کی روایتوں اور عجمی مورخوں کی تاریخوں پر اعتماد کر کے غیر شعوری طور پر اکابر صحابہؓ کی کردار کشی کر رہے ہیں۔ میری یہ دیانتدارانہ رائے ہے کہ ایسی تمام تاریخیں اور تذکرے جو کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس کے الہامی فیصلے کے خلاف ہوں وہ شہر کے سب سے زیادہ گندے نالے میں پھینکنے کے لائق ہیں۔ ع

این دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ

مجھے یہ لکھتے ہوئے مسرت محسوس ہوتی ہے کہ گذشتہ چند سالوں میں بعض درد منداور روشن دماغ علماء اور فضلاء نے تاریخ اسلام کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی ہے اور انہوں نے عجمی منافقوں کی لکھی ہوئی تاریخوں کو قرآن پاک کی تعلیمات کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کی ہے اور ان کی سعی و کاوش سے جو حقائق ہمارے سامنے آرہے ہیں ہم ان پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

مجھے اس پر بے حد مسرت ہے کہ میرے فاضل دوست محقق اسلام جناب حکیم فیض عالم صدیقی نے صدیقہ کائناتؓ معلمۂ امت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت مقدسہ پر ایک بلند پایہ کتاب تصنیف کی ہے۔ ہمارے نام نہاد علماء اور اجہل خطباء نے گذشتہ تیرہ سو برسوں میں مسلمانوں کو ان کی عظمت اور مقام سے جان بوجھ کر بے خبر رکھا ہے۔ میرا

یہ ایمان ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام سے لیکر تا قیام قیامت پیدا ہونے والی کوئی عورت ام المومنین صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کی ہمسری نہیں کر سکتی۔

غیر مسلم مؤرخوں اور یورپ کے مذہبی راہنماؤں نے نبی علیہ السلام کے تعداد ازواج پر جو اعتراضات کیئے ہیں ان کا ہم نے ہمیشہ یہی جواب دیا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی جوانی ایک معمر خاتون سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گذاردی اور ہجرت کے بعد جب ان کی عمر ترپن برس سے تجاوز کر چکی تھی تو انہوں نے چند بے سہارا خواتین سے نکاح فرمائے اگر حضورؐ کو معاذ اللہ زیادہ شادیاں کرنے کا شوق ہوتا تو آپ جوانی میں ایسا کرتے۔ قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ جب رحمت عالمؐ نے مکہ کے بتکدے میں صدائے توحید بلند کی تو قریش مکہ نے کہا کہ آپ ان کے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں اور اس کے بدلے عرب کی بادشاہت اور عرب کی حسین ترین عورت آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ حضورؐ نے ان کی پیشکش پر فرمایا کہ وہ ان کے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند لاکر رکھ دیں تب بھی میں خدائے وحدہٗ لاشریک کا پیغام ان تک پہنچانے سے باز نہیں رہ سکتا۔ اگر شارع علیہ السلام کو دنیاوی زندگی ہی پسند ہوتی تو آپ صنادید مکہ کی اس پیشکش کو قبول کر لیتے غیر مسلموں کے اس اعتراض کا جواب ہم ان الفاظ میں دیتے ہیں کہ حضورؐ نے ترپن برس کی عمر کے بعد جو نکاح فرمائے ان کی غرض وغایت یہ تھی کہ آپ عورتوں کی ایک ایسی جماعت تیار کرنا چاہتے تھے جو عورتوں کی تعلیم وتربیت کر سکتی۔ مدینہ منورہ کی عورتیں جو شرم وحیا کی پیکر تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہ راست نسوانی مسائل پر گفتگو نہیں کر سکتی تھیں۔ اس لئے وہ ایسے نازک معاملات میں امہات المومنینؓ کی طرف رجوع کرتی تھیں اگر وہ مسائل حضورؐ کی ازواج مطہراتؓ کو معلوم ہوتے تو وہ انہیں بتا دیتیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جو مسئلہ ایک بیوی اپنے خاوند سے دریافت کر سکتی ہے وہ ایک بیٹی اپنے باپ سے نہیں پوچھ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کی بیٹیوں سے نسوانی مسائل مروی نہیں ہیں۔ کیونکہ ایسے مسائل میں وہ خود بھی امہات المومنینؓ کی محتاج تھیں۔ جہاں تک عورتوں کے مسائل کا تعلق ہے امہات المومنینؓ اور خاص طور پر سیدہ صدیقہ کائناتؓ ان مسائل پر آخری سند سمجھی جاتی تھیں اور اکابر صحابہؓ بھی ایسے مسائل میں ان ہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ مخبر صادق نے سیدہ صدیقہ کائناتؓ کے بارے میں یونہی نہیں فرمایا تھا کہ انہیں دوسری عورتوں پر ایسی فضیلت

حاصل ہے جیسی ثرید کو عام کھانوں پر۔

حضرت صدیقہؓ کائنات رضی اپنے ہمعصروں میں قرآنی آیات کی شان نزول اور قرأت کی بڑی ماہر سمجھی جاتی تھیں ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب کے آخری حصے میں نوافل میں لمبی لمبی سورتیں پڑھنے کے عادی تھے اور اکثر ایسا ہوتا کہ موصوفہ وضو کرکے آپؐ کے پیچھے کھڑی ہو جاتی تھیں۔ حضرت صدیقہ کائنات رضؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ صاحب وحیؐ سے اس وقت قرآن سنتی تھیں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادیاں اپنے اپنے گھروں میں آرام فرما ہوتی تھیں۔

حضرت صدیقہؓ کائنات ؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت وجلوت میں دیکھا تھا۔ اور یہ وہ شرف ہے کہ جس میں آنحضرتؐ کی ازواج مطہراتؓ کے علاوہ اور کوئی ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ آپ چونکہ جوان تھیں اور ان کا حافظہ باقی ازواج مطہراتؓ کی نسبت تیز تھا اس لئے انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ۲۲۱۰ حدیثیں ازبر تھیں۔ ان میں زیادہ تر حدیثیں ایسی ہیں جن پر عورتوں کے مسائل اور احکام شریعت کا دارومدار ہے۔ یہ درست ہے کہ آپؓ سے روایت حدیث میں پانچ چھ صحابی بازی لے گئے ہیں۔ لیکن حضور ممدوحہؓ کو یہ امتیاز حاصل ہے۔ کہ موصوفہؓ محض حدیثوں کی راوی ہی نہیں بلکہ مجتہد بھی ہیں۔ امام شعرانیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "المیزان" میں انہیں صاحبۂ مذہب تسلیم کیا ہے۔ تمام ائمہ اہل سنت اور فقہائے کرام ان کی علمی استعداد کے قائل ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول تو زبان زد خلائق ہے کہ وہ عورتوں کے مسائل میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فتوے پر فتویٰ نہیں دے سکتے۔ کیونکہ ان کے مسائل میں ام المؤمنین ہی آخری سند سمجھی جاتی ہیں۔

حضرت صدیقہ کائناتؓ کے تمام سیرت نگار اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ مدینہ منورہ کی تمام عورتوں کا علم امہات المؤمنینؓ کے پاس تھا اور امہات المؤمنینؓ کا تمام علم صدیقہ کائناتؓ کے پاس تھا۔ اسی طرح جب پانچ چھ صحابہ کرامؓ کے پاس تمام اصحابؓ رسولؐ کا علم تھا۔ ان میں آپ بھی شامل تھیں۔ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد اڑتالیس برس تک حیات رہیں اور اس طویل عرصے میں ان کے بحر علم و کرم سے لاتعداد لوگ فیض یاب ہوئے۔ انہوں نے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد تیار کی جنہوں نے شارع علیہ السلام کی سنت اور احادیث کو اگلی نسلوں تک پہنچایا۔ ان تاقابل تردید حقائق کی

روشنی میں آنحضرتؐ کی اس حدیث پر غور کیجئے جس میں آپؐ نے فرمایا تھا :

"آدھا دین مجھ سے سیکھو اور بقیہ آدھا دین عائشہ رضؓ سے لو"

عجمی منافقین کی دسیسہ کاریوں کی بدولت ہمارے بڑے بڑے علماء اور خطباء سیّدہ صدیقہ کائنات رضؓ کی عظمت اور مقام سے کماحقہٗ واقف نہیں ہیں انہوں نے ام المومنین صدیقہ کائنات رضؓ کی بجائے حضرت فاطمہ رضؓ کو سیدۃ النساء کہنا شروع کر دیا اور جمعہ کے خطبوں میں بر سر منبر اس کی تکرار کرنے لگے ۔ ان اصحاب جُبّہ و دستار سے کوئی نہیں کہتا۔ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں اُمّہات المومنین کو مخاطب کرکے فرمایا یٰنساء النبی لستن کاحدٍ من النساء اور تم اللہ کے اس فرمان کی موجودگی میں ازواج مطہراتؓ کی بجائے کسی دوسری خاتون کی سیادت کے قائل ہو۔ ان کی ایک اور دھاندلی ملاحظہ ہو۔ قرآن مجید میں جب پردے کا حکم نازل ہوا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی برحق کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا : یا یھا النبی قل لازواجک و بنٰتک و نساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن قرآن پاک کا اعجاز اس کا اختصار ہے اور یہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطلب واضح کرتا ہے اگر یہ آیت یوں ہوتی قل للمومنات .. - - .. الخ تو پھر بھی معنی کے لحاظ سے یہ آیت مکمل ہوتی ۔کیونکہ مومنات میں ازواج النبیؐ ، بنات الرسول رضؓ اور نساء المومنین سبھی آ جاتی ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ سمجھانے کے لئے کہ تمام مومنات ایک جیسی نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے تین گروہ ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ازواج النبیؐ کو بنات الرسولؐ پر اور بنات الرسولؐ کو نساء المومنین پر فضیلت دی ہے اس آیت کی موجودگی میں اگر کوئی شخص اپنی نادانی، جہالت یا دھاندلی سے نساء المومنین کو بنات الرسولؐ پر اور بنات الرسولؐ کو ازواج مطہراتؓ پر فضیلت دیتا ہے تو وہ قرآن کی صریح مخالفت کرتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنات الرسولؐ کو خطاب فرمایا ہے: یہ بات یاد رہے کہ عربی قواعد کی رُو سے بنات کا صیغہ تین یا تین سے زاید بیٹیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے یہ سورۂ احزاب کی آیت ہے۔ جو جنگِ احزاب کے موقع پر ۵ھ میں نازل ہونا شروع ہوئی۔ اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ ۵ھ میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تین بیٹیاں حیات تھیں جنہیں اس آیت میں مخاطب کیا گیا ہے (حضورؐ کی ایک بیٹی

سیدہ رقیۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ۲ھ ہجری میں غزوہ بدر الکبریٰ کے موقعہ پر فوت ہو گئی تھیں اس لئے اس آیت کے نزول کے وقت حضورؐ کی تین صاحبزادیاں بقید حیات تھیں)۔ عبداللہ ابن سباء کے پیروؤں کا یہ خیال ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا حضور سلام اللہ علیہ کی اور کوئی بیٹی نہ تھیں۔ قرآن مجید کی اس آیت سے ان کے فاسد خیال کی تردید ہو جاتی ہے اب انہوں نے یہ کہنا شروع کیا ہے کہ حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ آنحضرتؐ کی بیٹیاں نہیں تھیں بلکہ وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی بیٹیاں تھیں۔ اور اس تعلق کی بنا پر وہ حضورؐ کی ربیبات تھیں لیکن قرآن نے انہیں بنات میں ہی شامل کر لیا ہے۔ عقل کے ان اندھوں کو یہ معلوم نہیں کہ قرآن میں ربائب کا لفظ موجود ہے اور اگر وہ حضورؐ کی ربیبات ہوتیں تو اللہ تعالیٰ ان کا ذکر بنات الرسولؐ میں کرنے کی بجائے ربائبک کے تحت فرماتا یا انہیں نساء المومنین میں شامل کر دیتا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے الفوز الکبیر میں خوب فرمایا ہے کہ قرآن پاک کی کسی آیت کی ایسی تاویل یا تشریح جو صحابہ کرامؓ اور صالحین سلف سے ثابت نہ ہو مردود ہے۔

حضرت صدیقہ کائناتؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام اور منصب کے لحاظ سے خاتون اوّل ہیں۔ اور ان سے یہ شرف اور مرتبہ ازواج مطہراتؓ کے علاوہ اور کوئی نہیں چھین سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ نور میں یہ فرمایا ہے والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات۔ اس آیت کی رو سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تقویٰ و طہارت میں وہی مقام اور مرتبہ ہوگا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام اور مرتبہ ہوگا۔ میرا تو یہ ایمان ہے کہ آنحضرتؐ بہترین کائنات ہیں۔ اور آپ طیب و طاہر نہیں۔ بلکہ اطیب و اطہر ہیں۔ والطیبات للطیبین کی رو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ان کی ازواج مطہراتؓ بھی اطیب و اطہر ہوں گی۔ اور قرآن پاک کی اسی آیت کی رو سے تقویٰ و طہارت میں جو مقام حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہوگا وہی ان کی رفیقۂ حیات کا ہوگا۔ اور جو مقام و درجہ حضرت فاروق اعظمؓ کا ہوگا، وہی ان کی شریک حیات کا ہوگا۔ اسی طرح تقویٰ و طہارت کے جس مقام پر حضرت عثمان غنیؓ فائز ہوں گے۔ وہی مقام ان کی بیوی کا ہوگا۔ اور جتنے طیب و طاہر حضرت علیؓ ہوں گے اتنی ہی طیبہ و طاہرہ ان کی اہلیہ ہوں گی۔ اسی طرح: والخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات

کی رُو سے خبائث کے جس درجے پر ابولہب فائز ہو گا وہی درجہ اس کی بیوی کا ہو گا۔ جسے قرآن مجید میں حمالۃ الحطب کے الفاظ میں یاد کیا گیا ہے۔ جو بدبخت اور بدنصیب یہ کہتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حرم میں معاذ اللہ ایک "خبیثہ" عورت بھی موجود تھی (اور اس کا اشارہ صدیقہء کائنات رضی کی طرف ہوتا ہے) وہ قرآن مجید سے نابلد محض ہونے کے علاوہ شاتم رسولؐ بھی ہے۔ جو بدبخت حضرت صدیقہ رضہ کو معاذ اللہ خبیثہ سمجھتا ہے وہ قرآن مجید کی اس آیت کی رُو سے حضور کو کیا سمجھتا ہے؟

حضرت صدیقہ کائنات رضہ کے لئے یہ شرف کیا کم ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی براءت میں قرآن پاک میں دو رکوع نازل فرمائے ہیں اور تا قیام قیامت جب تک مساجد کے محراب و منبر میں قرآن پاک کی تلاوت ہوتی رہے گی ان کی عفت و طہارت کا ذکر ہوتا رہے گا۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ قرآن پاک حادث اور مخلوق نہیں بلکہ یہ قدیم ہے اور یہ اتنا ہی قدیم ہے۔ جتنی ذات باری تعالیٰ اس لئے جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس وسیع و عریض کائنات کو پیدا نہیں کیا تھا تو اس وقت بھی قرآن موجود تھا اور اس میں وہ آیات موجود تھیں جو امہات المومنین رضہ کی عفت و عصمت پر گواہ ہیں۔ بالفاظ دگر ان کی عفت و عصمت ازلی و ابدی ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تبارک و تعالیٰ امہات المومنینؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من ایٰت اللّٰہ والحکمۃ .... الخ

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے حجروں میں قرآن پاک کی تلاوت جاری رہتی تھی اور وہاں صرف حکمت اور دانائی کی باتیں ہوتی تھیں۔ امہات المومنینؓ کے دیندار ہونے پر اور کس کی گواہی کی ضرورت ہے۔

حضرت صدیقہ کائنات رضہ جس حجرہ میں قیام پذیر تھیں اس کا مرتبہ عرش سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس مقدس حجرے کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں فخر موجودات محمد رسول اللہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم رضہ محو استراحت ہیں۔ حضرت صدیقہء کائناتؓ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے تین چاند ٹوٹ کر ان کی جھولی میں آ گرے ہیں یہ اس خواب کی تعبیر تھی۔

امہات المومنینؓ کو ایک شرف اور بھی حاصل ہے جو انہیں دنیا کی خواتین سے ممتاز کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے تو

اسے ستائیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور اگر کوئی خوش نصیب مسجد نبوی میں ایک نماز ادا کرے تو اسے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ یہ تو مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کے بارے میں ہے۔ اب ذرا سوچئے کہ اگر ایک نماز امام الاولین والآخرین محمد رسول اللہ کی اقتداء میں پڑھی جائے تو اس کا کتنا ثواب ہوگا؟ اور امہات المومنینؓ جن کے حجرات کے دروازے مسجد نبوی میں کھلتے تھے، اگر اپنے حجرات میں ہی جماعت میں شریک ہو جائیں تو اجرھا مرتین کے مصداق ان کو دوسروں کی نسبت دوگنا ثواب ملے گا۔ یہ شرف صرف اور صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات کو حاصل ہے کہ انہیں از روئے قرآن ہر نیکی کا دگنا ثواب ملتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مرد و زن کے تعلقات کے ضمن میں ھن لباس لکم و انتم لباس لھن فرمایا ہے۔ اس آیت مبارکہ کی رو سے امہات المومنین نبی اکرمؐ کا لباس ہیں۔ لباس سے جہاں ستر ڈھانکا جاتا ہے وہاں لباس باعث زینت بھی ہوتا ہے۔ اس لئے برگزیدہ ہستیاں ایک دوسرے کے لئے جہاں ستر کا کام دیتی ہیں وہاں باعث زینت بھی ہیں۔ جو ازلی و ابدی بدبخت امہات المومنینؓ کی طرف انگشت نمائی کرتا ہے وہ دراصل حضور کا ستر ننگا کرنا چاہتا ہے۔

صدیقہ کائناتؓ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان کی مقدس اوڑھنی غزوہ بدر الکبریٰ میں پرچم نصرت آیات بنی۔ یہ اوڑھنی خلفائے راشدینؓ خلفائے بنو امیہ اور خلفائے بنو عباس سے ہوتی ہوئی عثمانی خلفاء تک پہنچی۔ عثمانیوں کی یورپی اقوام سے آئے دن لڑائی رہتی تھی جب ان کے درمیان سخت معرکہ پیش آتا تو اس وقت عثمانی خلفاء حضرت صدیقہؓ کی مقدس اوڑھنی کو پھریرا بنا کر لہراتے تو اللہ تعالیٰ اس کی لاج رکھتے ہوئے انہیں کامیابی سے ہمکنار کر دیتا تھا۔

جاہل سنیوں اور فرقہ مخالف کی طرف سے صدیقۂ کائناتؓ کی ذات اقدس سب سے بڑا افتراء اور بہتان جنگ جمل میں شمولیت ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ام المومنین صدیقۂ کائناتؓ نے امام مظلوم سیدنا عثمان غنیؓ کے قصاص کے لئے علم جہاد بلند کیا تھا اسے دنیا و مافیہا سے بے خبر علماء اور خطباء "اجتہادی غلطی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ حقائق و شواہد کی روشنی میں جب ہم اصل حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم

ہوتا ہے کہ یہ علماء فضلاء اصل حقائق سے خود ہی ناواقف ہیں۔

اُمُ المومنینؓ اور ان کے نامور اور جاں نثار فرزند امامِ مظلومؓ کا قصاص طلب کرنے میں حق بجانب ہیں اور صحابہ کرامؓ کی ایک برگزیدہ جماعت حدیبیہ کے تاریخی مقام پر اللہ اور اس کے ہاتھ پر حضرت عثمان غنیؓ کا قصاص لینے کا عہد کر چکی تھی صحابہ کرامؓ اور ام المومنینؓ یہ کہتے تھے کہ قصاص سے دستبردار ہونا قرآن مجید سے انحراف کے مترادف ہے ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا کہ ام المومنینؓ اور اسکے ساتھی غلطی پر ہیں قرآن مجید خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ ایک کھلا مذاق ہے۔ فاضل مؤلف نے جنگ جمل کے متعلق ایک طویل بحث میں بدلائل و شواہد نصف النہار کی طرح ثابت کیا ہے کہ اس جنگ میں سیدہ صدیقۂ کائناتؓ کا مؤقف مبنی برحق تھا۔ اگر آپؓ اس وقت سیدنا ذوالنورینؓ کی مظلومانہ شہادت کے قصاص کے لئے اقدام نہ فرماتیں تو قیامت تک خون عثمانؓ کے قصاص کا قرض اور فرض امت کے ذمہ رہتا ہے۔ فاضل مؤلف کی یہ بحث قارئین کے لئے سرمۂ بصیرت اور نورِ ہدایت ہے اسی طرح فاضل مؤلف کے باقی مباحث بھی صرف سیدہ صدیقہ کائناتؓ کے حضور میں نذرانۂ عقیدت ہی نہیں بلکہ امت کے اس بے خبر گروہ کے لئے ذریعہ نجات اور موجب سعادت اخروی ہیں

سیدہ صدیقہ کائناتؓ کی عمر شریف بوقت نکاح کے متعلق فاضل مؤلف نے حقائق و شواہد اور دلائل و براہین کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ نکاح کے وقت حضرت سیدۃ النساءؓ کی عمر شریف چھ سات یا آٹھ نو سال نہیں بلکہ سولہ سترہ سال سے زیادہ تھی ——— میں کہتا ہوں کہ امت مرحومہ کو ایک عظیم غلط فہمی سے نکال کر جو شاہراہ حقیقت پیش کی ہے ——— فاضل مؤلف کا امت مرحومہ پر یہ احسان عظیم ہے۔

بخاری کی ایک روایت کے مقابلہ میں فاضل مؤلف نے بیسیوں شواھد و نظائر پیش کر کے آنکھیں کھول دی ہیں۔

اسی طرح واقعہ افک کے متعلق موصوف نے جن تفسیری نکات کی روشنی میں اس بحث کو سمو کر یہ ثابت کیا ہے کہ واقعہ افک کا سرے سے کوئی وجود نہیں بلکہ یہ منسوب الی الصحابہؓ روایت تیسری چوتھی صدی ہجری میں دشمنانِ اسلام کے دماغوں کی اختراع ہے۔ تحریم تخییر اور ایلا کے مباحث پر فاضل مؤلف کے مباحث ——— ایک ایک سطر پڑھنے جائیں گے تو ایسا معلوم ہوتا جائے گا۔ کہ ہم کسی اندھی گلی سے نکل کر ایک منور شاہراہ پر

پہنچ چکے ہیں۔ یہ بجائے صدیوں ہی گھسٹتے چلے آرہے ہیں۔ مگر انصاف، دیانت اور صداقت کا تقاضا ہے کہ ہم ایک بار خالی الذہن ہو کر اس کتاب کا مطالعہ کریں تو لا محالہ تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ حق وہی ہے جو مؤلف بیان کر رہا ہے۔ کتاب کا خاتمہ سیدنا ذوالنورین رضؓ اور صدیقہ کائنات رضؓ کے تعلقات اور حضور محمد ص حضرت رضؓ کی وفات اور تدفین کے حالات پر ہوا ہے اور حق یہ ہے کہ موصوف نے سیدہ صدیقہ کائنات کی تالیف کا حق ادا کر دیا ہے۔ کہنے کو تو بہت کچھ ہے۔ مگر میں اب اپنے اس "گذارش احوال واقعی" کو ان سطور پر ختم کرتا ہوں۔

ام المؤمنین رضؓ پر سب و شتم کا جو سلسلہ تیرہ سو برس سبائیوں نے شروع کیا تھا وہ تا دمِ تحریر جاری ہے۔ "مجدد مائۂ حاضر" (بزعم خویش) اس عقیقہ کو "زبان دراز" لکھتے ہوئے خدا اور اس کے رسول ص سے نہیں ڈرتا۔ ہم اسے اس بدنصیب کی زبان درازی، نسلی تفاخر، اور آبا پرستی کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں؟

سیدۃ النساء عائشہ صدیقہ رضؓ کی حیاتِ طیبہ پر سید سلیمان ندوی مرحوم و مغفور نے ایک بسیط کتاب تصنیف کی ہے جس کا علمی و دینی حلقوں میں بڑا چرچا رہا ہے اس کتاب کا بار بار اور بغور مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ بعض مقامات پر سید مرحوم نے ٹھوکر کھائی ہے۔ اور وہ اپنے نسلی تعصب اور تفاخر کو چھپا نہیں سکے۔ بہت سے اہل علم جو سید سلیمان ندوی کی علمیت سے مرعوب تھے ان کی تحریریں پڑھ کر احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ چکے ہیں۔ میرے فاضل دوست حکیم فیض عالم صدیقی صاحب کو اللہ تبارک و تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے اپنی تصنیف میں سید صاحب کی ایسی تمام فروگذاشتوں کی نشاندہی کر دی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سیدہ عائشہ رضؓ کے درجات کو بلند فرمائے اور ہمیں ان کے فیوض سے بہرہ یاب کرے۔ آمین!

ندوۃ المصنفین، لاہور   ننگ اسلاف

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۹۸ ھ   محمد اسلم

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ تاریخ،

پنجاب یونیورسٹی ۔ لاہور

از قلم السید شاہ الحق صدیقی ایم اے علیگ[1]

تقریظ و تعارف

السید حکیم فیض عالم صاحب صدیقی دینی مسائل اور تاریخ اسلام کے مختلف پہلوؤں سے متعلق متعدد کتابیں تحریر کر چکے ہیں اور ہر ایک میں ان کے غور و فکر اور تلاش و جستجو کے گہرے نقوش دکھائی دیتے ہیں لیکن "صدیقہ کائناتؓ" جس کا مسودہ اس وقت میرے پیش نظر ہے وہ نہ صرف تحقیق کا شاہکار ہے بلکہ اس کے ایک ایک لفظ سے ان کے خلوص و عقیدت اور محبت و وارفتگی کا اظہار ہو رہا ہے۔ انہوں نے حضرت صدیقہؓ کے حضور یہ نذرانہ عقیدت پیش کر کے گویا تمام عالم اسلامی کے سر سے قرض اتار دیا ہے جو صدیوں سے امت کے ذمہ واجب الادا تھا۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کے لئے لسان نبوی سے یہ الفاظ ادا ہوئے کہ عائشہؓ کی حیثیت دوسری تمام عورتوں میں ایسی ہے "جیسی کھانوں میں ثرید کی" ان کی عظمت اور علو مرتبت کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ جن خواتین پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہؓ کو فضیلت دی ان میں جملہ امہات المومنینؓ بھی شامل ہیں۔ اس صورت میں دنیا کی دوسری خواتین کا کیا ذکر ہے۔ رہا مردوں کا معاملہ ان سب کی وہ ماں ہیں اور اس لئے مردوں پر بھی انکی فضیلت مسلم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح خاتم النبیینؐ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہر و اطہر کائنات کے لئے رحمت تھی اسی طرح ام المومنینؓ کی ذات اقدس ہر زمانہ کے لئے بے مثل و بے مثال رہی ہے۔ دین متین کا تین چوتھائی حصہ آج اُمت کو ان ہی کے توسط سے پہنچا ہے۔

ایک فتنہ پرداز گروہ کی ریشہ دوانیوں اور اس کے مسلسل پروپیگنڈے کی بدولت جہاں دین حق کی شکل بہت کچھ بدل گئی ہے اور اشاعت دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دینے والے بہت سے قدسی صفات انسانوں کے کردار مجروح ہوئے ہیں وہیں صدیقہ کائناتؓ کی عظمت بھی

---

[1] مولف: ہمارے پیارے رسولؐ[1]۔ تحقیق وحدت الوجود و الشہود[2]۔ میر و سودا کا دور[3]۔ مبادیات علم مثلث[4]۔ بزم انجم۔ فلکیات[5]۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ[6]۔ مولانا محمد علی جوہر[7]۔ تصوف کی حقیقت[8]۔
تراجم: مہ و انجم[1]۔ آثار باقیات[2]۔ شاد عالم[3]۔ مرج البحرین[4]۔ علماء سلف[5] و نابینا علما[6]۔ مسلمان اندلس میں

اس درجہ زیر حجاب آگئی ہے کہ ان کی محبت کا دم بھرنے والے بھی آج ان کے صحیح مقام کا تعین کرنے سے قاصر ہیں۔ تحریروں اور تقریروں سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہے کہ آپ کی حیثیت بھی کچھ ایسی ہی تھی جیسی اور بہت سی عورتوں کی۔ بلکہ بعض اوقات تو آپ کے کردار کو ایسے انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ آپؓ کا رتبہ بعض اور خواتین کے مقابلہ میں فروتر محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہ نتیجہ تو آپ کے کمالات کو چھپانے سے نکلا لیکن اس سے بھی زیادہ مضر اثرات ان ناپسندیدہ امور سے مرتب ہوئے۔ جو بعض شر پسندوں نے وضع کر کے آپ کی ذات مطہرہ کے ساتھ وابستہ کر دیئے ہیں۔ جیسے عمر شریف کو گھٹا کر بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ آپ کی مرویات کا وزن کم ہو جائے۔ واقعہ افک اور واقعہ تحریم کو نہایت مکروہ انداز میں پیش کیا ہے۔ جنگ جمل میں آپ کو برسرِ خطا بنایا گیا ہے۔ وفات اور تدفین کے سلسلہ میں غلط روایتیں وضع کی گئی ہیں۔ غرض آپ کے صاف و مصفٰی کردار میں ایسے رخنے پیدا کرنے کی ناپاک کوشش کر کے راسخ العقیدہ مسلمانوں کے اذہان و قلوب تک کو مسموم کر دیا گیا ہے۔

کتاب ہذا کے فاضل مولف حکیم فیض عالم صدیقی نے خدا انہیں جزائے خیر کرے ان ہی باطل روایات کا پردہ چاک کیا ہے۔ ایک طرف انہوں نے قوی دلائل و شواہد سے ان تمام روایتوں کو ایک ایک کر کے رد کیا ہے جن کو نہایت معصومیت سے شر پسندوں نے وضع کر کے تاریخ اور تذکروں کی کتابوں کی زینت بنایا اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم کو یہ باور کرایا کہ وہ حضرت صدیقہؓ کی حیات طیبہ کے متعلق حقائق ہیں۔ دوسری جانب فاضل مولف نے حضرت صدیقہ کائناتؓ کی ان خوبیوں کو صحیح خدوخال کے ساتھ پیش کیا جن کی وجہ سے آپ اس بلند مقام پر فائز ہوئیں جس کی تصدیق خود لسانِ نبوی سے ہوئی۔

کتاب جس انداز سے لکھی گئی ہے اس کو دیکھتے ہوئے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتابوں میں اس کا درجہ افضل ہی نہیں بلکہ اسے اولیت کا مقام حاصل ہے اس میں واقعات کی تحقیق بھی ہے اور اندازِ بیان میں عقیدت، احترام اور والہانہ پن کی ملی جلی کیفیت بھی۔ موضوع کی اہمیت اور کتاب کی افادیت کو دیکھتے ہوئے میری خواہش ہے کہ ہر کلمہ گو کے گھر میں یہ کتاب موجود رہے اور گھر کا ہر فرد اس کا مطالعہ کرے۔

امید ہے کہ صدیقۂ کائنات رضی اللہ عنہا کے حضور میں یہ نذرانۂ عقیدت مولف کی نجاتِ اخروی کا موجب ہو گا۔

ثناء الحق صدیقی

۱۱ جنوری ۱۹۷۶ء

تقریظ مقدمہ

از قلم : ابوالحسین مولانا محمد عظیم الدین صدیقی کورنگی کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ سازی اور تاریخ نویسی ——— دو مستقل عنوان ہیں جن سے عملاً عہدہ برآ ہونے کے لئے الگ الگ استعداد اور صلاحیتیں درکار ہیں اور چونکہ ان میں سے ہر عنوان اپنی وسعت و ہمہ گیری اور تنوع کے اعتبار سے ہمہ تن یکسوئی اور دوسرے سے بے اعتنائی کا متقاضی ہے۔ اس لئے عموماً ایسا ہوتا ہے کہ تاریخ ساز قوم کو اپنی تاریخ لکھنے اور مرتب کرنے کی مہلت نہیں ملتی ——— یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ فکر و عمل کی تمامتر صلاحیتوں اور توانائیوں کے ساتھ تن من دھن کی بازی لگا کر تاریخ بنانے والی قوم کے مصروف کار اور جادہ پیما افراد کو اطمینان و سکون اور فراغ کے چند لمحات بھی میسّر نہیں ہوتے کہ وہ گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر ذہنی و فکری یکسوئی سے اپنی "ثبت است بر جریدہ عالم" تاریخ کی روداد مرتب و مدوّن کر سکیں۔ بصورت دیگر تاریخ ساز قوم اگر تاریخ نویسی پر توجہ دینے لگے تو پھر قلم و قرطاس کی اس شکست و ریخت میں الجھ کر وہ جد وجہاد مسلسل کو جس کا دوسرا نام تاریخ سازی ہے جاری و باقی نہیں رکھ سکتی۔

یہ ایک ایسی فطری حقیقت ہے جس کے ثبوت پر بھاری بھرکم دلائل کی قطعاً ضرورت نہیں اس کے محسوس اور غیر محسوس شواہد قوموں کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں شب و روز پیش آتے رہتے ہیں ——— کشتی، کبڈی، ہاکی، والی بال، کرکٹ اور باکسنگ وغیرہ کا مظاہرہ کرنے والے کسی شخص کو اپنے فن اور عمل کی کمنٹری یا آنکھوں دیکھا حال پیش کرتے ہوئے کبھی آپ نے دیکھا ہے ؟ نہیں ——— اس لئے کہ دو مختلف مزاج اور متضاد کیفیات کی یکجائی و اجتماع ممکن ہی نہیں تو پھر آپ کسی تاریخ ساز قوم سے یہ توقع کیوں رکھتے ہیں کہ وہ تاریخ سازی کے ساتھ ساتھ تاریخ نویسی کے فرائض بھی انجام دے ذٰلک تقدیر العزیز العلیم

اور چونکہ قوانین فطرت میں کوئی استثنائی گنجائش نہیں اس لئے لامحالہ عرب قوم کو بھی ان ہی فطری و تکوینی ضابطوں اور راہوں سے دوچار ہونا پڑا ——— خاتم المعصومین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم عرب کے مشہور شہر مکہ معظمہ اور قبیلہ قریش میں پیدا ہوئے اگرچہ آپ کی بعثت تمام بنی نوع انسان کے لئے عام تھی لیکن گرد و پیش کی عام عرب معاشرت اور دعوتِ اسلام کی

اولین مخاطب عرب قوم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا چنانچہ آپ کے فیضان صحبت سے تربیت یافتہ
حضرات صحابہ کرامؓ کی وہ مقدس جماعت تیار ہوئی جنہیں انسانی فضائل و کمالات کا نقطۂ
عروج ہی نہیں —— بلکہ سعی و عمل کا مجسم پیکر اور سر تا پا جد و جہاد کہنا زیادہ مناسب ہے ——
مکی دور میں انتہائی ظلم و ستم کے باوجود ایمان و اسلام پر استقامت اور پیش آمدہ مصائب
و شدائد پر خندہ پیشانی سے صبر۔ مدنی عہد میں کٹھن اور مایوس کن حالات کے باوجود میدانِ
جہاد میں مسلسل جادہ پیمائی۔ حضرات خلفائے راشدینؓ۔ سیدنا صدیق اکبرؓ۔ سیدنا فاروق اعظمؓ
اور سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے رشد و ہدایت سے بھرے پچیس سالہ دور میں جہانگیری و
جہانبانی کے ناقابل فراموش کارنامے۔ سیدنا علیؓ کے ساڑھے چار سالہ آزمائشی و عبوری حکمرانی
میں دشمنانِ اسلام کی برپا کردہ اسلام دشمن کارروائیوں کے مقابل نبرد آزمائی۔ ساٹھ لاکھ مربع
میل سے زیادہ رقبہ پر پھیلی ہوئی سیدنا معاویہؓ کی بیس سالہ خلافت راشدہ اور اس میں ہونے
والی تسخیر و فتوحات اور اسلامی و انسانی خدمات یہ سب کچھ اس بات کا منہ بولتا، ناقابل تردید
ثبوت ہے۔ کہ قرنِ اول کی مسلم قوم خصوصاً مسلمانانِ عرب انسانی روپ میں سعی و عمل کی وہ چلتی
پھرتی تعبیریں تھیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سازی کا مقدس
کام کیا —— بایں ہمہ فکر و عمل کی تقسیم کے اس فطری قانون کی تنفید کا یہ کرشمہ ہے کہ
جب تک مسلمان قوم اپنی تاریخ کے بنانے میں مصروف رہی انہیں تاریخ نویسی کی جانب توجہ
کا موقعہ نہ مل سکا۔ اور جب اس طرف دھیان کیا تو تاریخ سازی کا وہ عمل قلم و قرطاس کے سنگم اور
اس سے پیدا شدہ نتائج و عواقب کی بھینٹ چڑھ چکا تھا جس کے نتیجہ میں انہوں نے عرب کے
ریگزاروں سے نکل کر اقصائے عالم میں نہ مٹنے والے تاریخی نقوش ثبت کئے تھے تاریخ سازی
کے اس دور میں آپ کو عالم۔ فاضل۔ محدث۔ مفسر۔ فقیہہ۔ شمشیرزن۔ تیر انداز۔ شہسوار۔ حاکم
عامل۔ افسر۔ قاضی اور گورنر غرضیکہ ہر وصف و منصب اور مزاج و کیفیت کے لاتعداد افراد مل جائینگے
لیکن آپ اس تاریخ ساز قوم کے مصروف بہ عمل افراد کی لاکھ چھان بین کریں تو تاریخ نویس نام
کی کسی قابل ذکر شخصیت کی دستیابی سے محرومی رہے گی ثم ارجع البصر کرتین ینقلب
الیک البصر خاسئا وھو حسیر۔ سطور بالا پڑھ کر آپ کے ذہن میں یقیناً یہ سوال کروٹیں لے
رہا ہوگا کہ —— پھر مسلمانوں کی تاریخ کے بیش از بیش ذخیرے کیسے اور کہاں سے وجود میں آئے —— موضوع
اگرچہ تفصیل طلب ہے جس کے لئے بطور مقدمہ لکھی گئی یہ سطریں قطعاً ناکافی ہیں اس لئے تفصیلات کسی

دوسری فرصت کے لئے قلم انداز کرتے ہوئے اجمالی اشارات پیشِ خدمت ہیں۔

امام اول خلیفہ بلا فصل سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں ایران کی مجوسی سلطنت کے سہارے برپا کردہ مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت کا فتنہ ہی ختم نہیں کیا گیا بلکہ بعض ناگزیر مجبوریوں اور امکانی تحفظات کے پیشِ نظر ایران کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا ——— امام دوم خلیفہ عادل سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت میں تسخیر و فتوحات کا یہ سلسلہ بہت دور تک پھیل گیا جس کے نتیجہ میں روم و ایران وغیرہ مختلف علاقوں کے جنگی قیدی مدینہ منورہ آنے لگے، حضرت عمرؓ اس بات پر راضی نہ تھے کہ ان قیدیوں کو مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ رکھا جائے آپ ان ممالک کے لوگوں کی کیفیات سے بخوبی واقف تھے نیز آپ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ مفتوحہ اقوام کے جنگی قیدیوں کا احساسِ محرومی کسی بھی وقت انتقام کا روپ دھار سکتا ہے۔

لیکن حضرت عمرؓ نے بعض حضرات کے مسلسل اصرار پر جنگی قیدیوں کو مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دیدی تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ ان قیدیوں کی دیکھ بھال اور نومسلموں کی تربیت پر مامور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عجمی قیدیوں اور نومسلموں کو علوی و عباسی خانوادوں کے ساتھ گھلے ملے رہنے کے مواقع میسر رہے۔ اور پھر اسی خلا ملا کے ذریعہ انہوں نے بنو ہاشم اور بعض دیگر ایسے نوجوانوں کی ذہنی تعمیر شروع کر دی جنہیں وہ بوجوہ اپنے خفیہ انتقامی مشن میں بطور آلہ استعمال کر سکتے تھے۔ چنانچہ ایرانی نومسلم قیدیوں نے سیدنا علیؓ اور خاندانِ رسالتؐ کے کچھ دوسرے قابلِ تعظیم بزرگوں کے ساتھ اظہارِ محبت و عقیدت کو اپنی انتقامی تحریک کا ابتدائی قدم قرار دے کر غلو عقیدت کا وہ دروازہ کھول دیا جس نے آگے چل کر فرضی فضائل و مناقب کے بل پر شخصیت پرستی یعنی ہیرو ازم کے وہ وہ طریقے درآمد کئے جن کے سامنے یہود و نصاریٰ کی افراط اور اشخاص پرستی بھی بے حقیقت دکھائی دیتی ہے ——— امام سوم، خلیفہ برحق سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے عہد خلافت میں مرکز سے دور کوفہ، بصرے اور مصر وغیرہ کے علاقوں میں خفیہ اور رازدارانہ انداز میں اس انتقامی پروگرام کو منظم کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ بالآخر حضرت عثمان ذوالنورینؓ اسی انتقامی سازش کے تحت شہید کئے گئے

چونکہ اس انتقامی پروگرام میں بنو ہاشم بالخصوص حضرت علیؓ کے ساتھ محبت اور ان کے استحقاق و برتری کے اظہار کو بڑی اہمیت حاصل رہی تھی، اس لئے انتقامی مشن کے مزید تحفظ کے لئے ضروری سمجھ کر سبائی بلوائیوں اور قاتلین عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔ سیدنا علیؓ کے عبوری دور کی خانہ جنگیوں میں لاکھ کے قریب انسانوں کا قتل عام اسی انتقام کی ایک کڑی ہے ——— حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ نے امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر کے عجمی انتقام

کی پیش قدمی کو روک دیا۔ سیدنا معاویہؓ کے عہد خلافت میں ان سازشیوں کو کھل کھیلنے کا موقعہ نہ مل سکا اس لئے اس اسلام دشمن تحریک نے خفیہ مشن کی صورت اختیار کر لی یہی وہ دور ہے جب انتقامی عنا نے بڑے پیمانے پر روایات گھڑیں اور انہیں حد درجہ رازداری، تقیہ بازی اور کتمان واخفا کیساتھ عام کرنا شروع کیا، نوبت بایں جا رسید کہ ان عجمی ٹکسالوں سے روایات وحکایات کے اس قدر کھوٹے سکے گھڑے گئے اور پھر انہیں ہمہ گیر اور مسلسل انداز میں اتنا پھیلایا گیا کہ اس خالص انتقامی وسیاسی تحریک نے مذہبی رنگ اختیار کر لیا اور پھر آگے چل کر انہی موضوع روایات اور مبالغہ آمیز فضائل ومناقب کے ذریعہ بنو عباس اور بنو علی نے عجمیوں سے سازباز کر کے بنو امیہ کا تختہ الٹ دیا۔

وضعت الرافضة فی فضائل علیؓ واهل البیت نحو ثلاث مائة الف حدیث

موضوعات کبیر ص۱۰۶۔ روافض نے حضرت علیؓ اور اہل بیت کے فضائل سے متعلق تین لاکھ کے لگ بھگ روائتیں بنائیں۔

ومن ذلک الاحادیث فی ذم معاویة وذم عمرو بن العاص وذم بنی امیة ومدح المنصور والسفاح وکذا ذم یزید والولید و مروان بن الحکم — موضوعات کبیر ص۱۰۶

اسی طرح حضرت معاویہؓ، حضرت عمروؓ بن عاص اور دیگر بنو امیہ، خصوصاً امیر یزیدؒ اور حضرت ولیدؒ اور حضرت مروان بن حکمؓ کی برائی۔ اور خلیفہ منصورؒ اور خلیفہ سفاح کی تعریف کی روایات بھی جھوٹی اور وضعی ہیں۔

صرف یہی نہیں کہ عجمیوں نے اپنی انتقامی حکمت عملی کے پیش نظر مسلمانوں کو دو حصوں میں بانٹ کر، ایک کی تعریف اور دوسرے کی برائی میں روایات گھڑیں بلکہ انہوں نے اسلامی عقائد واعمال کے ہر ہر گوشے سے متعلق ایسی ایسی گھناؤنی، متضاد اور ناقابل فہم روایات بھی وضع کیں۔ جن سے اسلامی تعلیمات کا چہرہ مسخ ہو کر رہ گیا —— بنو عباس کے دور میں اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اب تک زبانی اور سینہ بہ سینہ چلتی ہوئی روایات کو باقا مدون ومرتب ہو جانا چاہیئے۔ تاکہ سیاسی وانتقامی مصلحت کی خاطر گھڑا گیا یہ مواد نہ صرف محفو ہو جائے بلکہ آئندہ آنے والوں کے لئے مستقل طور پر الیسا ریکارڈ ثابت ہو جس کے ذریعہ ا واستنباط بحث وتمحیص اور اختلاف وانتشار کا نہ بند ہونے والا دروازہ کھل جائے جس میں د ہو کر مسلمان قوم اتحاد واجتماعیت اور باہمی اخوت ومحبت سے محروم ہو کر عجمی انتقام کا شکار ہوتی رہے۔

اموی دور خلافت میں تاریخ ساز مسلم قوم بالخصوص عربوں کو کسی اور طرف توجہ کی فرصت نہ ملی۔
اور جب عباسی دور خلافت میں تاریخ نویسی باقاعدہ شروع ہوئی تو عموماً عجمی اہل علم اور ارباب قلم
اس علمی و روایتی سرمائے کے حامل و وارث ہو چکے تھے جنہوں نے فرصت فراغ کی بدولت صحیح و سقیم
ہر دو طرح لفظوں سے سُن کر اسے اکٹھا کر لیا تھا ـــــــ اس میں شک نہیں کہ اس ذخیرے میں
صحیح احادیث، سچے تاریخی احوال پر مشتمل روایات بھی موجود تھیں لیکن اس حقیقت سے بھی
انکار ناممکن ہے کہ وضعی و من گھڑت روایات، جھوٹے قصے اور فرضی داستانیں غالب حیثیت
کی حامل تھیں۔ اللہ بھلا کرے فقہائے محدثین کا کہ دشواریوں کے باوجود انہوں نے بڑی حد تک
رطب و یابس روایات کے اس ڈھیر کی چھان پھٹک کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ مثال کے طور پر امام
بخاریؒ کو لیجیے کہ انہوں نے کم و بیش چھ لاکھ روایات میں سے اپنے مقرر کردہ معیار صحت کے
مطابق پونے تین ہزار کے لگ بھگ روایات کا انتخاب کر کے باقی کو نظر انداز کر دیا ـــــــ
اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام بخاریؒ کے زمانہ تک سقیم اور غیر صحیح روایات کا کس قدر
انبار لگایا جا چکا تھا ـــــــ صحیح بخاری کے گہرے اور حقیقت پسندانہ مطالعے سے معلوم ہوتا
ہے کہ روایات کی تنقیح و تطہیر کا عمل جاری تھا کہ امام بخاری کا انتقال ہو گیا۔ ورنہ کچھ اور موقع
ملتا تو وہ اس میں مزید حک و اضافہ سے کام لیتے۔ صحیح بخاری میں کتنے ہی مقامات ایسے ہیں جہاں
باب یا ترجمۃ الباب یا متعلقہ روایات کا اندراج نہیں۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ
موجودہ کتاب امام بخاری کا وہ بیاض ہے جو ان کے زیر تحقیق و تدوین تھا جس میں مزید کمی و بیشی
کے لئے انہوں نے خالی جگہیں چھوڑ رکھی تھیں۔ جنہیں کسی وجہ سے وہ اپنی زندگی میں پُر نہ کر سکے۔
بلاشبہ امام بخاریؒ وغیرہ محدثین نے لاکھوں مخلوط روایات کے انبار سے صحیح روایات چھانٹنے کا
عظیم ترین کام انجام دیا۔ لیکن اس عمل تطہیر کو نہ انہوں نے حرف آخر سمجھا اور نہ ہی دوسرے
فقہاء و محدثین نے اس پر کسی کمی و بیشی کو ممنوع قرار دیا ہے اس لئے بعد میں آنے والا کوئی
محقق اگر کسی روایات کے بارے میں دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کرے کہ یہ روایت صحت کے
اس معیار پر پوری نہیں اترتی جو خود امام بخاریؒ نے مقرر کیا ـــــــ یا جسے قرآن مجید نے معیار
قبولیت قرار دیا ہے تو یہ کوئی انوکھی اور اچنبھے کی بات نہیں، متقدمین و متاخرین فقہاء اور علماء اسی
اصول کے مطابق روایات کی ترجیح یا تردید کرتے آئے ہیں ـــــــ فضائل اعمال، مناقب و مثالب،
مشاجرات اور بیان واقعات کی روایات کے سلسلہ میں اختیار کی گئی سہل انگاری اور اس سے پیدا شدہ

اعتقادی فساد کے پیشِ نظر جد ضروری ہے کہ عنوانات بالا کی تمام تر روایات کو محققین اور اربابِ فکر و نظر روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھ کر اس اہم، ضروری اور مقدس فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہوں جواب سے بہت پیشتر تکمیل کو پہنچ جانا چاہیئے تھا ـــــــ مولانا الحکیم السید فیض عالم صدیقی صاحب بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اس پُرفتن دور میں اپنی تمام علمی ذہنی اور عملی صلاحیتوں کے ساتھ تحقیقی و اصلاحی کام میں مصروف ہیں۔ موصوف پہلے بھی متعدد علمی و تحقیقی تالیفات پیش کر چکے ہیں اور اب زیرِ نظر تالیف "صدیقہ کائنات" کے نام سے ان کا نیا تحقیقی شاہکار ناظرین کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے ـــــــ

یوں تو تمام امہات المومنین کو عز و توقیر کا اعلیٰ مقام حاصل ہے لیکن سیدہ حضرت عائشہ صلوات اللہ علیہا گوناگوں انفرادی خصوصیات و کمالات کے اعتبار سے بہت بلند ترین مرتبہ کی حامل ہیں محترم حکیم صاحب نے جس جذبہ اور والہانہ انداز میں جناب صدیقہ رض کے کمالات و فضائل بیان کیے ہیں اور دشمنانِ صدیقہ کی الزام تراشیوں کا تعاقب کیا ہے وہ جناب صدیقہ عائشہ رض کے ساتھ ان کے فرزندانہ خلوص و محبت کی دلیل ہے ـــــــ فاضل محقق نے سیرتِ صدیقہ کائنات کے بعض مشہور و معروف واقعات مثلاً یہ کہ صدیقہ کائنات رض کی عمر شریف بوقت نکاح سولہ سال سے زائد تھی یا واقعہ افک کہ یہ سراسر افترا و بہتان ہے یا تحریم و تخییر اور ایلاء سے متعلق دلائل و براہین کی روشنی میں یہ بحث کی ہے ان کے متعلق اکثر روایات محل نظر ہیں یا جنگ جمل کا پس منظر، واقعات اور اس کے نتائج پر بحث کرتے ہوئے ان امور کی طرف نشاندہی اور اس جنگ میں سیدہ کائنات رض کا موقف سراسر مبنی بر حق تھا۔

تحریم کے متعلق عام سیرت نگاروں سے ہٹ کر جو انداز تحقیق اختیار فرمایا بہت ممکن ہے کہ وہ حساس نازک مزاج اور مسلکی اختلاف رائے میں غیر طبعی اعصابی دباؤ میں مبتلا بعض حضرات کیلئے حیرت استعجاب بلکہ استنکار کا موجب ہو ـــــــ لیکن جو حضرات روایت ساز اور تاریخ نویس عناصر کے انتقامی پس منظر سے بخوبی واقف ہیں ان کے لئے یہ ایک فکر دعوت و عمل ہے جس پر حیرت زدہ اور ناراض ہونے سے کہیں زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید کی روشنی میں تاریخی روایات کی مزید چھان بین کی جائے ہو سکتا ہے کہ بعض اندھا دھند روایت پرست حضرات مولانا موصوف کی اختیار کردہ تحقیق کی بعض جزئیات سے "بدلائل" اختلاف رائے رکھتے ہوں لیکن کسی بات کو محض اس لئے غلط قرار دینا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کہ اسے پہلوں نے بیان نہیں کیا ـــــــ مناسب ہوگا کہ اس موقع پر رد و قبول کا معیار جاننے کے لئے مندرجہ ذیل آیات کریمہ پر غور و فکر کرتے چلیں :

۱- افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً
سورت نساء پ ۵

کیا وہ قرآن مجید پر غور نہیں کرتے اور اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا۔ تو اس میں بڑا اختلاف پاتے۔

۲۔ اولٰئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمٰی ابصارھم۔ افلا یتدبرون القرآن ام علٰی قلوب اقفالھا ۵ پ ۲۶ سورت محمد
یہی لوگ تو ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے سو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

۳۔ والذین اذا ذکروا بایٰت ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا ۵ پ ۱۹ سورہ فرقان
اور جب ان کے رب کی آیات سے ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔

۴۔ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اٰباءنا الخ پ ۲ سورہ بقر
وہ کہتے ہیں ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔

۵۔ ماسمعنا بھٰذا فی الملۃ الاٰخرۃ ان ھٰذا الا اختلاق ۵
ہم نے یہ بات پچھلے لوگوں میں نہیں سنی (اس لئے) یہ گڑھت ہی ہے۔

آیاتِ بالا سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح کسی بات کو یہ کہہ کر ٹھکرا دینا غلط ہے کہ اسلاف و اکابر اور پچھلے لوگوں سے نہیں سنی گئی ——— اسی طرح غور و فکر اور تدبر و تحقیق کئے بغیر کسی معاملہ میں اندھا دھند بل پڑنا بھی قرآنی بصیرت و درایت کے سراسر خلاف ہے۔ جب "آیاتِ ربانی" پر بے سوچے سمجھے گر پڑنے کو قرآن مجید اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا تو پھر تاریخی روایات کے سلسلہ میں اسے کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے ——— ان الفاظ کے ساتھ ہم ایک بار پھر محترم حکیم السید فیض عالم صدیقی صاحب کی خدمت میں اس علمی و تحقیقی کام پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ موصوف کے "پیش نگاہ" کو سمجھ کر اس مقدس کام میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضٰی ۔

ابو الحسین محمد علیم الدین صدیقی

خطیب جامع مسجد اقصٰی کورنگی ۲/۱ ۳ کراچی ۳۱

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ — ۲ اپریل ۱۹۷۶ء

نتیجہ فکر مولانا السید طاہر المکی

تعارف کتاب

مسلمانوں کے معاشرے کو اگر عمرانی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ عجیب و غریب بات سامنے آئے گی کہ ان کے ہاں بحیثیت مجموعی عورت کی عزت بہت کم ہے۔ ان کے مقابلے میں ایک مسیحی معاشرے اور ہندو معاشرے میں انہیں زیادہ عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ـــــ پھر یہ تعجب اس وقت بڑھ جاتا ہے جب یہ حقیقت سامنے آتی ہے۔ کہ مسلمانوں کی بنیادی مذہبی کتاب قرآن مجید اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عملی زندگی (یعنی سنت) میں مسلمانوں کے اس طرز عمل کے برعکس خواتین کی عظمت و اہمیت اور ان کی بلندی و برتری کے نقوش قدم قدم پہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

دوسری طرف بائبل اور وید (ہندوؤں کی مذہبی کتاب) میں عورت کی عظمت کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ مگر عملاً وہ اس معاملہ میں مسلمانوں سے بہتر ہیں۔

غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قوموں اور معاشروں پر نظریاتی اصول اتنے نہیں کرتے جتنے نمونہ ہائے عمل اثر کرتے ہیں۔ مثلاً مسیحیوں کے ہاں نظریاتی طور پر اگرچہ عورت کو کوئی بلند مقام حاصل نہیں مگر چونکہ ان کے سامنے بچپن سے بڑھاپے تک ہر وقت حضرت مریمؑ کا تعریفی انداز میں تذکرہ کیا جاتا ہے اس لئے عورت کی عظمت کا نقش ان کے دلوں پر کھد جاتا ہے۔ اسی طرح گو ہندوؤں کی نظریاتی کتابوں میں عورت کے متعلق نہایت پست خیالات پائے جاتے ہیں مگر مختلف مذہبی ڈراموں اور رامائن میں سیتا وغیرہ کے کردار کے ذریعے بچپن سے ان کے دلوں میں عورت کی عظمت گھر کر جاتی ہے۔ جو ان بے جان نظریاتی اصولوں کے کبھی کبھار پڑھ یا سن لینے سے زائل نہیں ہوتی۔

مگر مسلمانوں کے ہاں یہ صورت حال نہیں ہے اور باوجود انتہائی عظیم نمونوں کی موجودگی کے کبھی انہیں عوام کے سامنے یا بچوں کی ابتدائی تعلیم میں پیش نہیں کیا جاتا اب ظاہر ہے قرآن مجید کا سمجھ کر مطالعہ کرنے والے مسلمانوں میں ایک فی ہزار بلکہ ایک

فی لاکھ بھی مشکل سے ملیں گے پھر ان کے سامنے صحیح نقطہ نظر بھلا کس طرح آ سکتا ہے۔

مثال کے طور پر مسلمانوں میں ہر اعتبار سے عظیم مثالی خاتون ام المؤمنین عائشہ صدیقہ صلی اللہ علیہا ہیں۔ جو علاوہ حضور اکرمؐ کی اہل بیت ہونے کے محدثہ ہیں۔ مفسرہ ہیں۔ حافظہ ہیں، قاریہ ہیں، ادیبہ ہیں، خطیبہ ہیں، معلمہ ہیں۔ فقیہہ ہیں غرض مجموعۂ حسنات و کمالات ہیں۔ بلکہ نظر کو بلند تر کیجئے اور دیکھیے کہ پوری تاریخ عالم میں اتنی عظیم جامع الصفات اور جامع الحیثیات خاتون جو زبردست عالم و فاضل بھی ہو اور حق کی خاطر سربکف میدان میں نکل آنے والی بھی، انتہائی شجاع بھی ہو اور زبردست مدبّر بھی، گھریلو خاتون بھی ہو۔ اور انتظامی صلاحیتوں کی مالک بھی) —— کیا پوری دنیا میں سوائے ان کے کوئی نظر آتی ہے۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيرٌ (سورۃ الملک)

نگاہوں کو پھر علم و تحقیق کی فضا میں اڑان کی کشائی عطا کرو۔ تم دیکھو گے کہ تحقیق و تفحص اور تلاش و جستجو کے باوجود اسے گوشۂ چشم میں ناکام و نامراد واپس آنا پڑے گا۔

مگر غور فرمایئے! انہی عظیم خاتون کے متعلق بھی ہمارے عوام ہی نہیں بلکہ اہل علم اور پڑھے لکھے لوگ بھی کیا جانتے ہیں؟ کیا سوائے ان کے نام کے، ان کے کارناموں فضیلتوں، اور عظمتوں سے کوئی واقف ہے؟ —— آخر اس کی وجہ کیا؟ یہی کہ دشمنانِ اسلام و قرآن و محمدؐ نے اپنی منظم فکری و تاریخی سازشوں کے ذریعے صدیقۂ کائناتؓ کی زندگی کے حالات کو اول تو مسلسل چھپانے کی کوشش کی اور جو تھوڑے بہت حالات ان کی دست برد سے محفوظ رہے ان میں بھی انہوں نے وہ تحریف کی اور انہیں ایسے رنگ میں پیش کیا جس سے شعوری و غیر شعوری طور پر مسلمانوں میں عورت کی عظمت کے بجائے ایسا تصور ابھرا جو آج عامۃ المسلمین کی اکثریت میں نمایاں ہے۔

اب ذرا سوچیئے! جب اسلام کی اس سب سے عظیم خاتون کے متعلق مسلمانوں کے دل و دماغ میں اس قسم کے نقوش مرتسم ہوں تو پھر دوسری خواتین کے متعلق بلند خیالات کی ان سے کیا توقع رکھی جا سکتی ہے؟

اسلام نے وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (حضور اکرمؐ کی ازواج مطہراتؓ تمام مسلمانوں کے

لئے ماں کی طرح محترم ہیں) کہہ کر اہلبیتؑ نبوت کو جو مقام عطا کیا تھا اور جس مقصد سے عطا کیا تھا، مسلمانوں نے اس کی اہمیت کو محسوس نہ کیا اور اس کے نتائج بھگت رہے ہیں۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔

ایک اور پہلو سے بھی غور فرمایئے تو اہلبیتِ طہارت کی عظمت کا وہ رُخ سامنے آئیگا جس کی طرف عموماً نگاہ بہت کم جاتی ہے۔ کلامِ الٰہی میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل آیت ۹۵)

اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور کسی فرشتے ہی کو ان کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجتے۔

کیونکہ اگر انسانوں کے لئے بجائے انسان کے کسی فرشتے کو بطور رسول بھیجا جاتا تو لوگ کہہ سکتے تھے کہ جناب یہ فرشتے، ہم انسان! کہاں یہ کہاں ہم۔ یہ دُوسری دنیا کی مخلوق اور ہم دوسری دنیا کی۔ یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ جو کام یہ فرشتے کر لیں۔ وہ ہم بھی کر سکیں۔

غرض یہ کہ حضرتِ انسان کے لئے ہزار بہانے ہوتے اور فرائض و واجبات کی دنیا میں سناٹا طاری نظر آتا۔ انسانوں میں انسان کی طرح رہ کر انسان کے سے کام کرنا اور پھر انسانی زندگی میں منشائے الٰہی کے مطابق اصلاح کر کے دکھا دینا کسی فرشتے کے بس کا کام نہ تھا، اس لئے تو ایک انسان ہی موزوں ہو سکتا تھا۔ اس لئے اس خالقِ کائنات کہ جس نے اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ہر شے کی نہایت حسن کارانہ انداز میں تخلیق کی۔ پھر ہر ایک کو اس کے مناسب راہِ ہدایت بھی دکھا دی۔ ہاں اسی خلّاقِ عالم نے انسانوں میں انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تاکہ وہ اپنے ابنائے جنس کے لئے مکمل اور صحیح راہ نما بنے اور یہ ثابت کر دکھائے کہ یہ احکامِ الٰہی یہ خدائی راہِ ہدایت کوئی مشکل راستہ نہیں۔ آخر میں بھی تمہاری جنس کا ہو کر جب اس پر عمل کر رہا ہوں تو پھر تمہیں اس پر عمل کرنے میں کیا اشکال ہے۔

غرض اس حکمت اور اس مصلحت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں میں بشر رسول کو مبعوث فرمایا ——— (پھر کیا عورتوں کے لئے اس علیم و حکیم نے کوئی انتظام نہیں فرمایا؟ اور کیا ان کے لئے اس نے اسوۂ حسنہ اور مثالی نمونے پیدا نہیں کیے تاکہ

ان کی عدم موجودگی میں کوئی خاتون یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں ان احکام پر تو صرف مرد ہی عمل کر سکتے ہیں۔ ہم صنف نازک اور جنس لطیف اس پر کس طرح عمل پیرا ہو سکتی ہیں — ایسا تصور کرنا اس خالق کائنات اور پروردگار مرد و زن کی الوہیت کے لئے انتہائی توہین آمیز ہے۔ اس نے یقیناً انتظام فرمایا اور اسی لئے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ازواجہ کے زیر تربیت، مختلف مزاج اور مختلف طبیعتوں کی بارہ خواتین کو رکھ کر اور ان کی مکمل تطہیر (وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا) فرما کر انہیں تمام عالم کی خواتین کے لئے اسوۂ حسنہ اور کامل نمونہ مقرر فرمایا اور ارشاد ہوا کہ

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝

اب تمہارا فرض اولین ہے کہ جو کچھ تمہارے گھروں میں کتاب و حکمت کی تلاوت کی جاتی اور تعلیم دی جاتی ہے اس کو نہ صرف خود یاد رکھو بلکہ امت تک[1] اسے پہنچاؤ۔

اور کار نبوت کو پہنچانے کیلئے اپنے قول و عمل اور گفتار و کردار سے تمام دنیا کے لئے عموماً اور

---

[1] اردو کے ایک مشہور مفسر کو اعتراف ہے کہ "اصل میں لفظ وَاذْكُرْنَ استعمال ہوا ہے جس کے دو معنی ہیں: یاد رکھو اور بیان کرو۔ پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہے کہ اے نبی کی بیویو! تم کبھی اس بات کو فراموش نہ کرنا کہ تمہارا گھر وہ ہے جہاں سے دنیا بھر کو آیاتِ الٰہی اور حکمت و دانائی کی تعلیم جاتی ہے اس لئے تمہاری ذمہ داری بڑی سخت ہے ـــــ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہے کہ نبی کی بیویو! جو کچھ تم سنو اور دیکھو اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتی رہو کیونکہ رسول کے ساتھ ہر وقت کی معاشرت سے بہت سی ہدایات تمہارے علم میں ایسی آئیں گی جو تمہارے سوا کسی اور کے ذریعے سے لوگوں کو معلوم نہ ہو سکیں گی (تفہیم القرآن جلد ۴ ص ۹۴ حاشیہ نمبر ۵۱) اس سے چند صفحے قبل فرماتے ہیں: کہ ان آیات میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے کیا گیا ہے مگر مقصود تمام مسلمان گھروں میں ان اصلاحات کو نافذ کرنا ہے۔ ازواج مطہرات رض کو مخاطب کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے اس پاکیزہ طرز زندگی کی ابتدا ہو گی تو باقی سارے مسلمان گھرانوں کی خواتین خود اس کی تقلید کریں گی کیونکہ یہی گھر ان کے لئے نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔"

(تفہیم القرآن جلد ۴ ص ۸۸ حاشیہ نمبر ۴۶)

انسانیت کے نصف بہتر (خواتین) کے لئے خصوصاً مجسم نمونہ بن جاؤ تاکہ خواتین اسلام تمہیں دیکھ کر تمہارے طرز عمل کو سامنے رکھ کر تمہاری پیروی کر کے تمہارے اتباع کے ذریعے دونوں جہان کی کامیابی و کامرانی حاصل کر سکیں۔

ہاں! وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (ترجمہ: اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے شاید کہ تم اس سے سبق لو) فرمانے والے نے رسولؐ اور اس کی ہم کفو ازواج مطہراتؓ کو تمام دنیا کے مرد جن کے لئے مینار نور سراج منیر اور آفتاب ہدایت بنایا ــــ کیا اس کے باوجود بھی ازواجِ مطہراتؓ کو اپنے لئے اسوۂ و نمونہ نہ سمجھنے والوں اور نہ سمجھنے والیوں کو اور ان کی طرف سے بے توجہی برتنے والوں اور بے توجہی برتنے والیوں کو اپنی کوتاہی اور غلطی کا احساس نہ ہو گا؟ فَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ

مسلمانوں کی اسی کوتاہی کو دور کرنے کے لئے اور خواتین اسلام کے لئے ایک نمونہ کامل کی جھلک دکھانے کی خاطر ہمارے مجاہد بزرگ رئیس القلم السید مولانا حکیم فیض عالم صدیقی نے فخر اہلبیت مطہرات، افضل نساء العالمین صدیقہ کائنات ام المومنین حضرت صدیقہ صلی اللہ علیہا و علی زوجہا کی یہ تحقیقی سوانح مرتب فرمائی ہے اور اردو بولنے والی ملت مسلمہ کی طرف سے ایک نہایت اہم فرض کفایہ ادا کیا ہے۔

دشمنان اسلام اور ان کے ایجنٹ سبائی منافقین نے صدیقہ کائناتؓ پر چھینٹے اڑا کر اہم رسولؐ کو داغدار کرنے کی جو کوشش کی تھی، اور مسلمانوں کو عموماً اور خواتین اسلام کو خصوصاً جس ذہنی انتشار میں مبتلا کرنا چاہا تھا۔ فاضل مؤلف نے اس کی ایک ایک جڑ بیخ و بن کو اکھاڑ پھینکا ہے۔

اس عمل جراحی میں اگر بعض جگہ تلخی محسوس ہو تو یہ ملحوظ رہے کہ اگر کسی کی ماں کو برا کہا جائے یا اس کی توہین کی جائے تو اس کا رد عمل کیا ہو گا؟ چاہے اس کا مدمقابل کوئی ہو۔ (لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ) بلکہ جو ماں کے خلاف الزام تراشی کرنے والوں کا منہ نہیں توڑتا یا جواب نہیں دیتا اور خاموش سنتا ہے اس کی حلال زادگی میں بھی شبہ ہے کم از کم وہ بے غیرت اور بزدل ضرور ہے

یوں تو یہ پوری کتاب (صدیقہ کائناتؓ) اہم ہے اور بلند پایہ تحقیقات کا...

مگر اس کے بعض حصے خاص طور سے اہمیت کے مستحق ہیں۔ مثلاً اس کتاب میں

۱۔ (اہلبیت کے معنی اور قرآن مجید میں اس کے استعمالات پیش کر کے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ حقیقی اہلبیت صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں۔

۲۔ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کی عمر (بوقت نکاح) پر مفصل بحث کرنے کے بعد یہ حقائق سامنے لائے گئے ہیں کہ اس وقت ان کی عمر کم از کم سترہ برس اور رخصتی کے وقت اُنیس سال تھی۔

۳۔ افسانۂ افک پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں یہ ہوائی کسی دشمن کی اڑائی ہوئی ہے۔ اور اس دشمن نے اس آیت کے شان نزول میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام لے کر وہ ہجو ملیح کی ہے۔ جسے مسلمان تو عام طور پر سمجھ نہیں پائے مگر غیر مسلموں نے اس پر خوب بغلیں بجائی ہیں۔ (نمونے کے طور پر صرف ولیم میور کی سیرت کا مطالعہ کر لیا جائے) مؤلف کتاب نے اس ہجو ملیح کے ایک ایک جز کو بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے۔

۴۔ حادثۂ جمل کے عنوان کے تحت ان تاریخی بیانات کو پیش کیا گیا ہے، جو گو تاریخ کی بنیادی کتابوں میں تو موجود ہیں مگر جمل کے موضوع پر لکھنے والے انہیں سامنے لاتے ہوئے کتراتے ہیں۔ اور تاریخ کا صرف ایک رُخ پیش کر کے خاموش ہو جاتے ہیں ـــــــ حالانکہ اگر تاریخ کو وحی الٰہی کا درجہ دے کر اسے بے چون وچرا ماننا ہی ہے تو پھر یہ کہاں کا اصول ہے کہ اس کا صرف ایک رُخ پیش کیا جائے مورخانہ دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس واقعے کے دونوں رُخ پیش کر کے فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا جاتا لیکن چونکہ یہود و مجوس کے گٹھ جوڑ نے آل علی رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں بے انتہا غلو کیا اور انہیں بعد از خدا بزرگ کے مقام پر فائز کرنے کے لئے بے حد وحساب پروپیگنڈا کیا [1]

---

[1] بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سبائی عوام کے لاشعور میں آل علی رضی اللہ عنہ کے متعلق برتر از خدا

اس لئے اس سبائی پروپیگنڈے کے زیر اثر عام اہل قلم بھی حقائق کو صحیح تناظر میں دیکھنے کے بجائے اسی پروپیگنڈے کی رنگین عینک سے دیکھتے ہیں اور اسی لئے ان کو ساون کے اندھے کی طرح ہر جگہ ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے اور دوسرا پہلو اوجھل ہو کر رہ جاتا ہے ـــــ فاضل مولف نے اسی عام فروگذاشت کی اصلاح کے لئے دوسرے پہلو کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے۔ کیونکہ تاریخ کے دونوں رُخ سامنے رکھنے کے لئے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے ـــــ ورنہ قرآن مجید نے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا جو کردار پیش کیا ہے اور خود تاریخ نے بحیثیت مجموعی ان کے معاشرے اور ان کی سوسائٹی کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ تمام تاریخی بیانات عجیب اور انہونے معلوم ہوتے ہیں انہیں قبول کرتے ہوئے ایک قلب سلیم ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ قدماء و متاخرین میں سے بعض اہل علم جنگ جمل و صفین کے سرے سے منکر ہیں ؎

(بقیہ حاشیہ ص۲۹) ہونے کے تصورات پیوست کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ ہر مشکل موقع پر یا علی مدد، اور یا حسین کے الفاظ درون قلب جذبات کی ترجمانی کے لئے کافی ہیں۔

؎ متقدمین میں سے ہشام و عباد نے ان کا انکار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: قد حکی عیاض عن هشام وعباد انهما انکرا واقعة الجمل اصلاً ورأسا (التلخیص الحبیر) یعنی قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ ہشام اور عباد نے واقعہ جمل کا سرے سے انکار کیا ہے ـــــ اور شرح مواقف مقصد سابع میں ہے کہ اما الفتن والحروب الواقعة بین الصحابة فالهشامیة انکروا وقوعها یعنی صحابہ کرامؓ کے درمیان جو فتنے ہوئے اور جنگیں ہوئیں فرقہ ہشامیہ نے ان کے وقوع کا سرے سے انکار کیا ہے (ص۳۷۴) ـــــ اور متاخرین میں سے سرسید کے دست راست مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ) نے (جو پہلے خاندانی شیعہ تھے مگر ذاتی تحقیق کے بعد اس فرقہ داریت سے بلند ہو کر خالص مسلمان ہو گئے تھے دیکھئے ان کی سوانح مرتبہ بابائے اردو عبدالحق جو اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام جلد دوم کے ساتھ شائع ہوئی ہے) اپنی کتاب تعلیقات میں جو پادری عماد الدین کی کتاب تاریخ محمدی کے جواب میں لکھی تھی۔ اور سیرت نبوی میں انگریزی میں محمد دی ٹرو پرافٹ کے نام سے شائع ہوئی تھی ان تمام واقعات کا انکار کیا ہے ان کے بعد مرزا حیرت نے اپنی کتاب شہادت کی چھ جلدوں میں اور خواجہ عباد اللہ نے "خلافت اسلامیہ" میں یہی خیال ظاہر کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر تاریخی روایات کی جانچ پڑتال کی جائے اور رُوات پر کڑی نگاہ ڈالکر
ان کی مرویات کو پرکھا جائے تو جس طرح دورِ فاروقی میں کتب خانہ اسکندریہ جلائے جانے کا "واقعہ"
بھی ایک حقیقت سمجھا جاتا تھا) علامہ شبلی وغیرہ کی تحقیقات کے بعد افسانہ ثابت ہوا[1] اسی طرح
ل وصفین کے "واقعات" بھی تحقیق کے بعد افسانے ثابت ہوں گے۔ اس کے لئے ہمیں
ضرورت تھی ایک اور علامہ شبلی کی اور ملت کی خوش نصیبی کہ اللہ تعالیٰ نے "صدیقہ کائنات[2]" مولف کے
ذریعہ یہ خلا پورا کر دیا۔

۵۔ سورہ تحریم کے شانِ نزول میں بھی، سورۂ نور کے افسانہ افک اور سورۂ احزاب کے قصہ
زیدؓ و زینبؓ کی طرح ہماری تاریخ و تفسیر کی کتابوں میں حسرت انگیز بلکہ ناگفتہ بہ باتیں
کہی گئی ہیں۔
مولف علامہ نے اس سورت کی تشریح کرتے ہوئے ان کا اصل مفہوم اس خوبصورتی
سے پیش کیا ہے اور تفسیری جھاڑ جھنکار کو اس طرح صاف کیا ہے کہ بے اختیار اُن
کے لئے دُعا نکلتی ہے سبحان اللہ وماشاء اللہ کتاب کا یہ حصہ ع
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

۶۔ وفات حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ذکر کرتے ہوئے مولف نے سبائی بدباطنوں
کے ایک عجیب و غریب الزام پر روایت و درایت کی رُو سے اس طرح بحث کی ہے
کہ سبائی الزام ایک لطیفہ بن کر رہ گیا ہے۔
غرض کہاں تک گنوایا جائے، پوری کتاب اسی طرح کے تحقیقی جواہرات سے مزین ہے
اور مولف کی محنت و کاوش کا جیتا جاگتا مرقع ہے۔

---

[1] اسی طرح مشہور عالم واقعہ قرطاس کے متعلق بھی (جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں ہونا بتایا جاتا ہے) علامہ شبلیؒ نے اپنی کتاب الفاروقؓ میں ثابت کیا ہے کہ وہ ایک فسانہ ہے ورنہ سرے سے یہ واقعہ پیش ہی نہیں آیا۔

[2] صدیقہ کائناتؓ کے مولف علام نے بھی اپنی اہم تالیف حقیقت مذہب شیعہ میں واقعہ قرطاس پر اچھوتے انداز میں بحث کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ واقعہ قرطاس سے متعلق حدیث موضوعات ہے۔ اس واقعہ کا سرے سے کوئی وجود نہیں۔

آخر میں

لوائے صحابہؓ کے علمبردار، رئیس القلم، حضرت العلام فاضل مولف کی خدمت میں اس کامیاب تالیف پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ غیرت مند مسلمان اور فرزندانِ اُم المومنینؓ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ خصوصاً صدیقۂ کائناتؓ کی معنوی بیٹیاں یعنی خواتینِ اسلام اس کا خود بھی مطالعہ کریں گی اور دوسروں کو بھی مطالعہ کی دعوت دیں گی۔

یکے از فرزندانِ اہلبیت

طاہر الہاشمی

سیّدۃ النساء العالمین محبوبہ محبوبِ ربّ العالمین اُمّ المومنین سیّدہ طاہرہ

صِدّیقۂ کائنات

صلوٰت اللہ علیہا

حکیم فیض عالم صدّیقی

بک کارنر
پبلشرز بک سیلرز اینڈ جنرل آرڈر سپلائرز
چوک فیصل شہید مین بازار فون ۲۸۸۵ جہلم